انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

شائع کردہ

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ بمبئی ۱

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

[illegible]

کے

اغراض و مقاصد

۱۔ بی۔اے کی تعلیم کا انتظام

۲۔ پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت

۳۔ تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون

۴۔ ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔

۵۔ مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب

۶۔ نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔

۷۔ اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجرا۔

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱۔ اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔

۲۔ گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت

۳۔ اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔

۴۔ اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:-	چار روپے	مع محصول ڈاک
ششماہی -	دو روپے	
فی پرچہ:-	ایک روپیہ	

ایڈیٹر نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲۔ دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں۔

ادبی پبلشرز

۸ شیفرڈ روڈ

بمبئی ۸

پاکستان میں:- رائٹرس ایمپوریم (پاکستان)

پوسٹ بکس نمبر ۹۴

کراچی ۱

نوائے ادب بمبئی

جلد ۹ ۳۶۶۶۸ جنوری ۱۹۵۸ء شمارہ ۱

J. No. 124-T

شذرات

جنوبی ہند نے ہمیشہ سے شمالی ہند کی مادی اور علمی دولت میں گراں بہا اضافہ کیا ہے۔ جہاں ایک طرف اس کی کانیں سونا اور ہیرے اگلتی رہی ہیں۔ اس کے باغ صندل، الائچی، کافور وغیرہ سے بزم عیش کو سجاتے رہے ہیں، جہاں اس کے ساحل دھن اور دولت کا سیلاب لاتے رہے ہیں، وہیں ادبی اور لسانی حیثیت سے بھی اس نے شمال کو اتنا مالامال کر دیا ہے کہ ہندوستان کا کوئی علاقہ اس کے بار احسان سے سر نہیں اٹھا سکتا۔ چنانچہ ہندوستان کی مشترک زبان کو علمی درجہ اسی نے دیا ہے اور اس کی تدریجی ترقی میں یہاں کے ہر چھوٹے بڑے نے حصہ لیا ہے، ان میں سلاطین بھی تھے اور امراء بھی، روساء بھی تھے اور فقراء بھی، انہیں سلاطین دکن میں محمدقلی قطب شاہ تھا جو اپنی متنوع حیثیتوں سے بڑی پر کشش رنگینیوں کا مجموعہ ہے۔ ادارۂ ادبیات اردو نے جو ہمیشہ اردو کی ترقی سے متعلق کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے، طے کیا ہے کہ جنوری کے اوائل میں اس صاحب سیف و قلم حکمران کا جشن منائے۔ ہم کو امید ہے کہ یہ جشن کامیاب ہوگا۔

اس محدود جشن کے ساتھ ہی ساتھ اسی اردو کے متعلق ایک بڑا اجتماع اردو کانفرنس کی شکل میں اوائل فروری میں، دہلی میں ہونے والا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے ہمیشہ لکھا ہے کہ اب کام کانفرنسوں سے نہیں چلے گا بلکہ ضرورت ہے کہ براہ راست عوام سے تعلق پیدا کر کے ان کو اردو تعلیم و ادب سے مانوس کیا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اس اجتماع کو کامیاب بنائے۔

غالب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف اس کے دیوان کے متعدد اڈیشن ناقدانہ کاوش کے ساتھ مرتب کئے جا رہے ہیں۔ جناب مالک رام صاحب کا مرتبہ دیوان شائع ہو چکا ہے، اور اب مولانا عرشی کا مرتب کیا ہوا دیوان شائع ہونے والا ہے۔ اسی کے ساتھ

مالک رام صاحب نے غالب کے فارسی دیوان کو بھی اڈٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور اس طرح غالب کے سلسلے میں ایک بڑا کام ہو جائے گا۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں بھی غالب پر خاص توجہ دی جارہی ہے لیکن اگر یہ تمام کام باہمی اشتراک اور متحدہ پروگرام کے ماتحت ہو تو اس سلسلہ میں وسعت پیدا ہو سکتی ہے اور ٹکراؤ کی زحمت سے بچ کر اس سلسلے میں دوسرے مفید کام ہو سکتے ہیں۔

علمی دنیا میں یہ خبر بہت رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث مدرسۂ قاسمیہ (دیوبند) نے ۵ دسمبر کو وفات پائی۔ مولانا صرف ایک بہت بڑے عالم اور بلند پایہ صوفی ہی نہ تھے بلکہ مجاہدین وطن کی فہرست میں بھی ان کا نام جلی حرفوں میں لکھا جائے گا۔ وطن کی خاطر انہوں نے قید و بند کے شدید مصائب جھیلے۔ ان کے ہر کام میں خلوص ہوتا تھا اور خلوص ہی وہ چیز ہے جو انسان کو «نسخۂ آدمیت» بناتی ہے۔ مولانا عربی و فارسی کے جیّد عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ترکی و مگدھی زبان سے بھی واقف تھے۔ اردو زبان میں ان کے مکتوبات چھپ چکے ہیں۔ علم و حکمت کا گنجینہ ہونے کے علاوہ یہ خطوط ادبی حیثیت سے بھی اہم ہیں۔ یہ قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں۔ ان میں مولانا کے خلوص، بے ساختگی اور علمیت کے ساتھ ادبیت بھی ہے۔ یہ خطوط اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ مولانا کا شعری مذاق بہت بلند تھا۔

عبد الرزاق قریشی

سیف طیب جی مرحوم

(صدر انجمن اسلام)

آدمی کا مرنا نہ کوئی غیر فطری بات ہے اور نہ کوئی عجوبہ۔ لیکن جب کوئی ایسا آدمی مرتا ہے جس سے بڑی بڑی توقعات ہوتی ہیں تو اس کے مرنے کا افسوس فطری طور پر زیادہ ہوتا ہے اور اس کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ سیف طیب جی کی ذات بھی ایسے ہی ممتاز افراد میں تھی۔

مرحوم لڑکپن ہی سے بہت ذہین تھے۔ ان کی تعلیم بمبئی میں ہوئی۔ بمبئی یونیورسٹی سے انھوں نے بی۔ایس سی کا امتحان پاس کیا اور یونیورسٹی کے تمام طلبا میں اول رہے۔ ام۔ایس سی بھی انھوں نے اسی یونیورسٹی سے کیا اور تمام کامیاب طلبا میں اول رہے۔ ام۔ ایس سی کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے ال ال۔بی کی ڈگری بھی لی اور سالسٹری کا امتحان بھی پاس کیا۔ اس کے بعد وہ یورپ چلے گئے اور تقریباً ڈیڑھ برس مختلف ممالک کی سیر کی۔ ان کی یہ سیر محض تفریحی نہ تھی بلکہ تہذیبی و تمدنی نقطۂ نگاہ سے تھی۔

سنہ ۱۹۲۸ء میں وہ یورپ سے ہندوستان آئے اور ایک سالسٹر کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ پیشہ کے ابتدائی مراحل انھوں نے بہت جلد طے کر لئے اور بہت مختصر سے عرصے میں ان کا شمار بمبئی کے ممتاز سالسٹروں میں ہونے لگا۔

سیف صاحب جب یورپ سے لوٹے تو ہندوستان میں ترک موالات کی تحریک اگرچہ سرد پڑ چکی تھی اس کے اثرات باقی تھے۔ ۱۹۲۹ء میں گاندھی جی نے سوّل نافرمانی کی تحریک شروع کی اور سارے ملک میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سیف صاحب نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا۔ ان کا سیاسی و قومی کاموں میں حصہ لینا حقیقتاً وراثتاً تھا۔ وہ بدرالدین طیب جی کے پوتے تھے اور بدرالدین طیب جی نے ہندوستان کی سیاسی سرگرمیوں میں جو حصہ لیا ملک کی سیاسی تاریخ کے صفحات اس کے شاہد ہیں۔ خود گاندھی جی نے اپنی خود نوشت سوانحعمری میں لکھا ہے

که جب میں افریقه سے ہندوستان آیا تو میں نے سیاسی معاملات میں اول اول بدرالدین طیب جی ہی سے مشوره کیا۔ جلیانوالا باغ کے مظالم کی رپورٹ جن لوگوں نے تیار کی ان میں ایک عباس طیب جی بھی تھے جو سیف صاحب کے چچا تھے۔ سیف صاحب کی ایک پھوپھی نے قومی تحریک میں اس وقت حصه لیا جب ان کی عمر ٦٥ سال سے اوپر ہوچکی تھی۔ اسی طرح ان کے خاندان کے اور بھی متعدد افراد قید و بند کی آزمائش سے گذرے۔

۱۹۳۵ء میں سیف صاحب انجمن اسلام کی انتظامیه کمیٹی کے رکن بنے۔ اُس زمانے میں یه اداره ایک عجیب کس مپرسی کے عالم میں تھا۔ چند جاہل اور خود غرض لوگوں نے اس پر قبضه جما رکھا تھا۔ بہت ممکن ہے که اداره کی اس ابتر حالت ہی نے مرحوم کو اپنی طرف کھینچا ہو۔ ۱۹۳٦ء میں وه انجمن کے سکریٹری ہوگئے اور گتھیوں کو ایک ایک کرکے سلجھانا شروع کیا اور ایک نہایت مختصر سے عرصه میں اداره کو خود غرض عناصر سے پاک کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ۱۹٤۷ء میں انجمن کی نئی اسکیم کے تحت وه اس کے صدر منتخب ہوئے۔

مرحوم نے سکریٹری کی حیثیت سے انجمن اسلام کا چارج لیا ہے تو کُل چار ادارے تھے۔ لیکن اس وقت تین ہائی اسکول، ایک مڈل اسکول، ایک بالغوں کا شبینه مدرسه، ایک ٹکنکل ہائی اسکول، ایک ٹکنکل انسٹی ٹیوٹ، ایک اسکول آف کامرس، ایک نائٹ اسکول آف کامرس، لڑکیوں کے دو اسکول، اور ایک اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ، ایک دارالاشاعت، اس انجمن کے تحت ملک و قوم کے ہزاروں بچوں اور نوجوانوں کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ بیس برس کی مدت میں ایک منجمد قسم کے ادارے کو اس قدر متنوع اور باعمل بنادینا سیف صاحب ہی کا کارنامه ہے۔

مرحوم ان تھک کام کرنے والے تھے۔ ان کی ذہانت و فطانت ان کے کاموں کے نتائج کو بہت جلد سامنے لے آتی تھی۔ وه کام کرنے والوں پر اعتماد رکھتے تھے اور ہر ممکن طریقے سے ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ جس شخص کے ذمه کام کرتے اس کے سلسلے میں اس کی بات زیاده مانتے۔

آج انجمن اسلام کے جتنے اہم رکن ہیں وه سب مرحوم ہی کے تربیت یافته ہیں۔ انجمن اسلام ایک تعلیمی و تہذیبی اداره ہے اس لئے مرحوم کی خواہش بلکه تمنا

تھی کہ اس کے سیاہ و سفید کے مالک ماہرین تعلیم اور تہذیب یافتہ اشخاص ہوں نہ کہ سرمایہ دار۔ وہ اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے اس وقت انجمن میں جو سرمایہ دار ہیں ان کی ذہنیتوں میں کافی فرق آ چکا ہے۔ وہ "دخل درمعقولات" قطعی نہیں کرتے یہ سیف صاحب کا اعجاز ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر مرحوم نے سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کی طرح آج سے دس سال پہلے ایک اسکیم "ارکان دوامی" (Life member) کی بنائی جس میں ابتدا میں صرف تین صاحبوں نے شرکت کی۔ لیکن اب ارکان دوامی کی تعداد سات ہے۔

انجمن اسلام کی بنا ڈالنے والوں میں مرحوم کے دادا بدرالدین طیب جی بھی تھے اور انجمن کا مقصد تعلیمی میدان کے ذریعے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنا تھا۔ انجمن اسلام کے زیر اہتمام چلنے والے مدارس کی تعداد اس بات کا ثبوت ہے کہ انجمن مسلمانوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے میں کامیاب ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں میں ہراس اور جمود پیدا ہو گیا تھا۔ سیف صاحب نے اسے محسوس کیا۔ اسی احساس کے زیر اثر انہوں نے دو رسالے "ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل" اور "جمہوریت و اقلیت" لکھے ان رسالوں کو پڑھ کر مرحوم کے سیاسی شعور اور بالغ نظری کا پتہ چلتا ہے۔ جزوی اختلافات کے باوجود سیاسی حلقوں میں ان رسالوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ مارچ کے انتخابات میں وہ جالنا علاقے سے پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ صرف آٹھ مہینے پارلیمنٹ کے ممبر رہ سکے مگر اس مختصر مدت میں انھوں نے اپنی سنجیدہ روی اور اصابت رائے سے پارلیمنٹ کے ممبروں کا اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ Food Grain Commission کے ممبر مقرر ہوئے، مہاراشٹر یونیورسٹی کمیشن کے ممبر مقرر ہوئے اور بڑی خوش اسلوبی سے اپنا کام انجام دیا۔ کہا جاتا ہے کہ پنڈت نہرو کو ان کی شخصیت میں مرحوم قدوائی کی فعالیت و عملیت کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ افسوس ہے کہ موت نے اس جوہر کو چمکنے کا موقع نہ دیا یہ ملک و قوم کی بد نصیبی ہے۔

اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ مرحوم ہی کی کوششوں سے وجود میں آیا۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں کھیر وزارت کے زمانے میں یہ طے پایا کہ اس صوبہ کی تین زبانوں (مرہٹی، گجراتی، کنڑ) میں تحقیقی کام کرنے والے اداروں کی مالی امداد کے ذریعے حوصلہ افزائی کی جائے۔ سیف صاحب نے اخباروں میں یہ اعلان دیکھا تو فوراً کھیر وزارت کے

سامنے اردو کا حق پیش کیا اور اسے منوانے میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح سنہ ١٩٤٦ء کے آخر میں یہ ادارہ وجود میں آیا۔ مرحوم کو ادارہ سے بہت دلچسپی تھی اور اس کی توسیع و ترقی کے بہت خواہش مند تھے۔

مرحوم کو اردو زبان و ادب سے نہایت گہرا لگاؤ تھا۔ وہ اس کی حفاظت و بقا کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ اردو زبان کی شیرینی اور اردو ادب کی وسعت ان لوگوں کو بھی اپنی طرف کھینچ لائے گی جو محض تعصب کی بنا پر اس سے کھنچے ہوئے ہیں۔ اسی خیال کے تحت ادبی پبلشرز کی بنیاد پڑی۔ یہ ادارہ اس وقت تک «عالم خیال» (شوق قدوائی) «زہر عشق» (شوق لکھنوی) «پطرس کے مضامین» اور «ٹیڑھی لکیر» دیوناگری لپی میں شائع کر چکا ہے۔ رشید احمد صدیقی کے مضامین اور میر کی غزلوں کے انتخابات زیر طبع ہیں۔ اسی ادارہ نے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کے صد سالہ جشن کے موقع پر «نوائے آزادی» کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں اردو کے ان مضامین اور نظموں کا جو انگریزوں کے خلاف جذبہ پیدا کرنے کے لئے لکھی گئیں انتخاب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت بھی مرحوم ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کی عزت مجھی کو ملی اور اسی کے ذریعہ اور اسی کی ترتیب کے زمانے میں مجھے مرحوم کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں بار بار وقت کی تنگی اور بمبئی میں مواد کی قلت کا ذکر کرکے مایوسی کا اظہار کرتا اور وہ ہر بار میری حوصلہ افزائی کرتے۔ دہلی سے مواد منگوانے میں اُنھوں نے مجھے جو سہولتیں بہم پہنچائیں انہیں میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ کتاب کی طباعت کے زمانے میں بعض رکاوٹیں پیش آگئیں اور ہم سب قطعی مایوس ہوگئے۔ مرحوم اس زمانے میں بمبئی سے باہر تھے۔ ان کے آتے ہی نہ رکاوٹیں رہیں اور نہ مایوسی۔

مرحوم بحث و تکرار کبھی نہ کرتے۔ اپنی غلطی ثابت ہونے پر فوراً اسے تسلیم کرتے ان کا قول تھا کہ اگر ترقی کرنا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کا خود پتا لگانے کی کوشش کرو۔ اپنی کمزوریاں اپنی نگاہ میں آجائیں تو گویا آدھا مرحلہ طے ہوجاتا ہے۔

مرحوم کی ذات سے ملک و قوم کو بہت توقعات تھیں۔ وہ ذہین و طباع تھے بڑی سے بڑی گتھی کو بہت جلد سلجھا لیتے تھے۔ اگر کبھی کوئی معاملہ زیادہ الجھ جاتا تو

صرف یہ کہتے اچھا اسے اگلی میٹنگ میں طے کریں گے اگلی میٹنگ میں ممبروں کو کچھ ایسا محسوس ہوتا گویا اس معاملہ میں کوئی گتھی پڑی ہی نہ تھی۔ وہ محض نظریات کے قائل نہ تھے بلکہ عمل پر ایمان رکھتے تھے۔ جو اسکیم ان کے ذہن میں آتی اس کے تمام پہلوؤں پر بہت جلد غور کرلیتے، جو رکاوٹیں ہوتیں انہیں جلد سے جلد دور کرنے میں کامیاب ہوجاتے اور اس پر عمل شروع کردیتے۔ ان کے سوچنے میں بھی تیزی تھی اور عمل میں بھی۔ لیکن انہیں اپنی تیزی فکر و عمل کی وجہ سے کبھی شرمندہ نہ ہونا پڑا۔ یہ ان کی سنجیدگی، بالغ نظری اور دوربینی کا ثبوت ہے۔

مرحوم کا جمالیاتی ذوق بہت بلند اور پاکیزہ تھا۔ خطاطی اور فن تعمیر سے انہیں خصوصاً بہت دلچسپی تھی۔ مغلوں کے زمانہ کی عمارتوں کی وہ بڑی قدر کرتے تھے۔

مرحوم کی صحت بہت اچھی تھی اور ہمیشہ اچھی رہی۔ میرے بعض احباب انہیں بیس بائیس برس سے جانتے ہیں ان کا بیان ہے کہ اس دوران میں ایک دن نہ کبھی انہیں بخار آیا اور نہ کوئی اور شکایت ہوئی۔ ۱۱ نومبر دوشنبہ کے دن دس بجے وہ دہلی پہنچے ۱۱ بجے وزیر اعظم پنڈت نہرو سے ملاقات کی۔ ایک بجے پارلیمنٹ کی گیلری میں ایک ممبر سے کھڑے باتیں کررہے تھے کہ کھانسی کا دورہ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چہرہ پیلا پڑگیا اور غشی طاری ہوگئی۔ ڈاکٹر نے دیکھا تو بتایا کہ قلب پر حملہ ہے اور سخت حملہ ہے۔ فوراً نرسنگ ہوم پہنچایا گیا۔ شام کو طبیعت کچھ سنبھل گئی۔ لیکن حقیقتاً یہ سنبھالا تھا۔ رات کو دو بجے درد شروع ہوا اور اس شدت کا درد تھا کہ دیکھنے والے بھی تڑپ اٹھے۔ ساڑھے چار بجے شدت انتہا کو پہنچی اور قلب کی حرکت بند ہوگئی۔ صدر انجمن اسلام مصدر کائنات کے پاس پہنچ گئے۔

مرحوم نے ایک بیوہ، دو لڑکے اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ لیکن ان کی سب سے بڑی یادگار انجمن اسلام کے متعدد ادارے ہیں۔ یہ یادگار کبھی مٹ نہیں سکتی اس لئے سیف صاحب کا نام بھی نہیں مٹ سکتا۔ یہ ملک و قوم سے لگن رکھنے کا صلہ ہے۔

قاضی عبدالودود

فہرست کتب خانۂ گارساں دتاسی

گارساں دتاسی ستمبر سنہ ۱۸۷۸ء[1] کی ٤ تاریخ کو راہی عدم ہوا، تو اس کا سامان نہ ہوسکا کہ اس کی فراہم کردہ کتابیں یکجا رہیں۔ اور ان کا فروخت کیا جانا قرار پایا (تاریخ آغاز ۱۷ مارچ سنہ ۱۸۷۹ع)، چنانچہ اس کے شاگرد F. DELONCLE نے ایک فہرست (مع ملحقات ۲۸۰ صفحات) تیار کی اور یہ فوراً معرض طبع میں آگئی۔ اس کے ساتھ دتاسی کی ایک تصویر[2] ہے، جو اس کے بالکل آخری زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ فہرست کے سرورق میں اس کے نام کے بعد مرقوم ہے:

Membre de l'Institut,[3] President de la Societe Asiatique, Professeur a l'École des langues Orientales, Membre Correspondant des Instituts et Academies de Saint Petersbourg, Berlin, Vienne, Florence, Upsal etc., Membre, honoraire de Societes Asiatiques de Calcutta, Bombay et Londres etc., Chevalier de la legion d'honneur Commandeur de l'cndre de Saint Jacques du Portugal, Chevalier de l'etoile Polaire de Suede,[4] Chevalier[5] de l'ondre imperial de Star of India.. etc., etc.,

شاگرد نے خود استاد کے بارے میں کچھ تحریر نہیں کیا، اس کے متعلق موسیو Laboulaye صدر اکادمی دز آنسکر پسیوں اے بل لتر نے اکادمی کے جلسۂ

---

[1] صدر اکادمی کی تقریر اس پر مشعر ہے کہ دتاسی ٦ ستمبر سے قبل کے بدھ کو فوت ہوا تھا۔ اس دن جمعہ تھا [2] یہ تصویر مقالات گارساں دتاسی (اردو) میں بھی شامل ہے [3] اس سے L'institut de France مراد ہے، جو ۵ اکادمیوں سے مرکب ہے۔ دتاسی اکادمی دز آنسکر پسیوں اے بل لتر کا رکن تھا، ڈاکٹر زور کا یہ قول کہ وہ فرانسیسی اکادمی کا رکن تھا، غلط فہمی پر مبنی ہے [4] سویڈن [5] نائٹ یہ لفظ اس موقع پر اس کا ہم معنی ہے تو دتاسی کو کے۔ سی۔ ایس۔ آی کا خطاب ملا تھا۔

٦ ستمبر سنہ ۷۸ع میں جو کچھ کہا تھا اور [1] ژورنال دساواں (مئی سنہ ۷۵ع) میں Barthelemy Saint-Hilaire نے جو کچھ لکھا تھا۔ اس کے پیش کردینے پر قناعت کی ہے۔

تقریر کا خلاصہ یہ ہے: دتاسی مارسی میں سنہ ۱۷۹٤ع میں پیدا ہوا، السنہ مشرقیہ کے مطالعے کے لئے سنہ ۱۸۱۷ع میں پیرس پہنچا اور نامور مستشرق، سلوستر دساسی کی رہبری میں مشرق سے کامل طور پر واقف ہوگیا۔ عربی اور ترکی سے جو ترجمے اس نے کئے ہیں وہ اس کے گواہ ہیں۔ اسے فارسی زبان اور اس کے ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اس نے منطق الطیر کو فرانسیسی میں منتقل کر کے، اس کے لئے ایک مقدمہ لکھا جس میں فارسی کی مذھبی اور فلسفیانہ شاعری سے بحث کی اور مسئلۂ وحدت الوجود [2] کو پیش کیا جس کا وہ مدت العمر مطالعہ کرتا رہا۔ ہند نے جلدی اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اس نے ادبیات ہندوی و ہندوستانی کی تاریخ لکھی۔ وہ پہلا اور تنہا فرانسیسی ہے جو اس «لطیف عالم» میں داخل ہوا ہے۔ ہم ترجمۂ قصۂ کامروپ [3] اور دیوان ولی [4] کے لئے اس کے رہین منت ہیں۔ ولی خواہ کسی ملک میں ہوتا یا کسی زبان میں شعر کہتا ایک بڑا شاعر سمجھا جاتا۔ مدرسۃالسنۂ مشرقیہ کے استاد اردو کی حیثیت سے وہ اپنے درس کا جن خطبوں سے ہر سال افتتاح کیا کرتا تھا، اس کی قدر فرانس ہی میں نہیں، بلکہ ہر جگہ جہاں مشرق سے دلچسپی ہے، ہوتی تھی۔ ان میں صحت کا لحاظ رکھا جاتا تھا اور ان سے اس کے ذوق (سلیم) کا پتہ چلتا تھا۔

---

[1] ڈاکٹر زور نے اپنی کتاب «گارساں دتاسی» میں جو دتاسی کے حالات زندگی لکھے ہیں وہ اسی تقریر اور ژورنال دساواں کی تحریر سے ماخوذ ہیں۔ ظاہرا یہ چیزیں انھوں نے فہرست ہی میں دیکھیں مگر انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ [2] دتاسی کا مقدمہ میں نے نہیں دیکھا۔ لیکن اس کی بعض دوسری تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وحدت الوجود کا قائل نہ تھا۔ [3] دتاسی نے اصل متن بھی الگ سے پیش کیا ہے [4] ولی کے کلام کے معتد بہ حصہ کا ترجمہ بھی کیا تھا جو کتابی شکل میں شائع ہوا تھا مجھے فہرست کتب خانہ دتاسی میں اس کا کوئی نسخہ نہ ملا۔

ہندوستان میں وہ فرانس سے زیادہ مقبول تھا اور وہاں اس کی رایوں کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ ہندوستانی اخبار اس کی تصویریں شائع کرتے تھے اور نظم و نثر میں «مغرب کے نامور نقاد» کی مدح سرائی کی جاتی تھی۔ وہ سنہ ۱۸۳۸ع میں اکادمی [1] کا رکن ہوا اور پیرس کی سوسی ایتے آسیاتیک کا [2] بانی تھا۔ وہ ایک باکمال مستشرق تھا اور کام کرنے سے کبھی نہ تھکتا۔ ہم لوگ جو اس سے (ذاتی) واقفیت رکھتے ہیں یہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنی شفقت کتنی نرمی اور کتنا انکسار تھا۔ وہ دوسروں کے آگے اپنے مٹا دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا اور علم سے اس کے سوا کسی اور بات کا طالب نہ تھا کہ اسے اس کی خدمت کا موقع دیا جائے۔ وہ عملاً و اعتقاداً سچا عیسائی تھا اور اس نے رضائے الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اور طبیعت پر قابو رکھتے ہوئے جان دی تھی۔ اس کی خود بینی کا یہ عالم تھا کہ اس نے خاص طور پر یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اس کی موت کے بعد دستور کے مطابق اکادمی کا کوئی خاص جلسہ خراج عقیدت ادا کرنے کی غرض سے منعقد نہ ہو۔

ژور نال دساواں کی تحریر میں ہندوستان میں دتاسی کی جو عزت و شہرت تھی اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ موسیو Martignac کے زمانۂ وزارت میں (سنہ ۱۸۲۸ع) سلوستر دساسی کی تحریک پر مدرسۃالسنۂ مشرقیہ میں ہندوستانی کے استاد کی جگہ [3] خاص طور پر دتاسی کے لئے نکالی گئی۔ استاد کو شاگرد کے مستقبل

---

[1] اکادمی سے وہی اکادمی مراد ہے جس کا جلسہ تھا۔ [2] اس سے غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس کے بانیوں میں تھا۔ میں نے اس مضمون میں جو دتاسی پر معاصر میں شائع ہونے والا ہے، اس سے بحث کی ہے۔

[3] "C'est en 1828... que fut Creee la chaire de' hindoustani... taut expres pour. . de Tassy" اس سے مترشح ہوتا ہے کہ پروفیسر کی چیر قائم ہوئی تھی، مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مدرسۃالسنۂ مشرقیہ کے اساتذہ کا وہ مرتبہ تھا یا نہیں جو انگلستان کی دانشگاہوں میں «پروفسر کا ہوتا ہے۔ فرانسسی میں Professeur معمولی معلم کے لئے بھی آتا ہے۔

کے متعلق کچھ شبہ نہ تھا اور اس کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ دتاسی تقریباً ۵۰ سال سے ہندستانی کی تعلیم میں مصروف ہے اور اس امر سے کہ اس کے قواعد ہندوستانی کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ بہت سے لوگ اس کے شاگرد ہوئے ہیں۔

دتاسی کے کتب خانے میں ۲۹۷۳ جلدات اور کچھ نقشے وغیرہ تھے۔ ان میں سے بعض جلدوں میں ایک سے زیادہ کتابیں تھیں۔ ذیل میں اس کے کچھ مندرجات کا جو مختلف نقطۂ نظر سے منتخب کیے گئے ہیں، ذکر کیا جاتا ہے:

عیسائیت (۱۷) عہد نامۂ حدید و قدیم اردو لندن سنہ ۱۸۶۰ (۱۸) عہد نامۂ قدیم ترجمۂ ہندوستانی ار عبرانی، سیرامپور سنہ ۱۸۲۹ (۱۹) بائبل ہندوستانی، لندن سنہ ۱۸۷۶ (۲۵) PSALTERIUM DAVIDIS IN LINGUAM INDOSTANI CAM TRANSLATUM A BENJ SCHULTZIO ہالہ سنہ ۱۷٤۷ (٤۰) عہد نامۂ جدید فارسی از ہنری مارٹین، لندن سنہ ۱۸۳۷ (٤۱) ایضاً ترجمۂ ہندوستانی از یونانی، سیرامپور سنہ ۱۸۱۱ (٤۲) ایضاً ہندوستانی ار ہنری مارٹین سیرامپور سنہ ۱۸۱٤ (٤٤) عہد نامۂ جدید ترجمۂ ہندوستانی ار یونانی از ہنری مارٹین، لندن (٤٦) عہد نامۂ جدید ہندوستانی، کلکتہ سنہ ۱۸۳۹ (۵۸) اناجیل اردو سنہ ۱۸۷۵ (۵۹) انجیل لوقس، ہندوستانی، مترجمۂ "SCHULTZ" ہالہ سنہ ۱۷٤۹، (۷۳) «اسکریچر[1] ۔ ان اورٹیل ڈرس اور امبلمس» از جون لونگ، کلکتہ سنہ ۱۸۷۱ ۔ اس میں بائبل کے مقولے اور ان کے ساتھ فارسی اردو بنگلہ وغیرہ کی مماثل مثلیں (۲۳۷) «ریویو اوف کرسچین لٹریچر ان انڈیا ڈیورنگ ۱۸۷۰ بائی جے۔ مرڈک،[2] مدراس سنہ ۱۸۷۱ ۔ پنجاب رلیجس بک سوسائٹی کی آٹھویں روداد۔ سنہ ۱۸۷۵ کی روداد « دی انڈین کرسچین اٹلی جنسر » (۳۳۹) «اے نیٹو چرچ فوردی نیٹوزاوف انڈیا» لاہور سنہ ۱۸۷۷ ۔ ان دیسی کتابوں کی فہرست جو پنجاب رلیجس بک سوسائٹی کے پاس لاہور میں ہیں۔

مذہب اقوام مشرق (۳۸٤) قران مع تفسیر حسین[3] و عباس[4] و

---

[1] یا اسکریچرل؟ [2] Murdoch [3] ؟ [4] ؟

ترجمۂ عبدالقادر، کلکتہ ایشیاٹک لیتھو گرافک پریس (۳۸۵) «موضح قرآن» بنگلی سنہ ۱۸۲۹ (۳۸۶) «نجوم‌الفرقان» بمبئی سنہ ۱۸۰۸ [1] «قرآن: مولوی عبدلقادر کا ترجمہ» سنہ ۱۸٤٤ ـ(۳۸۹) ترجمۂ قرآن مع تفسیر از Savary اس کے آغاز میں "La legende de Mahomet" مترجمہ دتاسی از عربی سنہ ۱۸۲۹ ـ Doctrines et devoirs de la religion Musulmane, tires du Coran, Suivis de 'l'encloque Musulman مترجمۂ دتاسی از عربی سنہ ۱۸٤۰ (۳۹۱) قرآن کا ایک نا معلوم باب [2] ـ مترجمہ و شائع کردۂ دتاسی سنہ ۱۸٤۲ ـ ملاحظات مرزا الکزنیڈر کاظم بیگ بریک باب نامعلوم قرآن، پیرس سنہ ۱۸٤٤ ـ سعدی پہلا ہندوستانی شاعر از دتاسی سنہ ۱۸٤۳ اس کے متعلق نیو بولڈ کا مکتوب بنام دتاسی ۱۸٤۳ ـ کرشنا کا قصہ ایک ہندوستانی نظم کا ٹکڑا مترجمۂ دتاسی (۳۹۳) "EXPOSITION DE LA FOI MUSULMANE" ترکی سے دتاسی نے ترجمہ کیا، «مع حواشی» اصل کتاب کا مصنف محمد بن پیر علی ELBERKEVI اس کے بعد سید نامۂ سعدی (فارسی) کا ترجمہ از دتاسی اور قصیدۂ بردہ (عربی) کا ترجمہ از دتاسی سنہ ۱۸۲۲ ـ ادبیات مشرق پر ایک نظر از دتاسی ـ بہ تاریخ ۱ مارچ سنہ ۱۸۲۲ CIRCLE DES ARTS کے سامنے پڑھا گیا (٤۱۱) L'ISLAMISME D'APRES LE CORAN L'ENSEIGNMENT DOCTRINALE ET LA PRATIQUE" از دتاسی سنہ ۸۷٤ (٤۱۷) MEMOIRES SUR DES PARTICULARITES DE LA RELIGION MUSULMANE DANS L'INDE, D'APRES LES OUVRAGES HINDOSTANIS" از دتاسی سنہ ۱۸۳۱ (٤۱۸) ایضاً سنہ ۱۸٦۹ ـ

اصول قانون (٤۷۸) عنایہ شرح ہدایہ از اکمل‌الدین کلکتہ سنہ ۱۸۳۰ ـ ۱۸۳۱ (٤۷۹) LOIS MAHOMETANES OU RECUEILS DES US ET COUTUMES DES MAHOMETANS ETABLIS DANS LA PRESQU'ILE DE L'INDE" از F E SICE پونڈیچری سنہ ۱۸۳٤ (٤۸۰) شرح خلاصہ کتاب قاضی سرمد "KACHF UL KHOULAW" نظم اردو کلکتہ (٤۸۱) اصول قوانین اقوام مصنفۂ بوتر و مترجمہ رام‌کشن (٤۸۵) پنیل کوڈ کا اردو ترجمہ از G F EDMONS TOUE باعانت WUJECHOOZZAMAN آگرہ سنہ ۱۸۵۰ ـ

---

[1] ؟ [2] "Chapitre"

علوم (۵۵۱) «جامع العلوم» تاریخ طبیعی اردو آگرہ سنہ ۱۸۶۱ع (۵۶۵) مصایب ابن سینا عربی ... ۱۵۹۳۰ (۵۶۸) «اے ووکیبلری اوف دی بیمس اوف دی میٹریس پارٹس اوف دی ہیومن باڈی اینڈ اوف مڈیکل اینڈ ٹکنیکل ٹرمس ان انگلش، اربک، پرشین ہندی اینڈ سنسکرت» طبع ثانی از PETER BRETON کلکتہ سنہ ۱۸۲۷ (۵۷۳) لندن فارما کوپیا ... ۱۸۲٤ ہندوستانی میں بخط فارسی (۵۷۸) «میٹریا مڈیکا اوف ہندوستان» مدراس سنہ ۱۸۱۳ (۵۸۷) مبادی اقلیدس، اردو آگرہ سنہ ۱۸۵۶ (۵۸۸) "LE STORIS TRAITESDE MATHEMATIQUES DE CAFAZZOUL HOU SEIN KHN DARLA MAULANA HAIDER ALI" کلکتہ سنہ ۱۸۱۹ (۵۸۹) «... ریاضی» دیوان KANHJI ساکن پٹنہ، کلکتہ سنہ ۱۸۳۷ (۵۹۱) اصول ... مدراس سنہ ۱۸۵۸ (۵۹۳) رسالۂ اقلیدس، ہندوستانی الہ آباد سنہ ۱۸۵۰ (۵۹٤) «مصباح المساحت» اقلیدس، اردو الہ آباد سنہ ۱۸۵۹ ـ

فنون لطیفہ (۶۲۷) «دی ہندوستانی کورل نک اور سوار سکرہ: کنٹیننگ دی ... ان دی گیت سکرہ وچ آر ان ہیتو میٹرس» از جون پارسن، بنارس ... ۸۶ (۶۳۳) «اے ... اوف اون میریڈتھ سٹ ٹو ہندو میورگ» از سر ندرو ... کلکتہ سنہ ۱۸٤٤

قواعد زبان وغیرہ (۶۶۲) «دی اپلی کیشن اوف دی رومن ایلفبٹ ٹو اول دی ... گویجز» مقالات از تریویلین وحسے پرسپ وٹیلرو اے ـ ڈف و ایچ ـ ٹی پرسپ ... سنہ ۸۳٤ ـ

مشرقی زبانیں (۹۶۷) «ایشیاٹک ریسرچز» از سنہ ۱۸۰۶ تا ۱۸۳۶، لندن و کلکتہ (۹۷۲) دی میڈراس جرنل اوف لٹریچر اینڈ سائنس» (۹۷٤) ٹریبریکشنز اوف دی لٹریری سوسائٹی اوف میڈراس» (۹۷۸) «دی میرٹ یونیورسل میگزین» آگرہ ۹۷۹ «جرنل اوف دی امریکن اورینٹل سوسائٹی» بوسٹن (۹۸۰) "REVUEORIENTALE ET AL GERIENNE" پیرس (۹۸۱) REVUEORIENTALET AMERICAINE" پیرس (۹۸٤) «وقائع مصریہ» ترکی و عربی، قاہرہ کا مجلہ (۹۸۵) ہندوستانی اور انگریزی اخبار «ایلنس انڈین میل» لندن، «پنجابی» لاہور، «علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزیٹ» «بہار سائنٹفک سوسائٹی» مظفر پور

«اخبار انجمن پنجاب» وغیرہ (۹۹۰) ایسینز بائی دی اسٹوڈنٹ اوف دی کولج اوف فورٹ ولیم ان بنگال..» کلکتہ سنہ ۱۸۰۲ (۹۹۹) «لکچر کارڈ اوف دی لنڈن اوریئل انسٹی ٹیوشن» از سنیڈ فرڈ آرنٹ لندن سنہ ۱۸۲۷ (۱۰۰۳) محاورہ آمیز جملے انگریزی ہندوستانی وغیرہ میں از دوسا لہاجی گورابجی [۱]، بمبئی سنہ ۱۸٤۳ (۱۰۱٤) "RHETORIQUE ET PRO-SODIE DES LANGUES DE L'ORIENT MUSULMAN" از دتاسی سنہ ۱۸۷۳ (۱۰۲۰) رومی رسم خط اور ہندوستانی زبانیں اس موضوع پر مقالے پہلے کلکتہ میں (سنہ ۱۸۳٤ و سنہ ۱۸۳٦) شائع ہوئے بعد کو لندن میں چھپے سنہ ۱۸۵۸ (۱۰۳۷) Chr-Chrestomathies Orientales جلد ۱ سنہ ۱۸٤۱ عربی ،فارسی، ترکی، ہندوستانی وغیرہ ۱۰۳۸ سلسلۂ بیلیوتیکا انڈیکا کی کتابیں۔

سنسکرت پالی (۱۱۱٤) «پدنا مہ آذر باد مار اسپند [۲]» بمبئی سنہ ۱۸٦۹۔

ہندوستانی (اردو ہندی داروڑی [۳] زبانیں جدید بولیاں (۱۰٤۵) قواعد ہندوستانی از Schult بالہ سنہ ۱۷٤۵ء (۱۱٤۷) ہندوستانی قواعد، روم سنہ ۱۷۷۸ء (۱۱٤۸) قواعد ہندوستانی یا حصۂ ۳ جلد ۱ یا «ای سسٹم اوف ہندوستانی فلالوجی» از گلکرائسٹ کلکتہ سنہ ۱۷۹٦ء (۱۱٤۹) «ای کمپنڈیس گرامر اوف دی کرنٹ کرپٹ ڈیالکٹ اوف دی جارگن اوف ہندوستان» مع لفظ نامہ جورج ہیڈلے لندن سنہ ۱۸۰۹ء (۱۱۵۰) قواعد ہندوستانی از شیکسپیر لندن سنہ ۱۸۱۸ء (۱۱۵۱) گل گرائسٹ کا اردو رسالہ کلکتہ سنہ ۱۸۲۰ء (۱۱۵۲) "The Stranger's infallible East Indian Or Hindoostanee multum in parvo as a grammatical Compendium of the grand PoPular and military language of all India" از گل کرائسٹ لندن سنہ ۱۸۲۰ء (۱۱۵۳) تحفۃ الفنسٹن یا قواعد ہندوستانی از محمد ابراہیم مکبا [٤]، V Kennedy نے اس کتاب پر نظر ثانی کی ہے بمبئی سنہ ۱۸۲۳ء (۱۱۵٤) قواعد ہندوستانی و فارسی و عربی از ولیم پرائس لندن سنہ ۱۸۲۳ «اے نیو گرامر اوف دی ہندوستانی لینگویج» از ایضاً لندن سنہ ۱۸۲۸ء (۱۱۵۵)

---

[۱] کذا صحیح دوسا بھائی سہراب جی (تاریخ ادبیات جلد ۳ ص ۱۵۱) [۲] یہ نہ سنسکرت ہے نہ پالی بلکہ پہلوی ہے۔ [۳] لفظ «ہندوستانی» کے تحت دراوڑی زبانیں، لکھنا مناسب نہ تھا۔ [٤] تاریخ ۳ ص ۲٤۰ میں Macbah۔

Rudiment de la langue Hindustani ' از دتاسی، سنہ ۱۸۲۹ء ضمیمہ ایضاً از دتاسی سنہ ۱۸۳۳ء (۱۱۵٦) قواعد ہندوستانی از ولیم اینڈریو، لندن سنہ ۱۸۳۰ء (۱۱۵۸) " Institutiones linguae practriticae Scripsit Christianus Lassen ' بون سنہ ۱۸۳۷ء (۱۱۵۹) قواعد ہندوستانی از جیمس آر بیلنٹائن لندن سنہ ۱۸۳۸ء (۱۱٦۰) قواعد ہندوستانی از شیکسپیر لندن سنہ ۱۸۴۳ (۱۱٦۱) قواعد ہندوستانی از سیڈفرڈ آرنٹ مع حواشی و لفظ نامہ از ڈنکن فوربس لندن سنہ ۱۸۴۴ء (۱۱٦۲) مقدمۂ زبان ہندوستانی مشتمل بر قواعدو لفظ نامۂانگریزی و ہندوستانی از شیکسپیر لندن سنہ ۱۸۴۵ء (۱۱٦۴) قواعد ہندوستانی از ڈنکن فوربس لندن سنہ ۱۸۴٦ء (۱۱٦۴) قواعد ہندوستانی از شیکسپیر لندن سنہ ۸۴٦ (۱۱٦۵) " Rudiments de la langue hindoue " از دتاسی سنہ ۱۸۴۷ء (٦٦ ۱) قواعد اردو از S Slater کلکتہ سنہ ۱۸۴۹ء (۱۱٦۷) قواعد ہندوستانی اردو مع از کریم الدین آگرہ سنہ ۱۸۵۲ء (۱۱٦۹) «این ایزی انٹروڈکشن ٹو دی اسٹڈی اوف ہندوستانی » از مونیر ولیمز سنہ ۱۸۵۸ء (۱۱۷۰) قواعد ہندوستانی از ای-آر ایسٹوک طبع ثانی از Georges Small لندن سنہ ۱۸۵۸ء (۱۱۷۲) ۱۵۵ مطبوعۂ سنہ ۱۸٦۵ " Les - ۱۸۵۵ از دتاسی سنہ ' Les anteurs hindoustains et lear ouvrages animaux ہندوستانی احوال الصفا کے اقتباس کا ترجمہ از دتاسی سنہ ۱۸٦۴ (۱۱۷۳) قواعد ہندوستانی، معلمین کے استعمال کے لئے، لرس، سنہ ۱۸٦۵ (۱۱۷۴) مبادی ہندی و برج بھاکھا از بیلنٹائن لندن سنہ ۱۸٦۸ (۱۱۷٦) «اے کمپریٹو گرامر اوف دی موڈرن ایرین لنگویجز » از جون بیمز، لندن سنہ ۱۸۷۲ (۱۱۷۸) قواعد اردو یا ہندوستانی از جون ڈوسن لندن سنہ ۱۸۷۲ (۱۱۷۹) "The English language or Nasmiths practical sys- tem adapted to اردو از الوڈس ای پریچرڈ، لندن سنہ ۱۸۷۳ء (۱۱۸۱) قواعد اردو از راجہ شیو پرشاد، کانپور سنہ ۸۷۵، (۱۱۷۴) «دی اورینٹل لنگوئسٹ، این ایزی اینڈ فیملیر انٹروڈکشن ٹو دی پوپولر لینگویج اوف ہندوستان» قواعد مع لفظ نامہ، کلکتہ سنہ ۱۷۹۸ (۱۱۸۵) «دی ہندی اسٹوری ٹلر » رومی، فارسی اور دیوناگری رسم الخط کلکتہ سنہ ۱۸۰۲ (۱۱۸٦) «دی ہندی میول اور کاسکٹ اوف انڈیا» زیر اہتمام گل کرائسٹ کلکتہ سنہ ۱۸۰۲ (۱۱۸۷) «دی ہندی مورل پریسپٹر اینڈ پرشین اسکولرس شورٹسٹ روڈ ٹو دی ہندوستانی لینگویج اینڈ ویسے ورسا» اہتمام گلکرائسٹ کلکتہ سنہ ۱۸۰۳ (۱۱۸۸) «دی برٹش انڈین مونیٹر اور دی اینٹی جارگنسٹ» «اسٹرینجرس گائڈ اورینٹل لینگوئسٹ» از مصنف «ہندوستانی

فائی لولوجی» اڈنبرا سنه ١٨٠٦ء (١١٨٩) «این انٹروڈکشن ٹو دی اسٹڈی اوف ہندوستانی... ایز اسپوکن ان دی کارناٹک» سنه ١٨٠٨ء (١١٩٠) انگریزی ہندوستانی مکالمه از گلکرائسٹ اڈنبرا ١٨٠٩ء (١١٩٢) «ڈیالوگس انگلش اینڈ ہندوستانی فور السٹرئٹنگ دی گریمٹکل پرنسپلز اوف دی اسٹرینجرس ایسٹ انڈین گائڈ» از ایضاً لندن سنه ١٨٢٠ء (١١٩٣) «دی ہندی مورل پری سپٹر اور ریوڈی میٹل پرنسپلز اوف پرشین گرامر ایز دی ہندوستانی اسکولرس شورٹسٹ روڈ ٹو دی پرشین لینگویج اور ویسے ورسا» از گلکرائسٹ، لندن سنه ١٨٢١ء (١١٩٤) «دی ہندوستانی انٹرپریٹر» مشتمل بر مبادی قواعد ہندوستانی از ولیم کار مائکل اسمتھ، لندن سنه ١٨٢٤ء «لطائف ہندی اور ہندوستانی جسٹ بک» مرتبه ایضاً لندن سنه ١٨٢١ء «شعلۂ عشق» از میر مرتبه ایضاً لندن سنه ١٨٢٠ء (١١٩٥) «سکنتلاناٹک» ضمیمه «دی انگلش اینڈ ہندوستانی ڈیالوگر ان دی یونیورسل کیریکٹر» از گلکرائسٹ لندن سنه ١٨٢٦ء (١١٩٦) مقدمۂ زبان ہندوستانی از W Yates کلکته سنه ١٨٢٦ء (١١٩٧) ایضاً رومی رسم الخط میں منتقل ہے۔ تومس نے کیا، کلکته سنه ١٨٣٦ء (١١٩٨) «پوکٹ گائڈ ٹو ہندوستانی کونورسیشن» مع قواعد و لفظ نامه از بیلٹائن، لندن سنه ١٨٤١ء (١٢٠١) «دی ہندوستانی مینول» از ڈنکن فوربس لندن، سنه ١٨٤٥ء (١٢٠٣) «تسہیل الکلام» یا «ہندوستانی میڈ ایزی» از کپتان W R Hobroyd لندن، سنه ١٨٧٣ء (١٢٠٤) ہندوستانی کے ہم معنی الفاظ از جیمس ڈبلیو فرل کلکته، سنه ١٨٧٣ء (١٢٠٥) ہندوستانی یا اردو قواعد از جون ٹی پلیٹس لندن، سنه ١٨٧٤ء (١٢٠٦) «دی کونورسیشن مینول ان انگلش ہندوستانی پرشین پشتو» از کپتان جی پلنکٹ لندن، سنه ١٨٧٥ء (١٢٠٧) "The Hindu Roman ortheo-epigraphical ultimatum or a Systematic discriminative view of oriental & occidental visible sounds" از گلکرائسٹ لندن، سنه ١٨٢٠ء (١٢٠٨) «دی پلیزنگ انسٹرکٹر» ہندوستانی کلکته سنه ١٨٢٤ء (١٢٠٩) «دی ہندوستانی اینڈ انگلش اسٹوڈنٹس اسسٹنٹ» کلکته سنه ١٨٢٦ء (١٢١٠) Manuel de l'auditeur du Cours d'hindoustani on themes gradnes pour exercer a la conversation et an Style epistolaire" مع لفظ نامۂ فرانسیسی۔ہندوستانی، مع حواشی بخط دتاسی (١٢١٢) «دی رجمنٹل منشی» ہندوستانی، از کپتان اڈورڈس لندن سنه ١٨٤٧ء (١٢١٩) کونکن کی زبان سے متعلق کتابیں پرتگیزی زبان میں (١٢٢٣) انگریزی ہندوستانی لغت، مدراس سنه ١٧٩٠ء (١٢٢٤) لغت ہندوستانی و انگریزی از جوزف ٹیلر، ڈبلیو ہنٹر نے اس پر نظرثانی کی اور اسے مرتب کیا

کلکتہ سنہ ۱۸۰۸ء (۱۲۲۵) «ہندوستانی فائی‌لولوجی» مشتمل بر لغت انگریزی و ہندوستانی و قواعد از گلکرائسٹ لندن سنہ ۱۸۲۵ء (۱۲۲۶) ہندی لغت از ایم- ای- ایڈم کلکتہ سنہ ۱۸۲۹ء (۱۲۲۷) «راسینا یا ٹھگوں کی زبان» کلکتہ سنہ ۱۸۳۶ء (۱۲۲۸) لغت انگریزی بنگلہ و ہندوستانی، رومی رسم‌الخط کلکتہ سنہ ۱۸۳۷ء (۱۲۲۹) اردو انگریزی لغت از جے- ٹی- Tompson ساکن دہلی، سیرامپور سنہ ۱۸۳۸ء (۱۲۳۰) «سپلمنٹ ٹو دی گلوسری اوف انڈین ٹرمس» ار ایچ- ایم- ایلیٹ آگرہ سنہ ۱۸۴۵ء (۱۲۳۱) ہندی و انگریزی لغت از جے ٹی لومپس کلکتہ سنہ ۱۸۴۶ء (۱۲۳۲) «اے رومینائزڈ ہندوستانی اینڈ انگلش ڈکشنری» براے مدارس ار Nath Brice کلکتہ سنہ ۱۸۴۷ء (۱۲۳۳) انگریزی ہندوستانی جیبی لغت ار کپتان روبرٹ شڈن ڈوبی لندن سنہ ۱۸۴۷ء (۱۲۳۴) ہندوستانی انگریزی لغت از ڈبلیو ییٹس کلکتہ- لندن سنہ ۱۸۴۷ء (۱۲۳۵) " Christomathie hindie et hindustani " سنہ ۱۸۴۹ء - لغط نامۂ ہندی و ہندوی - فرانسیسی - دتاسی کے قلمی حواشی (۱۲۳۶) ہندوستانی انگریری اور انگریری ہندوستانی لغت از شیکسپیر سنہ ۱۸۴۹ء (اس کے ساتھ شیکسپیر کا خط اور حواشی دتاسی) (۱۲۳۷) لغظ نامۂ ہندوستانی فرانسیسی براۓ متن قصۂ کامروپ مرتبۂ دتاسی ار لاے برتراں، سنہ ۱۸۵۸ء (۱۲۳۸) انگریری ہندوستانی لغت مشتمل بر مصطلحات قانون و تجارت از جے- ڈبلیو- فیلن کلکتہ سنہ ۱۸۵۸ء (۱۲۳۹) ہندوستانی و انگریری اصطلاحات کا حربیہ ار کپتان جی- ایچ- راورٹی ہرٹفرڈ سنہ ۱۸۵۹ء (۱۲۴۰) اردو انگریری لغط نامہ براۓ مبتدیاں، مارس سنہ ۱۸۶۰ء (۱۲۴۱) «گلوسری ہندوستانی اینڈ انگلش ٹو دی نیو ٹسٹامنٹ اینڈ سامس» از Gotton Mathur لندن، سنہ ۱۸۶۱ء (۱۲۴۲) «اے ٹرائی لنگول ڈکشنری» انگریری، اردو، ہندی، رومی رسم الخط از متھرا پرشاد مسرا، لندن سنہ ۱۸۶۵ء (۱۲۴۳) ہندوستانی انگریزی اور انگریزی ہندوستانی لغت طبع دوم از ڈنکن فوربس لندن سنہ ۱۸۶۶ء (۱۲۴۴) «اے کمپریٹو ڈکشنری اوف دی لنگویج اوف انڈیا اینڈ ہائی ایشیا» از ڈبلیو- ہنٹر، لندن سنہ ۱۸۶۸ء (۱۲۴۵) لغت ہندی از ڈی- بیٹ لندن سنہ ۱۸۷۵ء (۱۲۴۶) Dictionaire hindoustani-francais et francais-hindoustani, Suivi d'un vocabulaire mytholo-gique, historiqu et geographique de l'Inde publie sous la direction de deTassy par francois

Deloncla سنہ ۱۸۷۶ء ایک قسط [1] (۱۲۴۷) انگریزی اردو لغت (رومنزائڈ) طبع ہشتم از H. Blochmann کلکتہ سنہ ۱۸۷۷ء (۱۲۴۹) «دی زلا ڈکشنری اِن دیٰ رومن کیریکٹر اکسپلیننگ دی ویریس ورڈس یوزڈ ان بزنیس ان انڈیا» از Ch. Phillip Brown مدراس سنہ ۱۸۵۲ء (۱۲۵۱) تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی از دتاسی، دو جلدیں [2] سنہ ۱۸۳۹ء (۱۲۵۳) ایضاً تین جلدیں [3] سنہ ۱۸۷۰ء دتاسی کے قلمی حواشی (۱۲۵۴) "Memoire Sur le nams propres et les titres Musulmans" از دتاسی سنہ ۱۸۷۸ء (۱۲۵۵) «کرستوماتی» اردو دکنی، مع حواشی قلمی از دتاسی سنہ ۱۸۴۷ء (۱۲۵۶) "Les femmes poetes dans l'Inde" از دتاسی سنہ ۱۸۵۴ء "Tableau du Kali [4] yug ou de l'age de faire" مصنفۂ وشنو داس (ہندوی) مترجمۂ دتاسی "Masoud poete Persan et hindoui" خطِ نوشتۂ N. Bland بنام دتاسی سنہ ۱۸۵۳ء "Notice Sur Une Carte routiere de مشہد a بخارا et de بخارا a بلخ d'apres la traduction de deTassy" از Sedillot سنہ ۱۸۵۲ء (۱۲۵۷) «کونفرنس اون اردو اینڈ ہندی کرسچین لٹریچر ہلڈ ایٹ الہٰ آباد» ۲۴ و ۵ فروری، مدراس سنہ ۱۸۷۵ء (۱۲۵۸) قدیم و جدید سربرآوردہ ہندو مصنفین کے حالات از Jamardan سنہ ۱۸۶۰ء (۱۲۵۹) "Cours d'hindoustani La languae et la litterature hindoustanis, discours d'ouverture du Cours hindoustani" از دتاسی، پیرس سنہ ۱۸۵۰ تا ۱۸۷۶ء چار جلدیں، جلد ثالث میں ۱۸۵۰ تا ۱۸۶۹ کے خطبات دوبارہ چھپے ہوئے (۱۲۶۰) "Notice des biographies originales des auteursqui onecrit en langue indienne ou hihdoustan" از دتاسی ۔ اشارات متعلق رباعیات عمر خیام از دتاسی سنہ ۱۸۵۷ء ۔ بوستان سعدی کا خلاصہ و اقتباسات از دتاسی ۔ آثار الصنادید [5] سید احمد خاں کا ترجمہ سنہ ۱۸۶۱ء (۱۲۶۱) Analyse d'un monologue dramatic از دتاسی سنہ ۱۸۵۰ء Ferraro de Castle-branco کی وفات پر دتاسی کی تحریر سنہ ۱۸۴۹ء ۔ "Compte-rendu de l'ouvr-

---

[1] یہی ایک قسط چھپی، جیسا کہ گریرسن کے جائزہ السنۂ ہند میں ہے ۔ ڈاکٹر زور کی کتاب (گارساں دتاسی) سے کچھ اور مترشح ہوتا ہے [2] یہ دو جلدیں ایک سال میں نہیں چھپیں [3] یہ تین جلدیں سنہ ۱۸۷۰ سنہ ۱۸۷۱ میں شائع ہوئیں [4] کل جگ ؟ [5] ترجمہ میں نے دیکھا ہے مکمل کتاب کا نہیں ۔

" Institions linquae persicae age de J A Vullers, institule از دتاسی سنہ ۱۸۵۰ء۔ اشارات متعلق اخلاق محسنی از دتاسی (۱۲۶۲) زبان و ادبیات ہندوستانی از سنہ ۱۸۵۰ تا ۱۸۶۹ء طبع سنہ ۱۸۷٤ء (۱۲۶۳) خطبات افتتاحی از دتاسی سنہ ۱۸۵۰ تا ۱۸۷۷ء (۱۲٦٤) خلاصۂ قصۂ گلاب[1] بکاؤلی از دتاسی سنہ ۱۸۳۵ء ۔ اعلان لورڈ النبرا متعلق دروازہ معبد سومناتھ، متن ہندوستانی و ترجمہ سنہ ۱۸٤۵ء ۔ " Histoire de litterature hindouie et hindoustanie d'apresles biographies originals" (۱۲٦۵) اخلاق ہندی از بہادر علی مرتبہ سید عبداللہ لندن سنہ ۱۸٦۸ء (۱۲٦٦) ترجمہ عربی و فارسی و ترکی و ہندوستانی از " Allegories, Recits poetiques et chants poqulaires " دتاسی سنہ ۱۸۷٦ء (۱٦٦۷) ترجمہ قصہ کامروپ مصنفہ تحسین‌الدین از دتاسی سنہ ۱۸۳٤ء (۱۲٦۹) ایضاً متن ہندوستانی مرتبہ دتاسی سنہ ۱۸۳۵ء (۱۲۰۷) باغ و بہار کا لفظی ترجمہ از ایسٹوک، ہرتفرڈ سنہ ۱۸۵۲ء (۱۲۷۱) ترجمہ ایضاً از ڈنکن فوربس لندن سنہ ۱۸۵۷ء (۱۲۷۲) باغ و بہار کا فرانسیسی ترجمہ از دتاسی سنہ ۱۸۷۸ء نظم ہندوستانی[2]۔ مسمی بہ باغ و بہار کا فرانسیسی ترجمہ از دتاسی سنہ ۱۸۷۸ء (۱۲۷٤) بتیال پچیسی ترجمہ انگریزی از رج بہاشا، مترجم راجہ کالی کرشن بہادر کلکتہ سنہ ۱۸۳٤ء (۱۲۷۷) «اے کلکشن اوف مورل پری سپٹس اینڈ رفلکشنز» انگریزی و ہندوستانی لکھنؤ سنہ ۱۸۳۳ء (۱۲۷۹) اے کلکشن اوف پلیزنٹریز » انگریزی اور فارسی سے اردو میں ترجمہ از راجہ کالی کرشن کلکتہ سنہ ۱۸۳۵ء (۱۲۸۰) ترجمہ نظم میر از دتاسی بنام "Conseils aux mauvais poetes" سنہ ۱۸۲٦ء۔ محمد ثانی کی فتح قسطنطیہ کا بیان، ترکی سے دتاسی نے ترجمہ کیا سنہ ۱۸۲٦ء "Memorial Scinetifique et industriel recueil mensuel" عربی شائع کردہ دتاسی (۱۲۸۱) "La doctrine de lamour" یا تاج الملوک و بکاؤلی ترجمہ کتاب نہال چند از دتاسی سنہ ۱۸۵۸ء قصۂ کامروپ متن ہندوستانی (رومی خط) بموجب متن دتاسی از لابے برتران سنہ ۱۸۵۹ء (۱۲۸۳) «گیے، کے «فیلر» کا اردو ترجمہ از راجہ کالی کرشن بہادر کلکتہ سنہ ۱۸۳٦ء (۱۲۸٤)

---

[1] فارسی میں «گل» لازماً گلاب نہیں، مگر دتاسی «گل بکاؤلی» کے ترجمے میں لفظ «روز» لاتا ہے ۔

[2] میر امن کی باغ و بہار نثر میں ہے ۔ «نظم» یا تو غلط لکھا ہے، یا یہ کسی دوسری کتاب کا ترجمہ ہے ۔

«گل بکاؤلی» اردو سے انگریزی نظم و نثر میں ترجمہ از ٹی۔ فلپ میول کلکتہ سنہ ۱۸۵۹ء (۱۲۸۵) قصۂ گرو پرامرتا، ظریفانہ حکایت، مترجم لابیے دیو بوا سنہ ۱۸۷۷ء (۱۲۸۶) حیدری کی گلِ مغفرت کا ترجمہ از لابیے دیو بوا، آخر میں مرثیۂ مسکیں کا ترجمہ از دتاسی سنہ ۱۸٤۵ء (۱۲۸۷) «ہندی اینڈ ہندوستانی سلکشنز» مع مبادی قواعد ہندوستانی دو جلدیں کلکتہ سنہ ۱۸۲۷ء (۱۲۸۸) ۱۲۰۷ کی قدیم تر اشاعت سنہ ۱۸۰٤ء کلکتہ (۱۲۸۹) اکرام علی کی ہندوستانی «اخوان‌الصفا» کا ترجمہ از "John Platts" لندن سنہ ۱۸۵۹ء (۱۲۹۰) اسی کا دوسرا ترجمہ از فلپ مینول کلکتہ سنہ ۱۸٦۰ء (۱۲۹۱) ترجمۂ اردو «خرد افروز» از تومس مینول کلکتہ سنہ ۱۸٦۱ء (۱۲۹۲) «اوریئنٹل پن مین شپ» متعلق خط «تعلیق» از ڈنکن فوربس لندن سنہ ۱۸٤۹ء (۱۲۹۳) ترجمہ ہندوستانی «اخوان‌الصفا» از John Dowson لندن سنہ ۱۸٦۹ء (۱۲۹٤) منتخبات ہندی یا سلکشنز ان ہندوستانی مع ترجمہ برائے طلبہ از جون شیکسپیر لندن سنہ ۱۸۱۷ء دو جلدیں (۱۲۹۵) ایضاً لندن سنہ ۱۸۲٤ء (۱۲۹٦) «دی پرشین اینڈ اردو لٹر رائٹر» مع ترجمہ وغیرہ مرتبہ و مترجمہ کپتان T H G. Besant کلکتہ سنہ ۱۸٤۳ء (۱۳۰۰) قصۂ سکنتلا مطابق ہندوی از دتاسی سنہ ۱۸۵۲ء "Chants populaires de l'Inde" مترجمہ دتاسی۔ خط نواب میر جعفر علی خان بنام دتاسی سنہ ۱۸۵۵ء اس کے ساتھ عکس خط۔ "La poesie philosophique et religiense chezles persans" منطق‌الطیر سنہ ۱۸۵٦ء (۱۳۰۲) ترجمہ اردو چہار درویش از لیوس ایف اسمتھ کلکتہ (۱۳۰۳) «توتا کہانی» ترجمہ حیدری کا ترجمہ از ڈنکن فوربس لندن سنہ ۱۸۵۲ء (۱۳۰٤) اسی کا ترجمہ از George Small لندن سنہ ۱۸۷۵ء (۱۳۰۵) تاریخ آسام (ہندوستانی) کا ترجمہ از Th Pavie سنہ ۱۸٤۵ (۱۳۰٦) «اے ٹرانسلیشن اوف دی پوپلر ریختہ سونگس» مع اصل از W. C. Hollings کلکتہ سنہ ۱۸۵۲ء (۱۳۰۸) دیوان ولی مرتبہ دتاسی سنہ ۱۸۳٤ء۔

ہندوستانی کتابیں مطبوعۂ ہند (۱۳۰۹) خلاصۂ تاریخ قدیم کلکتہ سنہ ۱۸۳۱ء (۱۳۱۱) قوانین حکومت ہند الہ‌آباد سنہ ۱۸٦۱ء (۱۳۱۲) «ایڈرس ٹو مسلمانز» بمبئی (۱۳۱۳) «آئینۂ اہل ہند» از کرشنا راؤ رڑکی سنہ ۱۸۵۸ء (۱۳۱٤) «آئینۂ دل» پیرس [1]۔

---

[1] یہ پیرس کی مطبوعہ ہے تو اس جگہ اسکا ذکر بے محل ہے مگر قرینہ یہ ہے کہ پیرس غلط ہے۔

لشکری قواعد سنه ۱۸۷۶ء (۱۳۱۵) «احوال‌الصفا» کانپور سنه ۱۸٦۱ء (۱۳۱٦) «انگریزی لشکری قواعد کا ترجمه» کلکته سنه ۱۸۳۷ء (۱۳۱۷) «آرایش محفل» ار افسوس کلکته سنه ۱۸۰۸ء (۱۳۱۸) ایضاً لندن سنه ۱۸۰۳ء (۱۳۱۹) «ارمغان دہلی» لغت از سید احمد، دہلی سنه ۱۸۷۸ء (۱۳۲۰) «باغ ارم» ترجمهٔ مثنوی رومی، بمبئی سنه ۱۸٦۱ (۱۳۲۱) «باغ اردو» ازافسوس، «ہندی مینول» (کلکته) میں شامل (۱۳۲۲) «باغ و بہار» شائع کرده ڈنکن فوربس لندن سنه ۱۸۵۹ء (۱۳۲۳) ایضاً مدراس سنه ۱۸۲۲ء (۱۳۲٤) ایضاً کانپور سنه ۱۸۳۲ء (۱۳۲۵) ایضاً، اشاعت فوربس، لندن ایضاً نظم اردو مترجمه دتاسی کانپور سنه ۱۸۵۷ء (۱۳۲٦) «بہار دانش» کلکته سنه ۱۸۵٦ء (۱۳۲۷) «بہار بردابن» آگره کے ایک چھتری کی تصنیف، لکھنؤ سنه ۱۸٦٦ء (۱۳۲۸) «بہارستان یار» میرٹھ سنه ۱۸٦۹ء (۱۳۳۱) «بنجارانامه» ہندی میں میرٹھ سنه ۱۸۵٤ء (۱۳۳۹) "Barat Mahatom" اردو، آگره سنه ۱۸٤۷ء (۱۳٤۰) «باره ماسا» از جوان کلکته سنه ۱۸۱۲ء (۱۳٤۱) «بھاگوت» اردو لکھنؤ سنه ۱۸٦۳ء (۱۳٤۷) «بوستان سعدی» ہندوستانی کلکته سنه ۱۸٦۵ء (۱۳٤۹) ہندوستانی اور ہندی رسالے تقریباً ٤۰ سات جلدوں میں (۱۳۵۰) ٦ اردو رسالے (۱۳۵۱) ۸ ہندوستانی رسالے آگره و الہ‌آباد سنه ۱۸۵٦ء (۱۳۵۲) «گلدستهٔ نثر» «معید عام» «قصهٔ Sihouh روم» «معجزهٔ نبوی» «دستورالعمل مدوس» آگره سنه ۱۸٤۲ء[1] (۱۳۵۳) «بتیال پچیسی» ہندوستانی ترجمه کلکته سنه ۱۸۰۵ء (۱۳۵٤) «قصیدهٔ فتح دہلی» «قصیده شاہی» «دھرم سنگھ» «پندنامهٔ کشت کاراں» آگره سنه ۱۸۵۷ء (۱۳۵٦) "Catechisme Catholique hindoustani" (۱۳۵۷) «شاہنامه» اردو کلکته سنه ۱۸٤٦ء (۱۳۵۸) ایضاً لکھنؤ (۱۳۵۹) نغمهٔ کامرانی درستائش مہاراجه رندر سنگھ مہندر بہادر، نظم اردو از سید عبدالله، لندن سنه ۱۸٦۰ء (۱۳٦۰) «شرع محمدی» نظم اردو آگره سنه ۱۸٦۳ء (۱۳٦۱) منتخب اخلاقی اصول انگریزی سے ہندوستانی میں کلکته سنه ۱۸۳۷ء (۱۳٦۳) «شعلهٔ جاسوز» اردو کانپور سنه ۱۸۵٤ء (۱۳٦٤) «کرستو ماتی ہندوستانی» از منشی سید حسین، مدراس سنه ۱۸٤۹ء دو جلدیں (۱۳٦۵) «کرستو ماتی ہندی» از دتاسی (۱۳٦۷) سرکلر حکومت پنجاب از ۱۸۵۳ء تا ۱۸۵٦ء (۱۳٦۸) انڈین پینل کوڈ اردو الہ‌آباد سنه ۱۸٦۰ء (۱۳٦۹) «اے یوزفل کلکشن

---

[1] اس سے یه مراد ہے که کل رسالے اسی سنه کے آگره میں چھپے تھے یا یه که صرف آخری رساله آگره میں سنه ٤۲ء میں طبع ہوا تھا؟ ایسی صورتیں اور بھی ہیں۔

اوف ٹرانسلیشنز رنڈرڈ اٹو دی ہندوستانی اور اردو» از منشی نظام‌الدین بمبئی سنه ۱۸٤۷ء (۱۳۷۰) «دبستان المذاہب» اردو کلکته سنه ۱۸۰۹ء (۱۳۷۱) «دفتر بے مثال» از نساخ کلکته سنه ۱۸٦٤ء (۱۳۷۲) «دستورالعمل» و «مراۃ گیتی نما» آگره سنه ۱۸۵۵ء (۱۳۷۳ و ۱۳۷٤) «دستورالعمل» لاہور سنه ۱۸۵۹ء (۱۳۷۵) «دستورالعمل پٹواریاں» ہندی الهٰ‌آباد سنه ۱۸٦۰ء (۱۳۷٦) «داستان امیر حمزه» از اشک بمبئی سنه ۱۸٦۱ء (۱۳۷۹) «اے ڈیالوگ ٹوین رام ہری اینڈ سادھو» کلکته سنه ۱۸۲۲ء انجیل متی، ہندوستانی کلکته سنه ۱۸۱۹ء (۱۳۸۰) «دل بهلاؤ» ہندوستانی بنارس ۱۸٦۰ء (۱۳۸۱) «دیوان غالب» آگره سنه ۱۸٦۳ء (۱۳۸۲) دیوان درد مرتبه صہبائی دہلی سنه ۱۸٤۷ء (۱۳۸۳) «دیوان میر[1] Jar علی لکھنؤ سنه ۱۸٤۵ء (۱۳۸٤) «دیوان نظیر» ترجمه ہندی (۱۳۸۵) اشعار سودا، آگره سنه ۱۸٦۰ء (۱۳۸٦) «دیوان ولی» بمبئی سنه ۱۸۷۳ء (۱۳۸۷) «دیوان ضامن علی» سنه ۱۸٤۷ء دہلی (۱۳۸۸) «دیوان زیب طغرا» سنه ۱۸٤۲ء (۱۳۸۹) «جام جہاں نما» لکھنؤ سنه ۱۸٦۰ء (۱۳۹۰) «جام جہاں نما» جغرافیه ہند لاہور سنه ۱۸٦۱ء (۱۳۹۱) «جنگ مقدس» الهٰ‌آباد سنه ۱۸٦٦ء (۱۳۹۲) «جذب‌القلوب لکھنؤ» سنه ۱۸٦۵ء (۱۳۹۳) «جوہر اخلاق» کلکته سنه ۱۸٤۸ء (۱۳۹٤) مقاله بر عربی شاعری در ہندوستانی از رضا حسن‌العلوی الهامشی[2] کلکته سنه ۱۸٤۹ء (۱۳۹۵) اقتباسات ابوالفضل، اردو آگره سنه ۱۸۵٦ء (۱۳۹٦) اقتباسات انوار سہیلی۔ «تجربه ملخ» «رساله اصول محصول» «خلاصهٔ نظام شمس» سنه ۱۸۵۳ء (۱۳۹۷) اقتباسات تاریخ جواہر لال، آگره سنه ۱۸۵۵ء (۱۳۹۸) اقتباسات الف لیله و لیله اردو دہلی ۱۸۵۰ء (۱۳۹۹) اقتباسات «دستورالصبیان» و «انشاے خلیفه» و «انشاے خرد افروز» اردو کلکته سنه ۱۸۵۵ء (۱٤۰۰) اقتباسات «گلستان» اردو آگره سنه ۱۸۵٤ء (۱٤۰۱) اقتباسات «رقعات عالمگیری» اردو و خلاصهٔ تواریخ ہند آگره سنه ۱۸۵۵ء (۱٤۰۳) حکایات اردو براے مدرسه جلد ۱ کلکته سنه ۱۸۱۹ء (۱٤۰٤ و ۱٤۰۵) «فسانهٔ عجائب» لکھنؤ سنه ۱۸٦۲ء و ۱۸٦۵ء (۱٤۰٦) «فسانهٔ عشاق» دہلی سنه ۱۸۳۰ء (۱٤۰۷) تاریخ قدیم مصر مصنفه رولن کے ترجمے کے اوراق[3] الهٰ‌آباد سنه ۱۷٦٤ء (۱٤۰۸) تاریخ قدیم یونان مصنفهٔ رولن کے ترجمهٔ اردو کے اوراق علی‌گڑھ سنه ۱۸٦۵ء (۱٤۰۹) تاریخ شاہان انگلستان کے اوراق دہلی سنه ۱۸٦۰ء (۱٤۱۰)

---

[1] جان ؟ [2] ہاشمی ؟ [3] فہرست میں Fragments ، ۱٤۰۸ و ۱٤۰۹ میں بھی یہی۔

«گنج خوبی» کلکتہ سنہ ١٨٤٦ء (١٤١٣) جغرافیۂ ہند لاہور سنہ ١٨٦٠ء (١٤١٤) ایضاً لاہور سنہ ١٨٦١ء (١٤١٧) «غذاے روح» الہ‌آباد سنہ ١٨٧٥ء (١٤١٨) «گل بکاولی ہندی آگرہ سنہ ١٨٦٣ء (١٤١٩) ایضاً اردو لکھنؤ سنہ ١٨١٤ء (١٤٢٠) «گلدستۂ ہند» مدراس سنہ ١٨٤٨ء (١٤٢١) «گل معفرت» کلکتہ سنہ ١٨١٢ء (١٤٢٢) «گلدستۂ اخلاق» آگرہ سنہ ١٨٦٠ء (١٤٢٣) «گلدستۂ نازنیاں» لاہور سنہ ١٨٤٥ء (١٤٢٤) «گلزار ابراہیم» نظم اردو میرٹھ سنہ ١٨٦٥ء (١٤٢٥) «گلزار نسیم» و "Dyaouar raqa"[1] لاہور سنہ ١٨٦٤ء (١٤٢٦) قواعد ہندوستانی ابتدائی کلکتہ (١٤٢٧) "Grammaire, rehetorique et prosodie hindoustani" اردو مدراس سنہ ١٨٧٦ء (١٤٢٩) «اے گائڈ ٹو دی میپ اف دی ورلڈ ہور دی یور اوف دی پٹور» آگرہ سنہ ١٨٤٢ء (١٤٣٠) «حل‌الاشکال» از Pfander، آگرہ سنہ ١٨٤٧ء (١٤٣٢) حاتم طائی، بنارس سنہ ١٨٥٠ء (١٤٣٣) «حقیقت‌الموجودات» و «تمیزاللغات» لاہور سنہ ١٨٦٥ء (١٤٣٤) «ہدایت‌الاسلام» عربی و ہندوستانی، گلکرائسٹ کی ہدایت سے انگریزی میں ترجمہ کلکتہ سنہ ١٨٠٤ء (١٤٣٥) «ہدایت نامہ» لاہور سنہ ١٨٥٧ء (١٤٣٦) ایضاً لاہور سنہ ١٨٥٩ء (١٤٣٧) «ہدایت نامۂ مالگذاری» لاہور سنہ ١٨٧٠ء (١٤٣٨) «ہدایت‌المسلمین» لاہور سنہ ١٨٦٨ء (١٤٣٩) «ہندی اینڈ ہندوستانی سلکشنز» سنہ ١٨٣٠ء کلکتہ دو جلدیں (١٤٤٣) «ہندوستانی ریڈر» دو جلدیں کلکتہ سنہ ١٨٣٤ء (١٤٤٤) «ہندوستانی اسپلنگ بک» کلکتہ سنہ ١٨٢٩ء (١٤٤٦) «ہندوستانی تعلیم نامہ» از محمدابراہیم مقب، بمبئی سنہ ١٨٤٥ء (١٤٤٨) «ہنٹس اون سلف امپرووِمنٹ»، خلاصۂ مقالات جون ٹوڈ از Carre Tucker ترجمۂ اردو از C. C. Tink[2] آگرہ کالج سنہ ١٨٤٧ء (١٤٤٩) تاریخ قدیم اردو کلکتہ سنہ ١٨٣١ء (١٤٥٠) تاریخ قدیم وجدید، اردو کلکتہ سنہ ١٨٥٢ء (١٤٥١) تاریخ ابوالفدا ترجمہ از عربی، دہلی سنہ ١٨٤٦ء (١٤٥٢) تاریخ انگلستان (١٤٥٣) تاریخ ہند دہلی سنہ ١٨٥٨ء (١٤٥٤) تاریخ ہند، لاہور سنہ ١٨٦٦ء (١٤٥٥ و ١٤٥٦) قصۂ سینڈ فورڈ و مرٹن کا ترجمہ از ماتو شیو پرشاد، آگرہ سنہ ١٨٥٥ء و لکھنؤ سنہ ١٨٦٠ء (١٤٥٧) «طبقات شعرائے ہند» (١٤٥٨) «حکایت‌الجلیلہ» ترجمہ الف لیلہ و لیلہ براے طلبۂ کالج فورٹ سینٹ جورج از منشی شمس‌الدین احمد (١٤٥٩) تاریخ کشمیر مصنفۂ محمد اعظم کا ترجمۂ اردو، دہلی سنہ

١- ؟ ٢- Trink ؟

۱۸۵۶ء (۱۴۶۰) تاریخ پنجاب، لاہور سنہ ۱۸۶۱ء (۱۴۶۱) تاریخ مملکت انگلستان، لاہور سنہ ۱۸۷۱ء (۱۴۶۳) خلاصۂ کتب مقدسہ از ریورنڈ Sellan ہندوستانی کلکتہ سنہ ۱۸۲۲ء (۱۴۶۵) «حیات افغانی» از محمد حیات خاں لاہور سنہ ۱۸۶۷ء (۱۴۶۶) "Hymns" ہندوستانی براے عیسائیانِ ہند کلکتہ سنہ ۱۸۲۶ء (۱۴۶۷) «اشارات التعلیم» لاہور سنہ ۱۸۶۶ (۱۴۶۸) «اعجاز قرآن» دہلی سنہ ۱۸۷۰ء (۱۴۶۹) «اخوان الصفا» ہگلی سنہ ۱۸۴۶ء (۱۴۷۰) ایضاً بہ نظر ثانی و تصحیح ڈنکن فوربس و Ch R:eu، لندن سنہ ۱۸۶۱ء (۱۴۷۱) «انشاے ہندی» مع مکمل ترجمۂ «انشاے ہرکرن» از نظام الدین بمبئی سنہ ۱۸۵۰ء (۱۴۷۲) «انشاے خلیفہ» اردو آگرہ سنہ ۱۸۵۵ء (۱۴۷۳) «انشاے خرد افروز» گلستان کا Attwan bat ۔ انتباہ المدرسین، آگرہ سنہ ۱۸۵۸ء (۱۴۷۴) «انتخاب کلیات سودا» از غلام حیدر، کلکتہ، مرآۃ الاخبار نے چھاپا سنہ ۱۸۴۷ء (۱۴۷۵) «انتخاب اخوان الصفا» لندن سنہ ۱۸۲۹ء (۱۴۷۶) «جامع الاخلاق» ترجمہ «اخلاق جلالی» از امانت اللہ، کلکتہ سنہ ۱۸۴۸ء (۱۴۷۸) «کریم اللغات» عربی، اردو از کریم الدین بمبئی سنہ ۱۸۴۳ء (۱۴۷۹) «کلا کلام» نظم اردو کلکتہ سنہ ۱۸۴۷ء (۱۴۸۰) «کنز الفوائد» و «انشاے ہادی النسا» ہر دو از سید احمد دہلی سنہ ۱۸۷۵ء (۱۴۸۱) «خط تقدیر» لاہور سنہ ۱۸۶۴ء (۱۴۸۳) «خزانۃ الامتحان مال» آگرہ سنہ ۱۸۵۸ء (۱۴۸۴) «خلاصۂ تواریخ روم» مدراس سنہ ۱۸۷۷ء (۱۴۸۵) «خرد افروز» از حفیظ الدین روبک نے نظر ثانی کی کلکتہ سنہ ۱۸۱۵ء (۱۴۸۶) ایضاً مع حواشی ایسٹوک، ہرٹفرڈ سنہ ۱۸۵۷ء (۱۴۸۷) ایضاً کلکتہ سنہ ۱۸۴۷ء (۱۴۸۸) «خیالات الصنائع ـ[1]» فارسی و اردو، آگرہ سنہ ۱۸۵۴ء (۱۴۸۹) «کلیات میر تقی» طبع کلکتہ سنہ ۱۸۱۱ء (۱۴۹۰) «کلیات اختر شاہ اودھ (۱۴۹۱) «لامیات الهند» و متارک الازکیا ـ[2] از رضا حسن، کلکتہ سنہ ۱۸۴۷ء (۱۴۹۳) لیلیٰ و مجنوں از محمد ہوبن، دہلی سنہ ۱۸۴۴ء (۱۴۹۴) «لطائف ہندی» از شری للا لال کب ـ[3] کلکتہ سنہ ۱۸۱۰ء (۱۴۹۶) Psalns کی کتاب دہلی سنہ ۱۸۶۵ء (۱۴۹۷) ایضاً مدراس سنہ ۱۸۷۰ء (۱۴۹۸) کتب تورات و امثال و یوشع، ہندوستانی، لندن (۱۴۹۹) «لولی نامہ» مجموعہ ہندوستانی از Balfour مدراس سنہ ۱۸۷۴ء (۱۵۰۰) «مبادی الحساب» رڑکی سنہ ۱۸۶۸ء (۱۵۰۱) «مجموعۂ سخن» لکھنؤ سنہ ۱۸۶۵ء (۱۵۰۲) «مجموعۃ الفوائد» Ayro

---

ـ[1] ؟ ـ[2] ؟ ـ[3] یہ نام کی طرح لکھا ہے ـ

سنہ ۱۸٦٤ء (۱۵۰۳) «مہابھارت» نظم اردو (۱۵۰۷) منطق الطیر، اردو لاہور سنہ ۱۸٦۳ء (۱۵۰۸) "Manuel d'examen" لکھنؤ سنہ ۱۸۵۹ء (۱۵۰۹) «مولود شریف» لکھنؤ سنہ ۱۸٦٤ء (۱۵۱۰) «مسیحی تعلیم» ہندی پٹنہ سنہ ۱۸٦۵ء (۱۵۱۱) «مفتاح اللغات» مطابقت الفاظ اردو و ہندی، دہلی سنہ ۱۸۵۱ء (۱۵۱۲) «مفتاح العلوم» آگرہ سنہ ۱۸۵۳ء (۱۵۱۳) الف لیلۃ و لیلہ. لکھنؤ سنہ ۱۸٤٤ء (۱۵۱٤) « مراۃ الاخبار » مدراس کے اخبار کا اقتباس (۱۵۱۵) «مرآۃ الحرکات» مرزاپور سنہ ۱۸٦٤ء (۱۵۱٦) «مرآۃ العروس» الہ آباد سنہ ۱۸٤۷ء (۱۵۱۷) «مرآۃ الصدق» ۔ «حقیقت الموجودات» ۔ «گلدستۂ اخلاق» ۔ «جغرافیۂ بحار» دہلی سنہ ۱۸۵۹ء (۱۵۱۸) «ملخص التواریخ» (خلاصۂ سیر المتاخرین) از عبد الکریم، کلکتہ سنہ ۱۸۲۷ء (۱۵۱۹) منتخبات ابوالفضل، فارسی مع ترجمۂ اردو، لاہور سنہ ۱۸٦۱ء (۱۵۲۰) منتخبات شعرائے اردو ، از منشی امانا بخش، دہلی سنہ ۱۸٤٤ء (۱۵۲۱) منتخبات ہندوستانی کلکتہ سنہ ۱۸٦۱ء (۱۵۲۲) منتخبات ہندی خط فارسی مع ترجمۂ اردو، لکھنؤ (۱۵۲۳) «مبتدی کی پہلی کتاب» الہ آباد سنہ ۱۸٦۱ء ۔ جغرافیۂ عالم، مدارس سنہ ۱۸٦۰ء (۱۵۲٤) «موید الاسلام» دہلی سنہ ۱۸۷۰ء (۱۵۲۵) «معید عام» یا "Guide anglais a l'usage des indigenes" از مرات علی[1] آگرہ سنہ ۱۸۷۳ء (۱۵۲٦) «مختصر المعانی» ۔[2] احمد آباد سنہ ۱۸٦۵ء (۱۵۲۷) «مسلمانوں دین کا ردیہ» جواب حاجی محمد ہاشم از آر۔ایچ۔ولسن، بمبئی سنہ ۱۸۳٤ء (۱۵۲۸) «معید الصبیان» لاہور سنہ ۱۸٦۲ء (۱۵۲۹) «مذہب عشق» مصنفہ وہال چند[3] از گلکرائسٹ[4] نظر ثانی و تصحیح روبک کلکتہ سنہ ۱۸۱۵ء (۱۵۳۱) «نسخۂ تحریر اقلیدس» آگرہ سنہ ۱۸۵٦ء (۱۵۳۲) «نقلیات ہندی» لندن سنہ ۱۸۲۹ (۱۵۳٤) «نیلر نامہ» الہ آباد سنہ ۱۸٦۷ء (۱۵۳۵) «نسخۂ دلکشا» کلکتہ سنہ ۱۸٦۰ء (۱۵۳٦) مونیا سند کا عمل جراحی، ہندی واردو، کلکتہ (۱۵۳۸) «دی اوریئنٹل فیبلسٹ» حکایات Esop وغیرہ کا انگریزی سے ہندوستانی، فارسی، عربی اور سنسکرت میں ترجمہ خط رومی، از گلکرائسٹ، کلکتہ سنہ ۱۸۰۳ء (۱۵۳۹) «واقعات ہند» لاہور سنہ ۱۸٦٦ء (۱۵٤۰) ایضاً لاہور سنہ ۱۸۷٤ء (۱۵٤۱) «اردو کی پہلی کتاب» لاہور سنہ ۱۸٦۸ء

---

۱ ؟ ۲ اس نام کی ایک مشہور کتاب عربی میں ہے، فہرست نگار نے یہ نہیں لکھا کہ ۱۵۲٦ اس کا ترجمہ ہے ۳ بہال چند ۴ از گل‌کرائسٹ لکھنا صحیح نہیں۔

(۱۵۴۲) « اردو کی تیسری کتاب » لاہور سنہ ۱۸۷۱ء (۱۵۴۳) « اصول علم طبعی کا » لاہور سنہ ۱۸۶۷ء (۱۵۴۴) « اصول علم جغرافیہ » مرزا پور، سنہ ۱۸۵۴ء۔ « رسالۂ جغرافیۂ ضلع بریلی » اکبرآباد سنہ ۱۸۶۰ء «ترجمۂ تقریر الہ آباد» سنہ ۱۸۶۰ء "Paihlavat" کلکتہ سنہ ۱۸۵۰ء۔ ٤ اردو کے رسالے۔ (۱۵٤٦) «پند نامۂ سعدی» متن فارسی مع ترجمہ، کلکتہ سنہ ۱۸۲۵ء (۱۵٤۸) مجموعۂ نصائح ترجمہ از فارسی سنہ ۱۸۳۵ء (۱۵۵۰) اشعار میر سوز، کلکتہ سنہ ۱۸۱۰ء (۱۵۵۱) اشعار سودا، آگرہ سنہ ۱۸۶۰ء (۱۵۵۲) نصائح ترجمہ از انگریزی، نظم ہندوستانی، کانپور سنہ ۱۸۳٤ء (۱۵۵٦) «پریم ساگر» نظم اردو لکھنؤ سنہ ۱۸٦۲ء (۱۵۵۷) اصول قانون از بوترو کا ترجمہ، دہلی سنہ ۱۸٤٤ء (۱۵۵۸) امثال ہندوستانی، سلیمان بن داؤد مدراس سنہ ۱۸۷۵ء (۱۵۵۹) ٤ عشقیہ اور متصوفانہ نظمیں لکھنؤ سنہ ۱۸٦۹ء (۱۵٦۰) «قصۂ لبدھی اور کبدھی» «رسالۂ صفات الاجسام» ۔ «شارع التعلیم» ۔ «وقائع بابا نانک» ۔ «خالق باری» آگرہ سنہ ۱۸۵٤ء (۱۵٦۱) «قصۂ گل یا صنوبر» نظم اردو از نیم چند، طبع کلکتہ سنہ ۱۸٤۷ء باہتمام برہمن[1] داتا رام (۱۵۷۰) «رامائن» از شنکر دیال فرحت، کانپور سنہ ۱۸٦٦ء (۱۵۷۱) «نقلوں اور حکایتوں کا مجموعہ» لاہور سنہ ۱۸٦۸ء (۱۵۷۲) قواعد اردو لاہور سنہ ۱۸۷۱ء (۱۵۷۵) «رسالۂ صولت» لاہور سنہ ۱۸۵۸ء (۱۵۷۷) «رسوم ہند» کلکتہ سنہ ۱۸٦۵ء (۱۵۷۹) «سفر نامہ» از منشی امین چند، جلد ۱، بمبئی سنہ ۱۸۵٤ء (۱۵۸۰) «سیر عشرت جامع الحکایات» از شیخ شاہ محمد Ousmand بمبئی سنہ ۱۸۲۵ء (۱۵۸۱) «سکنتلا ناٹک» ترجمۂ اردو از سنسکرت، مترجم رومن[2] جی دوسا بھائی منشی، بمبئی سنہ ۱۸٤۸ء (۱۵۸۲) «سکنتلا» ہندی متن، کنرا لچھمن سنگھ، بہ تحشیۂ فرڈرک پنکٹ لندن سنہ ۱۸۷٦ء (۱۵۸٤) «سنتوں کی تواریخ» ہندوستانی، بمبئی سنہ ۱۸٤۷ء (۱۵۸۵) «سراب عالم اسباب» دہلی (۱۵۸۷) «سراپا سخن» لکھنؤ سنہ ۱۸٦۱ء (۱۵۸۸) «صرف اردو» کلکتہ سنہ ۱۸۱۰ء (۱۵۸۹) «سروش سخن» لاہور سنہ ۱۸٦٤ء (۱۵۹۱) "Saswi et Pounhou" سدھی نظم مع ترجمۂ انگریزی، لندن سنہ ۱۸٦۳ء (۱۵۹۲) «سنگھی شعراء» نظم اردو لکھنؤ سنہ ۱۸۷٤ء (۱۵۹۳) «سیف المسلمین» کلکتہ سنہ ۱۸۲۳ء (۱۵۹٤) منتخبات تاریخی ادبی و علمی، ہندوستانی کلکتہ سنہ ۱۸٤۰ء (۱۵۹۵) منتخب خیال یا «مارواری پلیز» مع

[1] داتا رام، برہمن [2] بومن ؟

مقدمہ و لفظ نامہ، بپور مشن پرس سنہ ۱۸۶۶ء (۱۵۹۶) «سنگھاسن بتیسی» ترجمہ ہندوستانی کلکتہ سنہ ۱۸۰۵ء (۱۵۹۸) ایضاً اردو آگرہ سنہ ۱۸۶۲ء (۱۵۹۹) سنگھاسن بتیسی ترجمۂ ہندی از للو لال جی کی، مرتبہ سید عبد اللہ، لندن سنہ ۱۸۶۹ء (۱۶۰۰) «سحرالبیان» کلکتہ سنہ ۱۸۰۵ء (۱۶۰۴) «سلم[۱] الادب» مع ترجمۂ اردو، لاہور سنہ ۱۸۶۹ء (۱۶۰۷) «صبح کا ستارہ» لکھنؤ سنہ ۱۸۶۰ء - «خلاصۃ النفائس» کانپور سنہ ۱۸۴۶ء وغیرہ ۳ ہندوستانی رسالے (۱۶۰۸) دس ہندوستانی اخباروں کے نمونے (۱۶۰۹) "Sulaust[۲] tul Kutub, a treatise on the momentous Controversy regarding salvation pending between Christians and Mohamedans, etc, inscribed to the erudite Mahomedans of Hindostan" by W Robertson AiKman مدراس سنہ ۱۸۶۶ء یہی کتاب، مدراس سنہ ۱۸۶۸ء متن انگریزی (۱۶۱۰) «تشہیر طہوری»[۳] لاہور سنہ ۱۸۰۱ء (۱۶۱۱) «تحفۃ الاحیا» از علام قطب الدین دہلوی، لکھنؤ سنہ ۱۸۶۹ء (۱۶۱۲) «تہذیب الاخلاق» اقتباس جریدۂ مدراس ۱۸۷۲-۱۸۷۳ء (۱۶۱۳)[۴] "Tale elat" از مولوی حسن، کلکتہ سنہ ۱۸۲۰ء (۱۶۱۴) «تعلیم الاخبار» جنوری، جون سنہ ۱۸۵۳ء (۱۶۱۵) «تربیۃ العرفان» علی گڑھ سنہ ۱۸۷۷ء (۱۶۱۶) «تاریخ گجرات» لاہور سنہ ۱۸۶۷ء (۱۶۱۷) «تاریخ عالم» آگرہ سنہ ۱۸۵۹ء (۱۶۱۸) "Tarikh-i-Rechid[۵] al Dishini" اردو کلکتہ سنہ ۱۸۶۶ء (۱۶۱۹) «تاریخ روہیل کھنڈ» لاہور سنہ ۱۸۶۶ء (۱۶۲۰) «تذکرۃ العاقلین» مرزاپور سنہ ۱۸۶۰ء (۱۶۲۱) «تذکرۃ المشاہیر» آگرہ سنہ ۱۸۶۰ء (۱۶۲۳) «چشمۂ فیض» ترجمہ پند نامہ عطار - «مفتاح الاسرار» - رسالہ متعلق الوہیت مسیح کلکتہ سنہ ۱۸۷۲ء (۱۶۲۴) «چشمہ شیریں» قصہ فرہاد و شیریں نظم ہندوستانی لکھنؤ سنہ ۱۸۴۷ء (۱۶۲۵) «چشمہ فیض» کلکتہ سنہ ۱۸۰۳ء (۱۶۲۸) «توتا کہانی» ترجمۂ ہندوستانی از حیدری[۶] از گلکرائسٹ کلکتہ سنہ ۱۸۱۰ء (۱۶۳۰) «تحفات اخوان الصفا» کلکتہ سنہ ۱۸۴۶ء (۱۶۳۱) «طلوع آفتاب صداقت» تاریخ شاہان عالم، مرزاپور سنہ ۱۸۶۰ء (۱۶۳۲) «ترک تیمور» دہلی سنہ ۱۸۴۵ء (۱۶۳۳) ترجمۂ منظوم مہابھارت، لکھنؤ سنہ ۱۸۶۲ء (۱۶۳۴) رسالۂ جبر و مقابلہ آگرہ سنہ ۱۸۵۶ء (۱۶۳۷) رسالۂ اقلیدس، الہ

---

[۱] مسلم [۲] ؟ [۳] ؟ [۴] ؟ [۵] یہ رشید، مگر اس کے بعد کیا ہے میں کہہ نہیں سکتا

[۶] فہرست میں حیدری اور گل کرائسٹ دونوں کے لیے ایک لفظ جو نہ ہونا چاہیے

آباد سنہ ۱۸۴۰ء (۱۶۳۹) رسالۂ علم المثلث، اردو، رڑکی سنہ ۱۸۵۸ء (۱۶۴۰) «موتیوں کا جاننا» کلکتہ سنہ ۱۸۵۱ء (۱۶۴۱) بڑی اُتر خانے پر رسالہ از برٹش، کلکتہ سنہ ۱۸۳۴ء (۱۶۴۲) «ہائیڈروسیل» پر رسالہ از ایضاً سنہ ۱۸۲۶ء (۱۸۴۳) معدنی زہروں پر رسالہ از ایضاً کلکتہ سنہ ۱۸۲۶ء (۱۶۴۴) «ٹرانقلنگ اسکچز فروم دی لاوز اوف انگلش کنگز» ترجمۂ ہندوستانی کلکتہ سنہ ۱۸۳۸ء (۱۶۴۶) سفر نامۂ امین چند طبع دوم لاہور سنہ ۱۸۵۹ء (۱۶۴۹) «زبدۃ الحسا»[1] (رسالۂ حساب) لاہور سنہ ۱۸۶۸ء (۱۶۵۰) «زبدۃ الخیال» کلکتہ سنہ ۱۸۳۴ء (۱۶۵۱) «زبدۃ التواریخ» تاریخ سلاطین دہلی کلکتہ سنہ ۱۸۵۴ء (۱۶۵۲) «زلیخا» نظم اردو کانپور سنہ ۱۸۷۳ء۔

ایرانی زبانیں قدیم و جدید (۱۶۶۶) قواعد سریانی از joachim menant پیرس سنہ ۱۸۷۸ء (۱۶۷۶) قواعد فارسی از ولیم جونس لندن سنہ ۱۷۷۵ء (۱۶۷۹) «Persian Miscellanies» فارسی مخطوطات کس طرح آسانی سے پڑھے جائیں از ولیم اوسلے، لندن سنہ ۱۷۹۵ء (۱۶۸۰) «اے نیوتھیوری اینڈ پراسپکٹ اوف دی پرشین وربس وتھ دیر ہندوستانی سینونمس ان پرشین اینڈ انگلش» از گلکرائسٹ، کلکتہ سنہ ۱۸۰۱ء (۱۶۹۲) «La Rhetorique des Nations Musulmanes» حدائق البلاغت کے مطابق از دتاسی سنہ ۱۸۴۴ء (۱۶۹۳) قواعد فارسی از سر ولیم جونس طبع ثانی، دتاسی کی نظر ثانی و تصحیح اور اسکی طرف سے اضافہ سنہ ۱۸۴۵ء (۱۶۹۵) «کرستوماتی پرزیکا» از اشپکل لائیزگ سنہ ۱۸۴۶ء (۱۷۰۰) رسالۂ متعلق فارسی، ہندوستانی میں لاہور سنہ ۱۸۷۰ء (۱۷۱۳) احوال شعراے فارسی (مع حالات مصنف) از سر گور اوسلے لندن سنہ ۱۸۴۶ء (۱۷۱۵) «دی فلوورس اوف پرشین لٹریچر» از S. Rousseau سنہ ۱۸۰۱ء (۱۷۱۶) ۱۶۹۲ سنہ ۴۶-۱۸۴۴ء۔ سعدی ہندوستانی کا پہلا شاعر از دتاسی سنہ ۱۸۴۳ء۔ اقتباسات و خلاصۂ بوستان از دتاسی سنہ ۱۸۵۹ء۔ خط نستعلیق منطق الطیر سنہ ۱۸۵۶ء (۱۷۱۷) ایرانیوں کی فلسفیانہ اور مذہبی شاعری از دتاسی سنہ ۱۸۵۷ء «سیاحت نامہ» کریم الدین جھجری (از دہلی تا لندن، ہندوستانی) کا ترجمہ از دتاسی سنہ ۱۸۶۶ء (۱۷۱۸) ایرانیوں کی فلسفیانہ اور مذہبی شاعری، یہ منطق الطیر شائع کردۂ دتاسی کا مقدمہ ہے سنہ ۱۸۶۴ء۔ ترجمۂ منطق الطیر از دتاسی سنہ ۱۸۶۳ء۔ اس

[1] صحیحاً «حساب»

کے ساتھ مزار فرید الدین عطار کا نقشہ، اور ترجمۂ دتاسی کا غلط نامہ اور تکملۂ غلط نامۂ متن (دتاسی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے) (۱۷۳۳) « Attya Akbari [۱]» کلکتہ سنہ ۱۸۳۲ء (۱۷۳۷) امثال فارسی و ہندوستانی از رونک کلکتہ سنہ ۱۸۲٤ء (۱۷٤۲) «جنگ شہادت[۲]» مرائی، مرتبہ Chodzko پیرس سنہ ۱۸۵۲ء (۱۷٤۳) « دکھنی انوار سہیلی » از محمد ابراہیم مدراس سنہ ۱۸۲٤ء (۱۷٤٤) « دستور عشق » مسمی بہ پہول ار حوت پرکاش کلکتہ سنہ ۱۸۱۲ء (۱۷٤۷) « سہراب » از جیمس ایٹکنس کلکتہ سنہ ۱۸۱٤ء اس پر دتاسی کے لکھے ہوئے قلمی حواشی (۱۷٤۹) «اے سچری اوف پرشین عرلس فروم ان پبلشڈ دیواس » لندن سنہ ۱۸۵۱ء (۱۷۵۰) « گلدستۂ نشاط » کلکتہ سنہ ۱۸۳٦ء (۱۷۵۱) « گل بکاؤلی » از نہال چند کلکتہ سنہ ۱۸۰٤ء فارسی سے ترجمہ زیر نگرانی گل کرائسٹ کلکتہ سنہ ۱۸۰٤ء (۱۷۵۲) « گلزار اعظم » بمبئی سنہ ۱۸۵۷ء (۱۷۵۳و۱۷۵٤) « گلزار ہندی » از کنہیا لال لاہور سنہ ۱۸٦۹ء، سنہ ۱۸٦۷ء (۱۷۵۵) « گلدستۂ سحر » مدراس سنہ ۱۸۵۱ء (۱۷٦۰) دیوان حافظ کلکتہ سنہ ۱۷۹۱ء (۱۷٦۲) حاتم طائی باہتمام جیمس ایٹکنسن کلکتہ سنہ ۱۸۱۸ء (۱۷٦۳) فارسی «حاتم طائی» کا ترجمہ از ڈنکن فوربس، لندن سنہ ۱۸۳۰ء (۱۷٦۵) « حسن و دل»از الفتاح[۳]، شاپوری متن مع ترجمۂ انگریزی از ڈبلیو پرائس لندن سنہ ۱۸۲۷ء (۱۷۷۳) « دی لور اوف کامروپ اینڈ کام لتا » ترجمہ از فارسی مترجم ڈبلیو فرینکلن لندن سنہ ۱۷۹۳ء (۱۷۷۹) « منطق الطیر » متن فارسی شائع کردہ دتاسی سنہ ۱۸۵۷ء اس کا مقدمہ سنہ ۱۷۵٦ء (۱۷۸۸) « رامائن » فارسی اکبر آباد سنہ ۱۸٦۳ء (۱۸۰٤) ترجمۂ گلستاں از افسوس بہ ہدایت گلکرائسٹ، کلکتہ سنہ ۱۸۰۲ء (۱۸۰۵) ڈنکن فوربس کے ابتدائی حالات ـ دو خط بنام ایسٹوک متعلق باغ و بہار از فوربس ـ فہرست کتب مشرقی مملوکۂ فوربس لندن سنہ ۱۸٦٦ء (۱۸۱۱) « تیاتر پرساں » ترجمہ از فارسی، مترجم Chodzko پیرس سنہ ۱۸۷۸ء

عربی (۱۸۵۰) قواعد عربی سنہ ۱٦۱۳ء (۱۸۹٤) عربوں کے نام از ڈاکٹر فرائی برن ہامر پرگشتال، ویانا سنہ ۱۸۵۲ء (۱۸۹۵) « Memoire sur les noms propres et les titres Musulmans » اس کے بعد « Une notice sur des vetements avec

---

۱ ؟ ۲ ؟ ۳ ؟

Prog-» (۱۸۹۸) ۱۸٤۸ء از دتاسی سنہ « inscriptions arabe et hindoustanies
(۱۹۱٦) ۱۸٤۸ء از دتاسی سنہ « odies des l'anques de l'orient musulmanes
Les oiservx et le fleurs allegories morale» « از اعزالدین مقدسی مع ترجمہ و
حواشی از دتاسی سنہ ۱۸۲۱ء (۱۹۳۲ وغیرہ) « مقامات حریری »

جغرافیہ، سفرنامہ (۲۰۵۷) « شگرف نامۂ ولایت » از اعتصام الدین کا ترجمۂ ہندوستانی و انگریزی از جیمس اڈورڈ الگزینڈر مع تصویر مصنف، لندن سنہ ۱۸۲۷ء (۲۰۷۲) سفر نامہ قسطنطیہ، ترکی سے دتاسی نے ترجمہ کیا سنہ ۱۸۱۹ء (۲۰۷۹) سفر نامۂ شہزادۂ ایران[1] مرزا ابو طالب خان، شائع کردہ Ch Malo سنہ ۱۸۱۹ء

تاریخ ایشیا۔ (۲۳۲٤) « سلیوتک اوریانتال» از M D'Herbelot اور اس کا ضمیمہ (یہ دوسروں کا لکھا ہوا ہے) (۲۳۲٦) « دی اورینٹل کلکشن» اس میں ترجمے بھی شامل ۲ جلدیں، لندن (۲۳٤٤) « دی انڈین اینٹی کویری » ٦ جلد بمبئی (۱۸۷۲ تا ۱۸۷۸) بعض شمارے ندارد (۲۳۸۵) « L'Inde en rapport avec » ٦ جلدیں بمبئی (۲۳۲۷) « دی اورینٹل کلکشن» اس میں ترجمے شامل، لندن (۲۳۷۳) تاریخ شیر شاہ کا ہندوستانی سے ترجمہ از دتاسی سنہ ۱۸٦۵ء (۲۳۷٤) تاریخ ہند از الفنسٹن، علی گڈھ سنہ ۱۸٦٦ء ـ ۱۸٦۷ء (۲۳۸۵) L'Inde en rapport avec L'Europe از آنکتیل دیو پروں سنہ ۱۷۹۸ء (۲٤۱٤) Moeurs, institution et ceromonies des peoples de L'Inde از لابے دیوبوا (۲ جلدیں) سنہ ۱۸۲۵ء (۲٤۱۵) « اقبال نامۂ فرنگ » از نواب جید الدولہ[2] بہادر کلکتہ سنہ ۱۸۳٤ء (۲٤۱۷) « قانون اسلام » از ڈاکٹر جے۔ اے ہرکلوٹس، لندن سنہ ۱۸۳۲ء (۲٤۲۰) ہندوؤں کی ذاتوں[3] اور پیشوں سے متعلق، حصہ ۱، اس کے ساتھ دتاسی کے ہاتھ کی تحریر (۲٤۲۵) کپڑوں کی صنعت اور ہندوستانیوں کا لباس از جے۔ فورس واٹسن لندن سنہ ۱۸٦۷ء (۲٤۳۱) « جرنل اوف دی انڈین

---

[1] اصل کتاب فارسی میں ہے، یہ پتہ نہیں کہ پیرس میں ترجمہ شائع ہوا تھا یا اصل کتاب۔ مصنف شہزادہ (Prince) نہ تھا [2] «جید» غلط۔ صحیح نام مجھے معلوم تھا مگر اس وقت یاد نہیں آتا [3] یہ واضح نہیں کہ یہ کسی مضمون کا عنوان ہے یا کیا ہے

ایسوسی ایشن» برسٹل سنہ ۱۸۷۱ء تا ۱۸۷۶ء (۲۴۳۲) «دی کولج اوف فورٹ ولیم ان بنگال» لندن سنہ ۱۸۰۵ء (۲۴۳۴) «دی اینلر اوف دی‌کالج اوف‌فورٹ ولیم» کلکتہ سنہ ۱۸۱۹ء (۲۴۴۴) «ہسٹری اوف آگرہ» مبنی بر مآخذ عربی‌وفارسی وغیرہ، از محمد سعیدالدین حسان، عربی، آگرہ سنہ ۱۸۴۸ء (۲۴۵۸) «آثارالصنادید» سنہ ۱۸۵۴ء (۲۴۵۹) «دی ہینڈ بک اوف .. ڈیلہی» ار حی ۔ برسمونڈ کلکتہ سنہ ۱۸۵۶ء.

تاریخ ادب ۔ (۲۶۹۱) ہندوستانی مصنف ان کی تصانیف، اصل تذکروں کے مطابق ار دتاسی سنہ ۱۸۶۸ء

حالات زندگی ۔ (۲۷۲۸) «بایوگریفی کل اسکچز اوف دکن پوئٹس [1]» ار وینکٹا راما سوامی[2] کلکتہ سنہ ۱۸۲۹ء (۲۷۳۰) لطف‌اللہ کے حالات خود اسکے لکھے ہوئے، مرتبۂ ایسٹوک، لندن سنہ ۱۸۵۷ء ۔

کتابیات ۔ (۲۷۳۹) «بلیوگرافی گولا پرس» ار شواب، پیرس سنہ ۱۸۷۶ء (۲۷۴۳) فہرست کتب متعلق ایشیا و افریقہ جو قیام مطابع کے بعد سے سنہ ۱۷۰۸ء تک شائع ہوئی ہیں ار ترون کوپسان، پیرس سنہ ۱۸۴۱ء (۲۷۴۴) فہرست کتب خانۂ ولیم مارسڈن، لندن سنہ ۱۸۲۷ء (۲۷۴۵) مشرقی مطبوعات و مخطوطات برائے فروخت بدکان Hawelland Stewart لندن (۲۷۴۶) فہرست کتب خانۂ لانگے، پیرس سنہ ۱۸۲۵ء (۲۷۴۷) فہرست کتب خانۂ سلوستر دساسی ۳ جلدیں پیرس (۲۷۴۸) فہرست کتب خانۂ اشپرنگر سنہ ۱۸۵۷ء (۲۷۴۹) فہرست کتب خانۂ آگرہ کالج سنہ ۱۸۵۵ء (۲۷۵۰) فہرست کتب خانۂ ایسٹ انڈیا کمپنی، لندن سنہ ۱۸۴۵ء ضمیمۂ ایضاً لندن سنہ ۱۸۵۱ء (۲۷۵۱) فہرست کتب خانۂ فورٹ ولیم کالج (۲۷۵۲) «ڈلہی پرائز» ان‌کتابوں کی فہرست جو بتاریخ ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء و مابعد دہلی میں نیلام ہونے والی تھیں (۲۷۵۳) «کٹیلوگ اوف دی نیٹو پبلی کیشنز ان دی بومبے پریزیڈنسی اپ ٹو ۳۱ ڈسمبر ۱۸۶۴ء» تیار کردۂ سر اے۔گرانٹ بمبئی سنہ ۱۸۶۷ء (۲۷۵۴) «کٹیلوگ اوف دی نیٹو

---

[1]، [2] سوالی غالباً سوامی اس کتاب کا تعلق دکنی اردو کے شاعروں سے نہیں معلوم ہوتا۔

پبلی کیشنز ان دی بومبے پریزیڈنسی» سنہ ۱۸٦٦ء فہرست مخطوطات مشرقی جمع کردۂ سیمول cuise از ۱۷۷۷ء تا ۱۷۹۲ء ۔ «رپورٹ، پروسپکٹس اینڈ پبلی کیشنز اوف دی اورینٹل کمیٹی» سنہ ۱۸٦۱ء لندن ۔ فہرست کتب خـانۂ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سنہ ۱۸۳۵ء (۲۷۵۵) «کیٹلوگ اوف دی کرسچین ورنیکولر لٹریچر اوف انڈیا» از جون Murdoch، مدراس سنہ ۱۸۷۰ء (۲۷۵٦) «ٹریوبنرس امریکن اینڈ اورینٹل لٹریری ریکورڈ» سنہ ۱۸٦۵ء تا ۱۸۷۰ء ٤ جلدیں، (۲۷۵۹) فہرست کتب خـانۂ ٹیپو سلطـان از چارلس اسٹورٹ سنہ ۱۸۰۹ء (۲۷٦۰) لفٹنٹ کرنل کولن میکنزی کے مشرقی مخطوطات کی فہرست از ایچ۔ ولسن، کلکتہ سنہ ۱۸۲۸ء (۲۷٦۱) «اگزیمنیشن اینڈ انیلی سز اوف میکنزی مینو اسکرپٹس ڈیوزٹڈ ان دی میڈراس کولج لائبریری بائی دی ریو ولیم ٹیلر» کلکتہ سنہ ۱۸۳۸ء (۲۷٦۳) فہرست مخطوطات مشرقی برلش میوزیم سنہ ۱۸٤٦ء (۲۷٦٤) "Bodices Orientales bibliothecae reqiae Hauniensis ynssus " Hauniae سنہ ۱۸٤٦ء۔ ۱۸۵۷ء ۳ جلدیں (۲۷٦۵) کتب خـانۂ گوتھا کے مشرقی مخطوطات کی فہرست سنہ ۱۸۵۹ء (۲۷٦٦) عربی و فـارسی کے تاریخی مخطوطات کی فہرست از W.H Morley لندن سنہ ۱۸٦٤ء (۲۷٦۸) ٹرینیٹی کولج کیمبرج کے مخطوطات فارسی و عربی وغیرہ کی فہرست از پامر سنہ ۱۸۷۰ء (۲۷٦۹) فہرست مخطوطات فارسی و ہندوستانی (وغیرہ) کتب خانۂ ملا فیروز لائبریری سنہ ۱۸۷۳ء (۲۷۷۲) «اے کیٹلوگ اوف دی پرشین اینڈ ہندوستانی مینو اسکرپٹس اوف دی لائبریریز اوف دی گورنمنٹ اوف انڈیا بائی اے اسٹرینجر[1]۔» کلکتہ سنہ ۱۸۵٤ء فارسی اور ہندوستانی شاعری (۲۷۸۲) Musei borg-iani velitris codices manuscripti avenses .Indostani..anctore P Paulino A. S Bartholomaeo" روم سنہ ۱۷۹۳ء۔

مخطوطات ہندوستانی ؛ سنسکرت (۲۷۸٤) «قصۂ پیر میراں[2]» ترجمہ «حیـات القلوب» مصنفہ شیخ ولی محمد بن حـافظ Miran (۲۷۸۵) «قصۃ الانبیـا» عبدالصمد عبدالوہاب خان پسر نصرت جان[3] کا دکنی ترجمـہ سنہ ۱۲۳۳ء (۲۷۸٦)

---

[1] یہ ابھ اشپر نگر کی خرابی ہے مگر اشپرنگر کی فہرست کتبخـانہاے حکومت ہند کی نہیں، اس کا تعلق زیادہ تر کتبخانہاے شـاہ اودھ سے ہے۔ [2] پیغمبراں ؟ [3] خاں ؟

«خزانۂ عبادت» مثنوی از شیخ محمد قادری سنہ ۱۸۴۸ء عطیہ E. Sics (۲۷۸۷) «پنج رتن» از تلسی داس ہندی (۲۷۸۸) «آدی گرنتھ» (۲۷۸۹) «گرنتھ یا آدی گرنتھ» (۲۷۹۰) «سکھنی بابا نانک» (۲۷۹۱) «بیحک» کبیر عطیۂ جنرل Harriot (۲۷۹۲) ایضاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولسن کی ملک رہ چکا ہے (۲۷۳۲) «لالیچ ۱» یا «بھاگوت دسم اسکند» «سکھ ساگر» کا ترجمہ Th Pavie نے کیا ہے (ہیریٹ) (۲۷۹۴) Bal-Ram Katham-rit نظم ہندی از گردھر داس (۲۷۹۵) «پرتھوی راج چرتر» (۲۷۹۶) تاریخ مختصر نادر شاہ کو مسلمانان پونڈیچری میں بڑی شہرت حاصل ہے۔ یہ اس موضوع پر حیدری کی کتاب سے بالکل مختلف (سیسے کا عطیہ) (۲۷۹۷) «ملفوظات جہانگیری۲» ظاہرا اصلاً ہندوستانی میں لکھی گئی۔ ڈیوڈ پرائس نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور ایڈرس و گلیڈون نے اس کے اقتباسات پیش کئے ہیں (۲۷۹۸) یہی کتاب مگر ۲۷۹۷ سے مختلف۳ (۲۷۹۹) «حیدر نامہ» تاریخ حیدر علی و ٹیپو، ترجمہ از فارسی بحکم کپتان تومس لٹل یکے از سرداران فوج انگریزی مقابل ٹیپو (ڈنکن فورس) تاریخ حیدر علی دکنی میں بھی ہے اور حیدر علی کی جنگ مرہٹہ سے متعلق ایک ہندوستانی نظم جو ٹیپو کے حکم سے لکھی گئی تھی، رویل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں ہے۔ حیدر نامہ کے ساتھ سحرالبیان مثنوی میر حسن کا ایک نسخہ (ڈنکن فورس) (۲۸۰۰) «واقعات اکبری» ترجمہ اکبر نامۂ ابوالفضل از اشک (۲۸۰۱) «تاریخ نادری» محمد مہدی کی تاریخ کا ترجمہ از حیدری سر ولیم جونس نے اصل کتاب انگریزی میں شائع کی ہے (۲۸۰۲) «تاریخ شیر شاہ» ترجمہ از ولا۔ اس کا ترجمہ دتاسی نے کیا ہے (۲۸۰۳) «خلاصۃ التواریخ» ۱۷۹۴ء میں آصف الدولہ پسر شجاع الدولہ۴ نے لکھی تاریخ ہند تا عہد اورنگ زیب، نوشتۂ سنہ ۱۸۴۷ء (۲۸۰۴) «قصۂ فیروز شاہ۵» از محمد عاجز مصنف لعل و گوہر (فورٹ ولیم کالج) (۲۸۰۵) «ترجمہ تاریخ آسام» اصل کتاب طالش کی، مترجم بہادر علی حسینی، دتاسی کا نسخہ، پرسپ کا دیا ہوا ہے اور اس نسخہ کی نقل ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج سے آیا تھا (۲۸۰۶) «بھگتی رس بودھی» ناگری عطیہ Boutros (۲۸۰۷) «گلشن ہند»

---

۱ ؟ ۲ یہ جعلی ترک جہانگیری ہے، اصل فارسی کتبخانۂ خدابخش میں موجود ہے۔
۳ اس کی بحث اس مقالہ میں ہے جو معاصر میں شائع ہونے والا ہے۔ ۴ غلط محض۔
۵ قصۂ فیروز شاہ غالبا لعل و گوہر کے مصنف کا نہیں۔

از لطف، کاتب سید ذوالفقار علی تجلی سنہ ۱۲۲۳ھ[1] مبنی بر نسخہ وزیر اوّل نظام، عطیۂ کرنل اسٹورٹ (۲۸۰۸) «دیوان جہاں» از بینی نرائن لاہوری «نسخۂ دلکشا» از راجندر لال متر معروف بہ جنم جے متر اسماں[2] پہلی جلد طبع ہوچکی ہے، یہ دوسری کا مخطوطہ ہے (۲۸۰۹) «گلزار ابراہیم» Troyer نے دتاسی کے لئے باحتیاط نقل کیا (۲۸۱۰) ایضاً (ٹرنر میکن[3]) (۲۸۱۲) «گلدستہ حیدری» از حیدری مشتمل بر مجموعۂ حکایات، دیوان، تذکرۂ شعرائے اردو جو نا مکمل رہ گیا (۲۸۱۳) «دیوان عیش (مرزا محمد عسکری)۔ اسے ہندوستان میں شہرت ہے[4] دیوان کے بعد کچھ مخمس اور دہرے اور مختلف شعرا کے متفرق اشعار۔ ناقص الاول (۲۸۱٤) «کلیات جرات» نوشتۂ سنہ ۱۸۰۸ء ۸۳۵ صفحات (روبک و میکن) (۲۸۱۵) «دیوان عشق» (رکن الدین) صفحات ۱٦۸ (فوکز) «دیوان افسوس» مع دیباچہ فارسی (وزیر نظام» (۲۸۱۷) «کلیات سودا» (le Juvenal de l'Inde) میں سلام و مراثی کی کمی۔ بہت خوبصورت مخطوطہ عطیہ N Bland نوشتہ سنہ ۱۷۹۰ء (۲۸۱۸) «دیوان سودا» «یقین و درد» صفحات ٤۹۰ (۲۸۱۹) «دیوان سودا» مکمل (۲۸۲۰) «دیوان ولا» (سر گریوز چیمنر ہوٹن) (۲۸۲۱) «دیوان ولی» و «دیوان سودا» موخرالذکر میں مثنوی «شاہ و گدا[5]» شامل (۲۸۲۲) «دیوان ولی» قدیمترین نسخہ جس سے ترتیب دیوان ولی میں دتاسی نے کام لیا، دوسرے نسخوں سے زیادہ مکمل وصحیح (۲۸۲۳) ایضاً (و۔ پرائس) پرائس نے اپنی قواعد ہندوستانی میں ولی کی تین غزلیں اسی سے لے کر درج کی ہیں (۲۸۲٤) ایضاً ۳٦ صفر سنہ ۲۲ محمد شاہی (۲۸۲٤) ناقص (جے۔ ڈبلیورسل) عطیۂ شیکسپیر (۲۸۲٦) ایضاً (کتبخانۂ محمد شاہ) (۲۸۲۷) ایضاً (۲۸۲۸) ایضاً (۲۸۲۹) ایضاً سنہ ۱۷۸۰ء میں کپتان Fonlis کے حکم سے نقل ہوا (۲۸۳۰) ایضاً نوشتۂ دتاسی مطبوعہ نسخہ اسی پر مبنی (۲۸۳۱) «مرثیہ اوّل رزمیہ» از آغا حسین، امانت دہلوی۔ بے شبہ یہی مرثیہ بنام «مرثیہ امانت» لکھنؤ میں چھپا ہے مخطوط نوشتۂ ۱۸۵۵ء (Nassan Lee) (۲۸۳۲) چہار مراثی دبیر ۱۲

---

[1] تاریخ ادبیات جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ میں سنہ ۱۲۵۳ھ۔ تجلّی غالبا نسخۂ وزیر کا کاتب۔

[2] ارماں۔ [3] کسی یورپی شخص کے نام کا قوسین کے اندر ہونا۔ اگر اس کے خلاف کوئی امر صراحۃ مرقوم نہ ہو، تو اس پر مشعر ہے کہ کتاب زمانۂ سابق میں اس کی ملک رہ چکی ہے۔ [4] یہ غلط محض۔ [5] شاہ و درویش چاہئے۔

صفحات (عطیۂ ایضاً) (۲۸۳۳) «تواد نامہ» از شیخ غلام محی‌الدین، زشت ساکن منگل‌پور ضلع کٹک، نظم مکتوبۂ سنہ ۱۸۰۱ء (ڈی فوربس) (۲۸۳٤) «گنج خوبی» ترجمۂ اخلاق محسنی (سیٹ فرڈ آرنٹ) (۲۸۳۵) «سکنتلا ناٹک» از جواں (۲۸۳٦) ایضاً مکتوبۂ دتاسی (۲۸۳۷) ایضاً Collationne par . de Tass, ms antographe مورخہ سنہ ۱۸۲۹ء (۲۸۳۸) «سکنتلا ناٹک» از نواز ناگری (جوں رومر) (۲۸۳۹) «قصۂ امیر حمزہ» از اشک جلد ۱ (۲۸٤۰) «قصۂ حاور شاہ» مثنوی اردو از مہدی علی خاں عاشق دہلوی تقریباً ٤۷۵۰ اشعار (Vers) اس کا نام قصۂ قمر طلعت بھی۔ دیباچہ میں نواب نصیر (Nacir) خاں وریر شاہ عالم کا دکر، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۱۳ھ میں لکھا گیا۔ مصور، صفحات ٤٤۰ (۲۸٤۱) «پرت پال» یا «رکمنی مکال چر» از سد داس Djion سحط فارسی (۲۸٤۲) پدمنی ار Djatmal de Mortchhat نقل مبنی بر سحۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ آغاز میں جی ولرلی سابق ریذیڈنٹ اندور کا ایک خط بنام ایٹکنس، متعلق کتاب (۲۸٤۳) «پدماوتی» ار جائسی (ڈی فوربس) (۲۸٤٤) «مجمع داستاں» مشتمل بر «دل ورور یا عدو قصہ در یاد مصفی» نظم اردو و عدو قصہ بہ مضمون تعشق و شجاعت (نثر فارسی) قصۂ بہرام گور (نظم فارسی) بر سہ ار حکومت رانیے نوشتۂ مصنف۔ یہ شخص احمدآباد[1] صوبۂ دہلی کا باشندہ تھا، نوشتۂ سنہ ۱۲٤۳ھ (وریر دہلی، برادر وریر سیاح ایران) (۲۸٤۵) «رسالۂ توحید» مسمیٰ بہ کتاب تصوف نظم دکنی ۲۰۹ اوراق (۲۸٤٦) «راگ پوتھی» بھجوں اور مقبول گانوں کا مجموعہ ار کبیر و نانک وغیرہ دیوناگری و فارسی رسم خط (ڈنکن فوربس) (۲۸٤۷) «توتا کہانی» ار حیدری (۲۸٤۸) ایضاً صرف چھٹا قصہ اس کا متن مطبوعہ نسخہ کے متن سے مختلف (۲۸٤۹) «توتی نامہ» از غواصی، مبنی بر کتاب نخشبی ٦۰۰ صفحات (۲۸۵۰) «توتا کہانی» ہندوی ناگری ترجمۂ کتاب نخشبی (۲۸۵۱) «قصۂ کامروپ» نثر اردو ار کندن لال لاہوری، گلکرائسٹ کے حکم سے لکھی گئی۔ مبنی بر دستور ہمت (فارسی معلوم) مصنفۂ ہمت خاں (۲۸۵۲) قصۂ کامروپ و کام کلا، از تحسین الدین۔ اسے دتاسی نے بنام "Les aventures de Kamroup" شائع کیا ہے۔ یہ نسخہ لندن کے کتب فروش ہوول و اسٹورٹ سے سنہ ۱۸۲۹ء میں خریدا گیا تھا (۲۸۵۳) ایضاً

[1] ؟

(۲۸۵۴) ایضاً فارسی، نقل Troyer معتمد (Secretaire) ہندو کالج کلکتہ کے زیر نگرانی فورٹ ولیم کالج کے نسخہ سے ہوئی (۲۸۵۵) ایضاً عطیۂ مہاراجہ کالی کرشن بہادر (۲۸۵۶) ایضاً مع حواشی انگریزی (۲۸۵۷) ایضاً مکتوبۂ ہمت خان بن اسلام خان[١] عالمگیری سنہ ۱۷۸۹ء مرشدآباد (۲۸۵۸) «باغ و بہار» میر امّن (۲۸۵۹) «نوطرزمرصع» از تحسین، اس کا نام «گلدستۂ داستان» بھی ہے (۲۸۶۰) ایضاً (شیکسپیر) (۲۸۶۱) قواعد فارسی بزبان اردو کا ایک ٹکڑا «پھول چرتر» (ہندوستانی نظم، ہند کے پھولوں کا بیان) «گلزار ارم» از میر حسن، «سیف الملوک و بدیع الجمال» فارسی از محمد اکرم (۲۸۶۲) «لعل و گوہر» از محمد عاجز دکنی۔ مقفی دکنی حکایت کا ایک ٹکڑا۔ سحر البیان از میر حسن (۲۸۶۳) «قصۂ لعل و گوہر» از محمد عاجز، مفرح القلوب فارسی (ترجمۂ ہیتو پدیس) مبنی بر ترجمۂ ہندوستانی از تاج الملکی[٢] بایمائے پشور الدین[٣] نواب بہار (۲۸۶۴) «قصۂ بینظیر» نثر سحر البیان، یہ حسینی کی کتاب سے مختلف، سنہ ۱۸۰۱ء (۲۸۶۵) «نثر بےنظیر» از حسینی (۲۸۶۶) «سحر البیان» نوشتۂ ۱۷۹۵ء (۲۸۶۷) «پنچھی باچا» از وجہ الدین، حطی سخ (de Sice) مبنی بر مخطوطۂ نظام حیدرآباد (۲۸۶۸) «بیتال پچیسی» از للو جی لال (۲۸۶۹) تیرہ مثنویوں اور کچھ غزلوں کا مجموعہ مکتوبۂ شیخ احمد بن محمد ابراہیم گیتی ـ «معراج نامہ» از بلاقی دکنی ـ «ترویج بیبی فاطمہ» از بلاقی یا نظام الدین ـ «کھوپڑی نامہ» از نظام الدین دکنی ـ «دحیہ کلبی» از عابد «مردہ احوال یا مردے کے احوال» از Wahidi دکنی ـ «حضرت علی» یا «قصۂ حضرت علی سیل» از ایضاً ـ «مجلس طفل» (یہ نظم بلکہ مرثیہ از نجم) ـ «حیدر» یا «قصۂ چندر بدن و مہیار» از میر حیدر شاہ دکنی[٤] «تولد نامہ خاتون جنت» ـ «وفات نامہ خاتون جنت» ـ «قصہ ملکہ بادشاہ» از محمود پیر دکنی (ملکہ سے متعلق ایک فارسی قصہ کتب خانہ ملّی پیرس میں ہے) ـ «قصہ ڈولی نامہ» از شاہ محمد زماں یار دکنی «قصہ ابو الفیض نوری» از خاکی دکنی (۲۸۷۰) «حکایات بہرام گور و دلارام» فارسی، قصہ ماہ منور سوداگر بچہ و شمشاد بانو دختر فرنگی از دیدار دکنی، ہندوستانی، «قصہ منصور و گنج یافتن آں» نامکمل فارسی «قصہ رضوان شاہ» از فائز دکنی (۲۸۷۱) «قصہ مدھو نل» نثر اردو از ولا (۲۸۷۲) ایضاً (۲۸۷۳) پوتھی سنگھاسن بتیسی اردو (۲۸۷۴)

١؎ ؟ ٢؎ ؟ ٣؎ ؟ ٤؎ ؟

قصه شیخ Zaa ، دکنی نظم صوفیانه ، اس کے بعد اسی بحر میں ایک قصه ۔ اصلی نسخه مارسل کے کتب خانه میں ہے، یه اس کی نقل (۲۸۷۵) «قصه مہر و ماه» مثنوی از منشی غلام اخی Akı یه دتاسی کی " Chrestomathie hindoue " سنه ۱۸۴۷ء میں شامل ہے (موکر) (۲۸۷۶) «گلشن عشق» از نصرتی (۲۸۷۶) «نل و دمن» یا «بھاکھا نل و دمن» یا «قصه نل دمن» ہندوستانی نظم از سور داس بخط فارسی، قلمی نسخے بہت کم یاب ہیں ، «کبی چھن سودھا» میں اعلان ہوا تھا که اس کے پانے والے کو سو روپیے انعام ملیں گے ۔ فیضی کی نل دمن اسی پر مبنی ہے (۲۸۷۷) مجموعۂ اشعار فارسی و ہندوستانی از صدر الدین خان فائز۔ ابتداء ۱۷۶ صفحات میں فارسی اور آخر میں ہندوستانی کلام مشتمل بر غزلیات و قصاید و مثنویات (کرنل وائٹ) (۲۸۷۹) «خیابان ریحان» از ریحان الدین بنگالی، منظوم قصه گل بکاؤلی (ڈی فوربس) صفحات ۳۵۲ (۲۸۸۰) «اخلاق ہندی» از حسینی (۲۸۸۱) «قصه یوسف زلیخا» از امین دکنی کپتان ٹروایر نے نسخه فورٹ ولیم کالج سے نقل کرا کے دتاسی کو دیا (۲۸۸۲) قائم و میر کے تذکروں کا خلاصه نظم اردو میں (۲۸۸۳) «جذب عشق» از حقیقت (۲۸۸۴) «ست سئی» از بہاری لعل بخط فارسی (۲۸۸۵) «سمپتیکا پروا» ترجمه ہندی بخط ناگری، (ڈنکن فوربس) (۲۸۸۶)۲ «اندر جال پراکرتم» ہندی از لال داس یا لال کوی (۲۸۸۷) " Raca Radja " به تقلید کوک شاستر بخط دیوناگری (پرسپ) «کریما» مع ترجمه دکنی (۲۸۸۹) «مجموعۂ فیض العلوم» مثنوی رومی دفتر ۱ کا ترجمه از الٰہی بخش، نشاط و ابو الحسن ساکن کاندھله، عطیه کریم الدین (۲۸۹۰) «شاہنامه» از منشی مولچند (۲۸۹۱) «جنگ نامه سہراب و رستم» از کاظم الدین دکنی (Sir Graves Chamney) (۲۸۹۲ ، Hanghton) «ترجمه انوار سہیلی» دکنی (آدم کلارک) (۲۸۹۳) ایضاً (Henry Chandter) حواشی انگریزی (۲۸۹۴) «سیاحت نامه» از کریم الدین ساکن جھجھر ۔ یه دہلی سے لندن سنه ۱۸۳۹ء میں گیا تھا اور وہاں ۸ نومبر سنه ۱۸۴۱ء تک رہا ۔ دتاسی نے Revue de l'orient سنه ۱۸۶۵ء میں اس کے بعض حصص کا ترجمه (بعد حذف عبارات) شائع کیا تھا ۔ صفحات ۴۲۶ (۲۸۹۵) «ضرب الامثال» امثال کے علاوہ اور امور سے بھی بحث ۔ اس میں مسلمانوں کے نام اور لقب کے متعلق جو کچھ مرقوم ہے، دتاسی نے اس موضوع پر جو رساله لکھا ہے اس میں اس

سے کام لیا ہے (۲۸۹٦) «مخزن الامثال» از محمد علی شہنانی (فوربس) (۲۸۹۷) لغت ہندوستانی معانی فارسی میں، حواشی انگریزی نوشتۂ ۱۲۱۱ھ (۲۸۹۸) «آمد نامہ» (۲۸۹۹) «قواعد عربی» بزبان ہندوستانی اور «تحفۃ الصبیان» منظوم (۲۹۰۰) منتخبات اردو از میر افضل علی سنہ ۱۸٤۰ء (ڈی فوربس) (۲۹۰۱) «حدائق البلاغت» از صہبائی دتاسی کے لئے بوترو نے سنہ ۱۸٤۲ء میں نقل کرائی (۲۹۰۲) ' Libellus aderm grammaticum linguae Persicae et Hindoustanae Spectans " از Jules Klaproth بخط مصنف، ۱۱ ورق، برلن، ۲۱ مارچ سنہ ۱۸۰۱ء (۲۹۰۳) «مصدر Faiyiz " از شائق (۲۹۰٤) «ڈکشنری اوف ہندوستانی لنگویج اِن ٹو پارٹس ۱۔ انگلش اینڈ ہندوستان ۲۔ ہندوستان اینڈ انگلش، ٹو وچ از پریفکسڈ اے گرامر اوف دی ہندوستان لنگویج، لندن سنہ ۱۷۷۸ء اس کے متعلق " Manuel de libraire et de lamateur de liveres " میں مرقوم ہے کہ یہ کتاب بہت کم یاب ہے، اس لئے کہ اس کے جتنے نسخے ہندوستان بھیجے گئے تھے ان کا بڑا حصہ راہ میں ضائع ہوگیا تھا۔ ایک موقع پر ۱۵۳ فرینکس اور درسرے موقع پر ۱۲۰ فرینکس میں بکی۔ خطی نسخہ (رومی رسم خط) دتاسی کو سنہ ۱۸۲۸ء میں موسیو Gantier نے دیا (۲۹۰۵) قواعد ہندوستانی «لامیۃ العرب» نظم عربی، عربی اشعار (۲۹۰٦) «قانونچۂ ہندی» از ہلال الدین (قواعد ہندوستانی) (۲۹۰۷) «DJourrab» کی کتاب «طب کی کتاب» (۲۹۰۸) حکایات فارسی کا ترجمہ قادر حسین نے کیا، پوڈیچری سنہ ۱۸۲٦ء (۲۹۰۹) ہندوستانی اشعار مکتوبہ سنہ ۱۲۲۰ھ (۲۹۱۰) «قصہ Hassan» ہندوستانی ڈرامہ، نظم و نثر میں از Faizul Karam (۲۹۱۱) نظم بہ مدح کرنل ڈبلیو۔ فرائی از Hassan غالب علی عسکری (۲۹۱۲) جنتری بخط ناگری (۲۹۱۳) غزلیات دکنی عطیہ سیسے (۲۹۱٤) کتب فورٹ ولیم کالج کی قلمی فہرست (۲۹۱۵) دکنی قصہ، کتب خانہ ملّی پیرس کے نسخے سے دتاسی نے نقل کیا۔ اس کا نام غلطی سے Astarban لکھا گیا ہے، اس کی جگہ یہ نام ہوسکتا ہے: «رنڈی بندر ہوگئی» (۲۹۱٦) «دوازدہ ماسہ» اسی کتب خانے کی ایک کتاب سے جس کی کتابت Onessant کے لئے ہوئی تھی، دتاسی نے کی نقل (۲۹۱۷) دو عشقیہ دکنی حکایتیں نام مصنف نا معلوم، دتاسی نے نقل کیں (۲۹۱۸) " Dhatu mala " (۲۹۱۹) "ہیتو پدیس" ترجمۂ ہندوی (۲۹۲۰) کچھ چیزیں سنسکرت سے متعلق۔ بخط ناگری، عطیہ بیرمٹ۔

مخطوطات فارسی (٢٩٢٦) «قصائد خاقانی» مع شرح محمد نصیر، مرشدآباد (٢٩٢٧) «مطق الطیر» (دساسی) (٢٩٢٨) «منطق الطیر» (Farraro de Castel (٢٩٢٩) Brancc) ایضاً (٢٩٣٠) و (٢٩٣١) ایصاً (٢٩٣٢) «حنگ» Biberstein Ka zimiraki نے سنہ ١٨٤٠ میں اصفہان سے دتاسی کو بھیجا (٢٩٣٣) «رباعیات حکیم عمر خیام» مکتوبۂ اے۔ ای۔ کوول، مبنی بر نسخۂ اوسلے (آکسفرڈ) فٹزجرلڈ نے دتاسی کو دیا (٢٩٣٤) «قصۂ کامروپ» سسکرت سے فارسی میں احمد بن اسلم عالمگیری نے ترجمہ کیا، مخطوطۂ سال ٢ محمد شاہی۔ موسیو Jomard نے اس کا ایک مصور نسخہ کتب خانہ ملی کو دیا ہے۔ کرنل فرینکلن اسی کا انگریزی ترجمہ بنام «دی لوز اوف کامروپ اینڈ کام لتا» کیا ہے، مگر اس میں ہندوستانی نظم سے مختلف واقعات ہیں اور اشخاص قصہ کے نام بھی بہ استثناے کامروپ جداگانہ ہیں (٢٩٣٥) «تحفۃ الہند» از مرزا خان (فورس) (٢٩٣٧) «مجموعۂ سر» (٢٩٣٨) «تذکرۂ شعراے ہند» از مصحفی منقول از کلیات مصحفی [1] فورٹ ولیم کالج، در سنہ ١٨٣٢ (٢٩٣٩) «عمدۂ منتخبہ» نقل کردۂ نواب حسین علی خان بہادر سنہ ١٨٤٩ء (٢٩٤٠) «گلشن بیخار» مکتوبۂ ١٨٣٥ء دتاسی کو بونرو نے دیا (٢٩٤١) تذکرۂ گردیزی مصنفۂ سنہ ١١٥٣ء [2] کپتان ٹروایر نے نسخۂ فورٹ ولیم کالج سے نقل کیا (٢٩٤٥) «احوال ممتاز محل» اردو مخطوطہ (٢٩٥٠) «تاریخ بدیل کھنڈ» فارسی۔ اعلان حق صاحب [3] ہندوستانی۔

فہرست کتب خانۂ دتاسی بہت کم یاب ہے اور میں ڈاکٹر مختارالدین احمد (اعظم گڈھ) کا ممنون ہوں کہ ان کی وساطت سے اس کا ایک نسخہ چند دنوں کے لئے مستعار ملا وقت کی کمی کی وجہ سے میرے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ میں اس پر حسب دلخواہ مضمون لکھ سکوں۔ فہرست کا تیار کرنے والا مشرقیات سے کماحقہٗ واقف نہیں اور اس نے بکثرت غلطیاں کی ہیں، صریح اغلاط طباعت مزید برآں۔ فہرست میں ایسے مقامات بھی ہیں جن کا صحیح ہونا میری نظر میں مشتبہ ہے۔ حواشی میں لازماً ان امور کی طرف اشارہ نہیں۔ اردو کی کل کتابوں کا خواہ وہ مطبوعہ ہوں یا خطی میں نے ذکر کیا ہے، اور زبانوں کی کتابوں کا انتخاب ہوا ہے۔ خود دتاسی کی کتابوں اور مضمونوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو

---

[1] مجھے شبہ ہے کہ کلیات کا نسخہ کالج میں تھا [2] یہ سنہ غلط۔ [3] ؟

فہرست میں ہو اور میں نے اسے قلم انداز کیا ہو۔ لفظ ہندوستانی فہرست میں ٹھیک طور پر استعمال نہیں ہوا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اس کا کوئی واضح تصور دلونکل کے ذہن میں نہیں۔ کتابوں کا موضوع بھی اس نے صحیح نہیں بتلایا۔

فہرست کے ساتھ الگ سے ایک ورق ہے، جس کے ایک صفحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ژورنال آسیاتیک کا سر ورق ہے۔ صفحہ ٢ میں دتاسی کی ان کتابوں کا اشتہار ہے جو برائے فروخت موجود تھیں یا آئندہ شائع ہونے والی تھیں۔ یہ اشتہار دتاسی کی موت کے بعد کا ہے۔ برائے فروخت: تاریخ ادبیات پر دو جلد، صفحات ٤١٧، طبع سنہ ١٨٦٩ء؛ باغ و بہار، نظم ہندوستانی کا فرانسسی ترجمہ "Allegries recuse" طبع ثانی، Rhetorique، "Prosodie" طبع ٢ سنہ ١٨٧٤ء ہندوستانی زبان و ادب از سنہ ١٨٥٠ء تا ١٨٦٩ء طبع سنہ ١٨٧٤ء۔ آئندہ سال شائع ہونے والی کتابیں: ترجمۂ بوستان سعدی، ترجمۂ مقامات حریری، سالانہ تبصرہ برائے سنہ ١٨٧٨ء "Rhetorique des nations musulmanes" اشاعت جدید، گرامر فرانسسی۔ عربی۔

محمد اکبر الدین صدیقی

مرزا محمد مقیم مقیمی سلمی

(به سلسلۂ گذشته)

مقیمی کی تصانیف | مقیمی کی تصانیف میں ڈاکٹر زور نے اردو شہ پارے میں فارسی دیوان کا ذکر کیا ہے۔ دوسری کتاب «چندر بدن و مہیار» (مثنوی) ہے اور تیسری «سومہار کی کہانی»۔ اول الذکر کتاب کے متعلق ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔ دوسری تصنیف پر ہم آگے تفصیلی بحث کر رہے ہیں البتہ تیسری تصنیف «سومہار کی کہانی» پر ہم اپنا خیال ظاہر کردینا چاہتے ہیں۔

اس کا ذکر ہمیں سب سے پہلے «دکن میں اردو» میں اور پھر پروفیسر سروری کے ایک مضمون میں جو «ہندوستانی» جولائی ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا، ملتا ہے۔ دونوں فاضل حضرات کا ماخذ ایک ہی ہے یعنی اسپرنگر کا کیٹلاگ۔ ہمارا خیال ہے کہ «سومہار کی کہانی» اس کی مثنوی نہیں ہوسکتی۔ اسپرنگر کو مغالطه ہوا ہے۔ ۳۳۰ شعر کی یہ مثنوی اصل میں «چندر بدن و مہیار» ہی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اس پر ٹائٹل وغیرہ نہ ہو یا نسخه پر کہیں نام لکھا ہوا موجود نہ ہو اور اسپرنگر نے ذیل کا شعر پڑھ کر اس کو «سومہار کی کہانی» سے موسوم کیا ہو:

شرح سٹ مقیمی پرت پیار کا قصہ کہہ تو پورا «سومہیار کا»

قدیم نسخوں میں کتابت میں مہیار واضح نہیں ہے بلکہ مہار ہی پڑھا جاتا ہے، اس طرح سو کو مہار سے ملا کر اسپرنگر نے مثنوی چندر بدن کا نام سومہار رکھ دیا۔

اسپرنگر کے نسخہ میں ۳۳۰ اشعار ہیں اتفاقاً ادارۂ ادبیات اردو کے چندر بدن و مہیار کے نسخہ میں ۳۲۵ اشعار ہیں اور ہاشمی صاحب کے نسخه سے (جو اب موصوف کے پاس نہیں رہا) مقابلہ کے بعد آخری صفحہ کے اشعار کچھ بڑھ جاتے ہیں اور یہ تعداد ۳۳۵ ہو جاتی ہے، اس لحاظ سے بھی «سومہار کی کہانی» کوئی الگ کہانی نہیں

ہوسکتی ہمارے مرتبہ نسخہ میں[1] اشعار کی تعداد زیادہ ہے اس لئے کہ کتب خانۂ سالار جنگ بہادر میں جو نسخہ موجود ہے اس میں اشعار کی تعداد زیادہ ہے اور اس کی ترتیب کے وقت ہم نے حسب ذیل کتب خانوں کے نسخوں سے استفادہ کیا ہے:

(۱) کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو (دو نسخے)

(۲) کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر

(۳) کتب خانہ آصفیہ (دو نسخے)

(٤) کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند (علی گڈھ) فہرست میں دو نسخے ہیں لیکن صرف ایک ہی مل سکا۔

ان نسخوں میں کتب خانہ آصفیہ کا ایک نسخہ اچھے اور ذی استعداد کاتب کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور دیگر تین نسخے بہ لحاظ کتابت کچھ زیادہ فرق نہیں رکھتے۔ البتہ چوتھا نسخہ یعنی علی گڈھ کا نہایت زشت خط اور کم سواد کاتب کا لکھا ہوا ہے۔ سالار جنگ کے نسخے میں اشعار کی تعداد جو بڑھ گئی ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ اس کے کچھ اشعار الحاقی ہیں اس کا سنہ کتابت ۱۱۵۷ھ ہے اور ادارہ، کتب خانہ آصفیہ اور انجمن (علی گڈھ) کے نسخے اس سے قدیم معلوم ہوتے ہیں۔

مقیمی کے معاصرین حکیم محمد امین آتشی اس دور کا بڑا فارسی گو شاعر تھا۔ اس کی چار تصانیف کا پتہ چلا ہے: (۱) محبت نامہ (۲) مجمر انوار (۳) قصہ چندر بدن و مہیار اور (٤) مجموعہ قصاید۔ اول الذکر دونوں کتابیں کتب خانہ نواب سالار جنگ میں موجود ہیں اور تیسری کتاب کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ بلکہ صرف دیگر شعراء نے اس کا ذکر کیا ہے بلبل نے اپنے قصے کی بنیاد آتشی ہی کے قصے پر رکھی ہے وہ کہتا ہے:

حریر ہندوی پر کرتوں تصویر　　لبـاس پارسی ہے پائے زنجیر
مبارک باد دے آ عقل مجکوں　　کہے کر فارسی کی نقل مجکوں
ہوا بلبل اوپر اس تے ضرورت　　دکھانا فرس کی ہندی میں صورت
کہن تاریخ عشق آتشیں یاد　　کیا یوں آتشی قصے کی بنیاد

کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو میں بلبل کا نسخہ موجود ہے اور اس کی کتابت، کاغذ

---

[1] پروفیسر صاحب نے اس مثنوی کو اڈٹ کیا ہے۔ (اڈیٹر)

اور روشنائی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یارھویں صدی کا ہونا چاہئے لیکن بلحاظ زبان مقیمی کے بعد کا شاعر ہے۔

آتشی نے اپنی ان طویل اور ضخیم مثنویوں میں اپنے دور کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے مثلاً ایک مقام پر وہ اپنے فن طب اور شعر پر نازاں ہے۔کہتا ہے: (۱)

در سحر دارم ید بیضا بدست ‌‌ ‌ ‌ ‌ محرجو شامم من ایزد پرست (۲)
در طبابت بوعلی سینا شدم ‌ ‌ ‌ ‌ او کہ باشد من بہ از دریا شدم (۳)
خستہ در ایران و من ایران نژاد ‌ ‌ ‌ ‌ در دکن او را علاج آرم بیاد (۴)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایران کے علماء و فضلاء اپنے وطن میں روزی حاصل نہ کرسکے اور تلاش معیشت میں دکن کا رخ کیا۔ «محبت نامہ» بہت ضخیم اور طویل مثنوی ہے اس کے خاتمہ پر یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کو بیجاپور آکر ۳۹ سال کا عرصہ گذرا۔ اس کے باپ کا نام شمس الدین عبدالملک تھا اور دادا کا کمال الدین حسین۔ دونوں اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور حاذق طبیب تھے۔ دادا نے حج و زیارت کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کی لیکن کچھ دن بعد شیراز آگئے اور شمس الدین عبدالملک شیراز ہی میں پیدا ہوئے۔ حکیم محمد امین آتشی کی ولادت بھی شیراز میں ہوئی اور وہ تلاش معیشت میں سرگرداں رہے اور شیراز کو خیرباد کہہ کر لار گئے لیکن پھر واپس ہوئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ آتش نے والد کے انتقال کے بعد ہندوستان کا رخ کیا اور بیجاپور پہنچ کر دربار عادل شاہی میں ملازمت اختیار کی۔

سلطان محمد عادل شاہ کی تعریف میں اس نے ایک طویل مثنوی لکھی ہے۔ یہ محبت نامے میں شامل ہے اس کا انتخاب مقیمی کے دور کو سمجھنے میں مدد دیگا اور خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

در ثنائے سلطان محمد بادشاہ

خسرو عادل شہ و اقلیم گیر ‌ ‌ ‌ ‌ درمیان سر کشان مہر منیر
داور و دین پرور و انجم سپاہ ‌ ‌ ‌ ‌ حق طلب سلطان محمد بادشاہ
رحمتہ اللعالمین از نام او ‌ ‌ ‌ ‌ نام او راحت دہ ایام او
پادشاہ دوربا دوران اوست ‌ ‌ ‌ ‌ تاج شاہی زمین ایوان اوست
انتخاب المعدلت یک نام او ‌ ‌ ‌ ‌ امتیاز المرحمت ایام او

خسرو تخت دکن سلطان دیں | آفتاب زینت روئے زمیں
دودمان عدل را خورشید اوست | بلکہ دنیا را گل امید اوست
گوہر یکتائے تاج سلطنت | اختر والائے برج معدلت
علم او افزوں ز افلاطوں بود | از سکندر جاہ او افزوں بود
در شریعت خانۂ رد و قبول | می نماید ہم فروع و ہم اصول
در طبابت بو علی سینا بود | بلکہ او چوں قطرۂ دریا بود
موسیقی را می دہد ایجاد نو | می برد از جملہ استاداں گرو

اس سے آگے ایک مقام پر اس نے کچھ اپنے بارے میں خیالات کا اظہار کیا ہے کہتا ہے

بندہ را در چاکری پیری رسید | فصل خواب راحت و سیری رسید
خم فزا شد قامت چوں تیر من | شد بروں از شست من زہ گیر من
دست و پایم طاقتم از کار رفت | روز پا بست و سر دیوار رفت
چوں کماں بے زہم در روزگار | قبضہ عمرم برآمد از حصار
شد دو سال اکنوں کہ تنخواہ مرا | دفتر قسمت نمی سازد ادا
خانۂ دارم پر از فرزند و زن | جملہ را بار طلب بردوش من
می شود ہردم فزوں خرجم بزور | دخل می گیرد ازیں سودا بدور
جنگ و آشوب و جفائے قرض خواہ | بستہ پادارد مرا زیں بارگاہ

شادشو، تا شاد گردد عالمی | زانکہ زخم سلطنت را مرہمی
ما بہ تو شاد و تو از خود شاد باش | مملکت را حکمراں بنیاد باش

اس کی مثنویوں کی طوالت کا اندازہ اس سے ہوسکے گا کہ ١٤"x٩" کے ایک صفحہ پر دو کالم میں پچیس سطری مسطر پر لکھی گئی ہے یعنی ہر صفحہ میں پچاس شعر ہیں اور ہر مثنوی تقریباً ڈھائی سو صفحے سے بھی زائد ضخامت رکھتی ہے ۔ پہلی مثنوی «محبت نامہ» جس سے کچھ اشعار اوپر دئیے گئے سنہ ١٠٦٧ ہجری میں تحریر ہوئی اور بحر انوار سنہ ١٠٦٨ ہجری میں ۔ «محبت نامہ» صرف دو مہینے کی مدت میں لکھا گیا اور «بحر انوار» کا بھی ممکن ہے یہی حال ہو ہمارا خیال ہے کہ یہ مخطوطہ آتشی ہی کی ملکیت تھا۔ اس لئے کہ بعض بعض مقامات پر ایک ایک شعر کا اضافہ بھی کر دیا ہے اور ایک جگہ اس نے جو عبارت لکھی ہے اس میں ضمیر متکلم استعمال کی ہے کتاب کے خاتمہ

کے دو اشعار مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

ایں کتاب نام دار است کرد — در دو ماہ دیگراں آمد بگرد
مثنوی در شب نوشتن مشکل است — دیدہ را آزار دادن مشکل است

ہم نے یہاں آتشی کے حالات کسی قدر تفصیل سے دئیے ہیں اس لئے کہ کسی مورخ یا تذکرہ نگار نے آتشی کے متعلق پہلے تو لکھا ہی نہیں اور اگر لکھا بھی تو بہت کم چونکہ وہ مقیمی کا ساتھی تھا اس لئے اس کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اس کی صلاحیتوں کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت نظامی گنجوی کی «مخزن اسرار» مقبول عام اور مطبوع خلایق ہو چکی تھی۔ کئی شاعروں نے اس پر حاشیے چڑھائے اور اس کے جواب لکھے محمر انوار بھی مخزن اسرار کا جواب ہے اور آتشی کی قابلیت پر دال ہے۔

چوتھی کتاب «مجموعہ قصائد» ہے اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اس میں پہلا قصیدہ حمد میں ہے دوسرا نعت اور باقی حضرت علی کی منقبت میں ہیں مقیمی کے معاصرین میں ہر علم و فن کے لوگ موجود تھے چنانچہ مورخوں میں ابوالقاسم فرشتہ نے گو اس نے اپنی تاریخ مکمل کرلی تھی۔ فروغی استر آبادی نے فتوحات عادل شاہی سنہ ۱۰۵۰ ہجری میں لکھی اور سنہ ۱۰۵٤ ہجری میں مکمل ہوئی۔ ابراھیم زبیری نے بساطین السلاطین لکھی۔ قاضی سید نوراللہ نے «تاریخ علی عادل شاہ» مرتب کی اور ملا محمد ظہور فرزند ملا نورالدین ظہوری ترشیزی نے «محمد نامے» کے نام سے محمد عادل شاہ کے دور کے واقعات کو نظم کیا ہے۔ رفیع الدین حسین شیرازی نے «احوال سلاطین دکن» لکھی اور حال بابا ملا محمد حسین نے محمد عادل شاہ کے عہد میں اس کی تکمیل کی۔

فارسی گو شعراء میں ملا ملک قمی نے «مخزن اسرار» نظامی کا جواب لکھا۔ عبداللطیف عبدالقادر نورسی اور عبدالنبی فارسی کے مشہور شعراء تھے دکھنی زبان میں لکھنے والوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں اس لئے کہ گھر گھر شعر و سخن کے چرچے تھے اسی دور میں امین نے «بہرام و حسن بانو» سنہ ۱۰٤۸ ہجری میں لکھی جس کی تکمیل دولت نے ۱۰۵۰ ہجری میں کی۔ کمال خان رستمی نے اردو ادب کی بہت طویل اور ضخیم مثنوی «خاور نامہ» سنہ ۱۰۵۹ ہجری میں لکھی ملک خوشنود اصل میں گولکنڈہ کا شاعر تھا جو شہزادی خدیجہ بانو کے ہمراہ بیجاپور بھیجا گیا تھا۔ اس کی شاعری کے جوہر یہیں کھلے۔ اس

نے حضرت امیر حسرو دہلوی کی «ہشت بہشت» کا سنہ ۱۰۵۶ ہجری میں دکھنی میں ترجمہ کیا۔ ملک الشعراء نصرتی مقیمی کے آخری دور میں کافی مقبولیت حاصل کرچکا تھا اس نے «گلشن عشق» (قصہ کنور موہر و مالتی) سنہ ۱۰۶۸ ہجری میں «علی نامہ» سنہ ۱۰۷۶ ہجری میں اور «تاریخ اسکندری» سنـــہ ۱۰۸۳ ہجری میں لکھی اس نے قصاید کہے اور غزلیات بھی۔ محمد باقر آگاہ مدراسی نے «گلزار عشق» کے دیباچے میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ «قصیدہ گوئی میں نصرتی سودا سے بھی بڑھ جاتا ہے» اگر مولانا شبلی «علی نامہ» میں اس کی رزم نگاری کے مرقعے دیکھتے تو انیس کو اردو میں رزم نگاری کا باوا آدم نہ ٹھہراتے۔

حضرت امین الدین اعلی برہان الدین جانم کے فرزند تھے تصوف میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ حضرت برہان الدین جانم نے بھی تصوف پر کئی رسالے لکھے ہیں جن میں «ارشاد نامہ» نے کافی مقبولیت حاصل کی حضرت اعلی نے بھی «محبت نامہ» «گفتار شاہ امین» اور «گنج مخفی» کے علاوہ کئی ایسے رسالے لکھے جن کا مقصد اپنے معتقدوں اور مریدوں کی رہنمائی تھا۔

شاہ ملک نے ایک کتاب «احکام الصّلواۃ» لکھی جس کا دوسرا نام «شریعت نامہ» ہے ہاشمی اور مرزا اس دور کے دو بڑے مشہور مرثیہ گو ہوئے ہیں طبعی نے اپنی مثنوی «بہرام و گل اندام» سنہ ۱۰۸۱ھ میں مکمل کی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے شعراء اور نثر نگار تھے جنھوں نے اس دور کو جو تاریخی اعتبار سے جنگ و جدال اور غارت گری و قتال کا دور ہے بہت اہم بنا دیا۔ ان کے حالات اردوئے قدیم۔ اردو شہ پارے، یورپ میں دکھنی مخطوطات اور دکن میں اُردو میں مختصراً مل جاتے ہیں۔

غرض مقیمی نے بیجاپور میں نہایت علمی ماحول میں آنکھ کھولی اس کے جوہر کمال کو یہیں کھلنے کا موقع ملا اور اس کی کتنی قدر و منزلت ہوئی اس کے لئے «برہان ماثر» اور «بساتین» کے اوراق شاہد ہیں۔

قصہ چندر بدن مہیار | مورخوں میں صرف قاضی سید نوراللہ نے اپنی کتاب «تاریخ عادل شاہیہ» میں اور انکے بعد شاہ تجـلّی علـی تجـلّی نے اپنی تاریخ «توزک آصفیہ» میں اس

قصہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۷۹ء تا ۱۶۲۸ء ۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ) کے دور کا ہے جو مقام کدری کوٹہ پر پیش آیا۔ شاہ تجلّی لکھتے ہیں کہ جب نواب نظام علی خان آصف جاہ ثانی (۱۷۶۲ تا ۱۸۰۳) محمد علی خاں والاجاہ والی ارکاٹ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے قمر نگر (کرنول) سے شہر ترویتی روانہ ہوئے۔ تو اثنائے راہ میں بہ مقام کدری کوٹہ انھوں نے ایک قبر دیکھی جس پر پتھر کے دو تعویز نصب ہوئے تھے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ ابراہیم عادل شاہ کے دوران حکومت میں مہیار نامی ایک شخص ایک ہندو سردار کی لڑکی چندر بدن پر عاشق ہو گیا اور کدری کوٹہ میں جاترہ کے موقع پر معشوق سے مل کر اپنے عشق کا اظہار کر دیا۔ لیکن اُس نے کوئی توجہ نہ دی۔ وہ ایک سال تک جنگلوں کی خاک چھانتا پھرتا رہا۔ چندر بدن جب دوسرے سال جاترا میں شرکت کے لئے کدری کوٹہ پہنچی اور پوجا پاٹ کے لئے مندر کی طرف جانے لگی تو مہیار راستے میں اس کے قدموں پر گر گیا اور پھر اپنی محبت کا اظہار کرنے لگا۔

چندر بدن نے انتہائی غیض و غضب کے عالم میں کہدیا کہ « تو ابھی تک زندہ ہے » ابھی یہ جملہ پوری طرح ادا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ عاشق جانثار نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ مذکورہ دونوں کتابوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ ان دنوں کدری کوٹہ میں مقیم تھا۔ جب اس کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس کو بڑی حیرت ہوئی اس نے مہیار کو احترام کے ساتھ دفن کرنے کا فرمان جاری کیا جب اس کا جنازہ محبوب کے دروازے پر سے گذرنے لگا تو آگے نہ بڑھ سکا اور معشوق کو جب اس کا علم ہوا تو جذبۂ عشق نے اثر دکھایا وہ محل میں گئی غسل کر کے کلمہ پڑھا اور ایک پاک و صاف چادر اوڑھ کر بستر پر لیٹ گئی۔ پھر تابوت میں حرکت پیدا ہوئی لوگوں نے جنازہ بہ آسانی قبرستان پہنچایا جب تابوت پر سے چادر ہٹائی گئی تو دیکھا کہ چندر بدن و مہیار دونوں ہم آغوش ہیں انہیں علٰحدہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اس لئے دونوں کو ایک قبر میں دفن کرکے قبر پر دو تعویز بنادئے گئے نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے بھی یہاں دو تین دن قیام کیا اور پھر ترویتی روانہ ہوئے یہ مقام مدراس سے شمال مغرب میں اسّی (۸۰) میل دور آج بھی موجود ہے۔

قصہ چندر بدن اور شعرا عشق کا یہ واقعہ شاعروں کے توسن خیال کے لئے تازیانے کا کام کر گیا۔ حکیم محمد امین آتشی نے فارسی میں، اور مرزا محمد مقیم مقیمی نے دکھنی میں لکھا اور اس کے بعد یہ قصہ بہت سے شعرا کے لئے موضوع سخن بن گیا۔ فارسی کے چند اشعار جو مولف توزک آصفیہ نے دئے ہیں یہاں نقل کئے جاتے ہیں ممکن ہے کہ یہ آتشی ہی کے ہوں:

به عزم بت کده چندر بدن شد   دل مہیار راجوشش چوں حوں شد
به حیرت چوں طلسم نقش جادو   ستاده انتظار حلوهٔ او
که از در جلوه گرشد آفتابی   کتاب حسن را فرد انتخابی
خرام ناز او چو دید عاشق   دو چشم خود به پا مالید عاشق
نظر چوں برسر مہیار افتاد   نگاہش حاب بیمار افتاد
بگفت «اے نقش پائے دام حیرت»   بگفت «اے جرعه نوش جام حسرت»
«چرانا حال با ایں درد و محنت   نمردی اے سر پر شور و شہرت»
ہنوز این لفظ ناگردیده آغاز   که حان آں جگر حوں کرد پرواز

«بلبل» نے اس نظم کا حوالہ دیا ہے[۱] وہ کہتا ہے:

کہن تاریخ عشق آتش آباد   کیا یوں آتشی قصہ کی نبیاد

ایک اور شاعر نے بھی اس قصہ کو نظم کیا ہے اس کا ذکر چندہ حسینی واقف عرف پیراں صاحب بیجاپوری نے کیا ہے۔ یہ سنہ ۱۲۰۰ھ کے بعد کا شاعر ہے اس نے مقیمی کے ساتھ ساتھ عشق کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے اشعار حسب ذیل ہیں۔

لکھا ہے فارسی کوئی رسالہ   یہ سب قصے کا ہے اس میں حوالہ
غرض کچھ اور ہے اس میں حکایت   جو پائی اس نے راوی سے روایت
تخلص فارسی والے کا تھا عشق   سراپا عشق کا قصہ لکھا عشق

دکن کے تذکرے «عشق» سے متعلق ساکت ہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ فلاں عشق نے چندر بدن کا قصہ لکھا ہے۔ زمانی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ جمال اللہ عشق ہوں جو مرزا داؤد اورنگ آبادی کے بیٹے تھے۔ وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور جب حیدرآباد پایہ تخت بنا (۱۱۸۴) تو نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے

عہد میں حیدرآباد آگئے۔ یہاں عبدالولی «عزلت» سے اصلاح لیتے رہے اور سنہ ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی لچھمی نارائن شفیق صاحب «چمنستان شعرا» نے ان سے اپنی دوستی کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ انھوں نے «چندر بدن و مہیار» کا بھی کوئی قصہ نظم کیا ہے۔

حیدرآباد کے ایک اور شاعر مرزا قاسم علی بیگ اخگر نے بھی اس قصے کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ مرزا صاحب معتمد مالگزاری (بورڈ اوف ریوینیو) میں منتظم تھے۔ ان کا قلمی نسخہ فل اسکیپ سائز پر ۱۹۵ صفحات کا سنہ ۱۳۱۷ھ کا مکتوبہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ «مرثیہ اخگر» اور مجموعہ قصائد «سبعہ سیارہ» بھی اخگر کی تصانیف ہیں جو کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ قصہ چندر بدن سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مہیار کے اظہار عشق پر چندر بدن کا جواب:

افسانۂ درد عشق آں گل	بشنید چوں از زبانِ بلبل
ظاہر بجبیں تمام چیں بود	باطن ہمہ مرحمت گزیں بود
گفت اے بہ جنوں وصال اندیش	اندیشۂ تو محال اندیش
زیں گونہ کہ سینہ ریش گشتی	خود دشمن جان خویش گشتی
باید نہ ترا ز حد گذشتن	از خود بدر لحد گذشتن
مشمار کہ زیر پا زمین است	بشدار کہ چاہ در کمیں است
بگذر تو کجا وایں خیالت	چندیں چہ دہی بدل ملامت
گیرم کہ بہ عشق من تو مستی	زیں بادہ خمار خود شکستی
بس مدعیان عشق دیدم	بوئے نہ زراستی شنیدم
دعویٰ ہمہ بے دلیل دارند	راہے نہ دریں سبیل دارند
گویند کہ عاشقانِ بے ہوش	باشند زخویشتن فراموش
دل چیست کہ جاں بہ یار بخشند	خود از برہ نثار بخشند
گر عشق دلت ربودہ تن دہ	از ہرچہ طلب کنم بمن دہ
از جان تو دگرچہ چیز داری	بخشی؟ اگرم عزیز داری

ایک کنیز مہیار کے انتقال اور جنازے کے دروازے پر آکر رکنے کی

اطلاع چندر بدن کو پہنچاتی ہے :

ناگه به چنیں زماں کنیزے		افگند عجیب رستخیزے
پیش بت نازنیں بیا مد		افسانه به لب حزیں بیا مد
گفت اے صنم کرشمه پرداز		پر سوے رتست عشوه ساز
چوں از قدم تو سر حدا کرد		در عشق تو حان حود فدا کرد
ایماے تو حمله بود جا دو		چوں تیر به سینه شد ترازو
زیں نیز عجب ترست حرفے		بگرفته به مردماں شگرفے
تابوت که زیر بامت آمد		ہنگامۂ از قیامت آمد
رفتار زپائے مرد ماں رفت		زاں ساں که به یک قدم تواں رفت
از بسکه جنازه شد گراں بار		پا ماند مجائے خودز رفتار
شوریست به ہر طرف ازیں جوش		ہر کس که شنید رفت ار ہوش

اردو میں سب سے پہلے یه قصه مقیمی ہی نے لکھا اور اس کا امکان ہے که آتشی سے پہلے مقیمی ہی نے اس کو لکھا ہو۔ ایک سبب تو یه ہے که یه قصه اسی کے زمانۂ قریب میں وقوع میں آیا تھا۔ دوسرے یه که غواصی کی کتاب «سیف الملوک» منظر عام پر آکر شہرت حاصل کرچکی تھی اور اسی کتاب نے مقیمی کو یه قصه نظم کرنے پر راغب کیا چناچه وه خود اظہار کرتا ہے۔

قصه اگ کہوں میں گھرباز کا		سو چندر بدن ہور مہیار کا
سنے کوئی مجکوں دعا یاد کر		رہے ہو تعجب سوں دل شادکر
بنا تو عواصی کا باندیا ہوں میں		سخن مختصر لیاکے ساندیا ہوں میں
ولے میں اپس کوں سرایا نہیں		شعر میں کسی کا پھرایا نہیں
سرانا پھرانا تنہا کام ہے		کرے یو عمل وو که جو خام ہے

یہاں جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی سے ہمیں قدرے اختلاف ہے، مثنوی کا ایک شعر یه ہے:

قصه مج پرت کا کہا ایک اُن		جو بسرے تو لیلیٰ و محوں کو سُن

اور اس کا مفہوم یه لیا گیا ہے که «لیلیٰ مجنوں کا قصه سن کر اس مثنوی کو لکھنے کا خیال پیدا ہوا» ۔ لیکن اس کا مطلب صاف ہے که اس نے مجھ سے ایک ایسا

عشقیہ قصہ کہا کہ اگر سُنو سے تو لیلیٰ ومجنوں کے قصے کو بھول جائے۔

انجمن ترقی اردو ہند (علی گڈھ) کے نسخہ میں یہ شعر اس طرح نقل کیا گیا ہے:

قصہ محبت کا کہیا اک جواں جو شیریں و لیلیٰ و مجنوں کہاں

اس میں شیریں کا لفظ استعمال کرکے اس شبہ کو دور کیا گیا ہے۔ ہم شیخ چاند مرحوم کی رائے سے متفق ہیں جو "یورپ میں دکنی مخطوطات" پر تنقید کرتے ہوئے مقیمی کے بارے میں دی گئی ہے۔

دوسرا شاعر بلبل ہے جس نے آتشی اور مقیمی کا ذکر کیا ہے اور ہم بھی جس کے متعلق پہلے بیان کرچکے ہیں۔ اس نے قصہ لکھنے کا کوئی سبب بیان نہیں کیا۔ اس کی مثنوی کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے

سام نقش بند نقشِ ایجاد کیا قدرت کے نقشے کا وہ بنیاد

بدا نقشہ زمیں و آسماں کا بہارِ گلشن جاں و جہاں کا

اس کی زبان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ جنوبی ہندوستان کا شاعر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ بیجاپور ہی کا ہو یا ویلور یا صوبۂ مدراس کے کسی اور مقام کا۔ اس کا لب و لہجہ ان مقامات کی عماری کرتا ہے مثلاً ایک مقام کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

تمارا دیں حق بہتر کیا ہے ہماری رہ میں حق بہتر دیا ہے

کریں تم جاکو حج بیت‌الحرم کا ہمیں پوجا کریں دارالصنم کا

ہماری راہ باطل کھر چھوڑو گلستاں سوں ہمارے گل نہ توڑو

کرو ناراج مت تم بوستاں کوں دکھاؤ نا ہمارے دوستاں کوں

ہمیں بندے ہیں سب آزاد کرنا و گر نئیں قتل سب بیداد کرنا

چونکہ بلبل نے آتشی کا نسخہ دیکھا ہے اور اس شعر:

حریر ہندوی پر کرتوں تصویر لباس پارسی ہے پائے زنجیر

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ترجمہ کیا ہے۔ لیکن چونکہ آتشی کا اصل نسخہ دستیاب ہو نہ سکا اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ترجمہ کیا ہے یا صرف قصہ لے لیا۔ "توزک آصفیہ" سے اوپر کے نقل کردہ اشعار کی بحر اور بلبل کی بحر یکساں یعنے

ہزج مسدس مقصور اس لئے گمان یہ ہے کہ « توزک آصفیہ » میں مندرجہ اشعار آتشی ہی کے ہوں گے ۔ لیکن ان اشعار کا ترجمہ بلبل کی مثنوی میں نہیں ملتا اس لئے قیاس ہے کہ اس نے صرف آتشی کی مثنوی کو قصے کا ماخذ قرار دیا ۔

محمد باقر آگاہ نے ۱۱۲٤ھ میں « ندرت عشق » کے نام سے ایک مثنوی لکھی جس میں « چندر بدن و مہیار » کا قصہ نظم کیا ہے وہ سبب تالیف کا اظہار اس طرح کرتے ہیں ۔

یہ دل چاہتا ہے کہ اے جان من سنوں حال مہیار و چندر بدن
اگرچہ یہ قصہ کہن سال ہے پہ تیرے بیاں میں نئی چال ہے
ہے ہر چند یہ داستاں مشتہر پہ ہے اور ہی تیرے لب میں اثر
کہے ہیں اسے ہندی و فارسی پہ تیرے بیاں میں کہاں وارثی
میں قربان ہوں تجھ پہ اے جان جاں مفصل سنا مجھ کو یہ داستاں
اگر تو کہے اس حکایات کو تری شان و شوکت میں نقصاں نہ ہو
کہ سیار روم اس طرح کہہ گیا کہ تھے یعنے انسان کامل سدا
کبھی راہ پر خوں کا قصہ کہے کبھی حال مجنوں کا قصہ کہے
نہیں کم ہے لیلیٰ سے چندر بدن نہ مہیار مجنوں سے کم ہے سخن

محمد باقر آگاہ کی یہ مثنوی سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے اور « جواہر خمسۂ آگاہ » میں شامل ہے ۔ ندرت عشق کا ایک نسخہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ میں بھی موجود ہے « جواہر » فل اسکیپ سائز پر اور « ندرت عشق » علی گڑھ کی سائز « ˝۵X۷˝ » ہے اوراق ٦٤ ہیں اور مسطر گیارہ سطری ۔

آگاہ نے قصے کے دوران میں شعر کی شکل میں پورے عنوانات قائم کئے ہیں اصل مثنوی اور عنوانات کی بحر میں فرق ہے ۔ عنوانات کی بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف یعنی مفعول مفاعلن فعولن ہے اور مثنوی کی متقارب مثمن محذوف یعنی فعولن فعولن فعولن فعل ۔ آگاہ نے قصے میں تصوف کو بھی شامل کردیا ہے اور اس کا اظہار مثنوی کے مندرجہ ذیل ابتدائی اشعار سے ہو جاتا ہے ۔

اے ذات تری جلیل مطلق اے نام ترا جمیل مطلق
ہر حسن سے ہی مراد تو ہے ہر عشق کا دل نہاد تو ہے

شمالی ہندوستان میں سیف اللہ نے اس قصے کو نظم کیا ہے۔ اس مثنوی میں قصے کے لحاظ سے یکسانیت موجود ہے غلام یزدانی صاحب سابق ناظم آثار قدیمہ نے اپنے مضمون مطبوعہ ساقی میں اس کے متعلق تفصیلی معلومات دی ہیں۔ سیف اللہ نے کتاب کی تصنیف کا سبب ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

یکایک مرے دل میں گذرا خیال ہوئی تھی صلاح من میں چل عدلی وال
وہاں ایک ڑھا کمش دور ہے فقیروں کا خادم شب و روز ہے
وہ پڑھتا خوش الحان شیریں سخن عجب قصہ مہیار و چندر بدن
لگا کہنے یہ قصہ کر تازہ ہو جہاں تجھ صفت سے پر آوازہ ہو
کہ رنگیں دلاویز ہو مختصر ہندی فارسی ہمچو شیر و شکر

یہ نسخہ مصور ہے اس میں (۸۷۹) شعر ہیں لیکن آخری حصہ ناقص ہے اس لئے کچھ اور شعر ہوں گے۔ اس قصے میں بھی کم و بیش وہی باتیں بیان کی گئیں ہیں جو دوسرے مصنفین کے قصوں میں پائی جاتی ہیں۔ یزدانی صاحب نے مولوی عبدالحق صاحب کے نسخہ مقیمی سے اس کا مقابلہ کیا ہے لیکن حیرت ہے کہ انھوں نے ادارہ ادبیات اردو کے نسخوں سے اس کا مقابلہ کیوں نہ کیا جس کا کتب خانہ ان کے دولت کدہ کے سامنے ہے۔

سیف اللہ کی مثنوی سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ چندر بدن کا قصہ نہ صرف جنوبی ہندوستان میں مقبول ہوگیا تھا بلکہ عشق کی صداقت نے اس کو سارے ہندوستان میں ہر دلعزیز بنادیا تھا۔

یہ نسخہ مصور ہے اور معلوم نہیں کہ اب کس مقام پر ہے تحقیقات کے باوجود کوئی پتہ نہ چل سکا۔ چندر بدن کی دو تصویریں ہمیں بھی ملی ہیں یہ مولوی سید محمد صاحب بدری کے پاس محفوظ ہیں۔

پانچواں شاعر جس نے چندر بدن کا قصہ نظم کیا وہ بابا چندہ حسینی واقف عرف پیراں صاحب بیجاپوری ہے۔ اس نے سنہ ۱۲۲۷ھ میں یہ قصہ لکھا۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ نواب سالار جنگ اور کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ دیگر تمام شعراء کے قصوں کے مقابلے میں یہ بہت طویل ہے۔ شاعر نے اپنے خیالات کا

اظہار مختلف طریقوں پر کیا ہے۔ مثلاً سراپا چندر بدن پر ہی اس نے ۱۰۷ شعر لکھ دئیے ہیں۔ مہیار جب کدری کوٹھ پہنچتا ہے تو اس کی تفصیل ۳۷ اشعار میں دی گئی ہے۔ غرض ہر مضمون کو اس نے طول دیا ہے اور اپنی مثنوی کو زیادہ دلچسپ اور طویل بنانے کی کوشش کی ہے۔ سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

« ان کے عشق کے حالات نہایت ہی عجیب و غریب ہیں جو بھی سنے گا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکےگا۔ سنتے ہیں کہ دکھنی زبان میں مقیمی نے اور فارسی میں عشق نے ان واقعات کو بیان کیا ہے۔ میں ہندوستانی (شمالی ہند کا) تو نہیں ہوں البتہ مقدوربھر کوشش کروںگا کہ اپنی زبان میں اس کو بہتر طریقہ پر پیش کروں۔ میں نے فارسی کا اتباع کیا ہے اور دونوں قصے میرے ماخذ ہیں۔ کہیں میں نے زیب داستان کے طور پر استادانہ انداز میں کچھ بڑھا بھی دیا ہے۔ اس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

سخن گوئی کا مجھ کو بس کہ ہے شوق نہیں کچھ اور باتوں کا مجھے ذوق
نہیں ہے یاں کسی کو پائیداری رہی لیکن سخن کی یادگاری
مقیمی نے مگر دکھنی زباں میں لکھے ہیں قصہ ایک انکے بیاں میں
لکھا ہے فارسی کوئی رسالہ یہ سب قصے کا ہے اس میں حوالہ
تخلص فارسی والے کا تھا عشق سراپا عشق کا قصہ لکھا عشق
اگرچہ میں بھی تو اہل دکن ہوں نہیں کچھ ہند کا صاحب سخن ہوں
تتبع فارسی کا میں کیا ہوں حکایت ہر دو قصوں سے لیا ہوں
کہیں بولا حکایت کر زیادی کیا ہوں آپنی ہی اوستادی

واقف کے بعد ایک اور شاعر حاجی شیخ محمد عبد القادر شاکر رئیس وانم باڑی (مدراس) نے بھی اس قصے کو نظم کیا ہے۔ یہ قصہ «گلزارشاکر» کے نام سے شوکت الاسلام پریس بنگلور سے سنہ ۱۹۰۸ء میں شائع ہوچکا ہے۔ کتاب میں مذہبی مباحث، روایات اور تصوف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ سبب تالیف اس طرح بیان کیا ہے:

مثنوی چندر بدن مہیار کی میری تھی دیکھی ہوئی اک بار کی
مولوی باقر آگاہ نام نظم کی تھی آپ نے باانتظام

سب کو یہ معلوم ہے مشہور بات   ہے صداقت اس میں اے عالی صفات
غور سے دیکھے اگر اہل نظر   شاہد معنی ہے اس میں جلوہ گر

یہاں انھوں نے یہ واضح تو نہیں کیا کہ اور کن مصنفین کی کتابیں ان کے ہاتھ لگیں۔ قیاس کہتا ہے کہ مقیمی اور آتشی کی ہوں یا پھر مقیمی اور باقر آگاہ کی۔

اب تک ہم نے صرف ایسے شعراء کو پیش کیا ہے جنھوں نے چندر بدن کا قصہ من و عن بیان کردیا۔ اب ہم ایسے شعراء کو لیں گے جنھوں نے پلاٹ لے کر اس میں تصرفات کیے۔

میر تقی میر
۱۱۲۵ـ۱۲۲۵ھ

میر نے تین مثنویاں «دریائے عشق» «شعلۂ عشق» اور «اعجاز عشق» لکھی ہیں۔ ان کے پلاٹ میں کچھ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ گمان یہ ہے کہ میر نے سیف اللہ کی طرح «چندر بدن» کی کہانی سنی ہو اور قصے میں ندرت ہونے کی بنا پر اسے اپنے انداز میں لکھ دیا ہو۔

۱۔ «دریائے عشق» میں ایک جوان رعنا نے ایک ماہوش کو کھڑکی میں کھڑا دیکھا اور اپنا دل ہار دیا۔

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ   صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

ایک عرصہ تک وہ کوئے جاناں میں دیوانوں کی طرح پھرتا رہا۔ لڑکی کے باپ نے بدنامی کے خوف سے یہ طے کیا کہ کچھ عرصہ کے لئے اس کو کہیں دور بھیج دیا جائے چنانچہ ایک دایہ کو ساتھ کرکے رات میں لڑکی کو محافہ میں سوار کرایا اور محافہ روانہ ہوا۔ عشق نے عاشق کو خبر کردی اور وہ محافے کے ساتھ ہولیا۔ محافہ جب دریا کے کنارے پہنچا تو دایہ نے عاشق کو تسلی دی اور معشوق سے ملانے کا وعدہ کیا لیکن در پردہ دشمنی پر تل گئی۔ جب یہ سب لوگ کشتی میں بیٹھ کر دریا کو عبور کرنے لگے تو دایہ نے لڑکی کی پاپوش دریا میں پھینک دی اور عاشق سے کہا کہ اگر تُو عاشق صادق ہے تو دریا سے جوتی نکال لا ورنہ تیری محبوبہ ننگے پیر پھرے گی۔ عاشق نے دریا میں ایک غوطہ لگایا اور پھر:

نکلے باہر ولے موئے نکلے   دونوں دست و بغل ہوئے نکلے

محمد باقر آگاہ نے بھی اس قصے کو «غرقاب عشق» کے عنوان سے نظم کیا ہے۔

۲۔ «شعلۂ عشق» اس قصے میں بیان کیا گیا ہے کہ پرسرام نامی ایک نوجوان پٹنہ میں رہتا تھا۔ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر ایک اور شخص اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ دونوں آپس میں روز ملتے اور محبت میں اضافہ ہوتا۔ جب پرسرام کی شادی ہوگئی تو وہ اپنے دوست سے نہ مل سکا اس لئے کہ اس کی بیوی کو ایک لمحے کی جدائی گوارا نہ تھی۔ ایک دن دوست پرسرام سے ملا اور اس کو سمجھایا کہ عورتیں مرد کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے حیلے بہانے کرتی ہیں، اگر تمھیں یقین نہ ہو تو آزما کر دیکھ لو۔ ایک شخص یہاں سے جائے اور اس کو تمہارے دریا میں ڈوب جانے کی اطلاع دے اور دیکھے کہ اس پر کیا گذرتی ہے۔ اس رائے پر عمل کیا گیا۔ جب قاصد نے یہ وحشت اثر خبر پرسرام کی بیوی کو پہنچائی تو اس جاں گداز خبر کو سن کر اس کی موت واقع ہوگئی۔ پرسرام کو جب اس کا علم ہوا تو رویا پیٹا۔ دریا کے کنارے کریا کرم کیا۔ دن بہ دن حالت غیر ہوتی گئی اور آخر دریا کے کنارے پر ہی رہنے لگا۔ یہاں ایک دام دار رہتا تھا اس نے پرسرام کو بتایا کہ ہماری گذر بسر اب بہت مشکل ہوگئی ہے اس لئے کہ رات میں ایک شعلہ آسمان سے دریا کی طرف آتا ہے اور «پرسرام تو کہاں ہے؟» کی صدا لگاتا ہے اس وجہ سے شکار دام میں نہیں آسکتا۔ اس بیان سے پرسرام کی آتش عشق تیز تر ہوگئی۔ ایک دن وہ کشتی میں چند لوگوں کے ساتھ نکلا اور عین اس مقام پر جہاں شعلہ اُترتا تھا کود گیا۔ لوگوں نے بہت کچھ تلاش کی لیکن اس کی نعش دستیاب نہ ہوئی۔

بعض نقادوں نے میر کی ان دو مثنویوں کی طرف اشارا کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ میر صاحب نے چندر بدن اور مہیار کے قصے سے متاثر ہو کر یہ مثنویاں لکھیں لیکن تیسری مثنوی «اعجاز عشق» ہے جس کا پلاٹ «چندر بدن» سے ملتا جلتا ہے میر نے بتایا ہے کہ یہ کہانی انھوں نے کسی فقیر سے سنی، کہتے ہیں۔

کسو معتبر سے روایت ہے اک　　　　کہ درویش سے یہ حکایت ہے اک

حکایت یہ ہے کہ درویش ایک ملک میں پہنچا اور ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ بے خودی اور بے قراری کے عالم میں زندگی گذار رہا تھا۔ ایک دن اس نوجوان نے اپنے عشق کا راز اس فقیر سے کہا اور اس نے از راہ ہمدردی اس کو نصیحت کی۔

که اے ناز پرورد مہر و وفا　　　کوئی اپنے جی پر کرے ہے جفا
مثل ہے کہ جی ہے تو ہوگا جہاں　　　وگر نہ موئے پر ہے کیا میری جاں
تلف یوں نہیں جاں کرتا کوئی　　　نہیں اس سلیقے سے مرتا کوئی

درویش کی دلجوئی دیکھ کر نوجوان کہنے لگا کہ وہ ایک ترسا دختر پر عاشق ہے اور اس کے فراق میں اپنی جان ہلکان کر رہا ہے ۔ درویش نے معشوق تک اس کا پیام پہنچانے کا وعدہ کیا اور ترسا کے گھر پہنچ کر پیغام سنایا۔ معشوق نے جواب میں کہا:

که ہجراں میں جو بیقراری کرے　　　سر راہ فریاد و زاری کرے
نہ سوئے دے نالوں سے ہمسایہ کو　　　بھلی موت ایسی فرومایہ کو

جب یہ پیام درویش نے نوجوان کو سنایا تو اس نے اپنی جان دے دی۔ میر کہتے ہیں۔

که ایک بات کی بات میں مرگیا

درویش نے فوراً یہ اطلاع معشوق تک پہنچائی اور لوٹا، ابھی دس قدم بھی نہ چلا ہوگا کہ :

صدا ایک نوحے کی آنے لگی　　　که یعنی وہ دختر ٹھکانے لگی
محبت نے کام اپنا پورا کیا　　　که ان دونوں لعلوں کو چورا کیا

«چندر بدن و مہیار» میں نتیجتاً دونوں نعشیں پیوست ہو جاتی ہیں اور میر کی مثنویوں میں اول‌الذکر میں یکسانیت ہے مگر بعد کی دو مثنویوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ایک کی موت کے ساتھ دوسرے کی موت بھی پیش کر دیتے ہیں۔ تاہم پلاٹ میں بہت کچھ یکسانیت پائی جاتی ہے۔

ارکاٹ کے ایک شاعر سید محمد موسوی والہ متوفی ۱۱۸٤ نے ایک مثنوی «طالب و موہنی» لکھی ہے اس کا حال «تذکرہ گلزار اعظم» میں موجود ہے ۔ سید محمد موسوی کے والد سید محمد باقر خراساں کے رہنے والے تھے - سید محمد والہ وہیں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت پائی اور عالمگیر کے آخری عہد میں شمالی ہند سے ہوتے ہوئے حیدر آباد آئے اور پھر انور خاں صوبیدار ارکاٹ کے ساتھ ارکاٹ گئے جہاں انھوں نے ایک بوڑھے برہمن سے چندر بدن و مہیار کا قصہ سنا اور خود ایک ہزار شعر کی مثنوی «طالب و موہنی» لکھی، چندر بدن کے پلاٹ سے یہ قصہ کافی مشابہت رکھتا ہے۔ قصہ یہ ہے که ایک نوجوان شخص طالب نامی نے موہنی کو دیکھا اور دیدار کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش آیا تو اس نے اپنا واقعہ موہنی سے بیان کیا اور اس کے

گھر پر دھونی رمائی موہنی کے مہاجن باپ نے بدنامی کے ڈر سے طالب کو ہٹانے کیلئے سو بہانے بنائے لیکن بے سود۔ آخر موہنی کی موت مشہور کردی گئی اور فرضی جنازہ لے جایا گیا جس میں طالب شریک تھا۔ کسی نے اس سے کہدیا کہ " تم عاشق ہوکر زندہ موجود ہو "۔ یہ الفاظ اس کے دل پر بہت کاری لگے اور اس نے دیوانگی کے عالم میں کنوئیں میں گر کر جان دے دی۔ جب موہنی کو اطلاع ہوئی تو وہ بھی آکر کنوئیں میں گر پڑی۔ جب دام داروں اور غوطہ خوروں نے انہیں نکالا تو وہ دونوں آپس میں پیوست تھے اس لئے انہیں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

والہ نے قصے میں دلچسپی برقرار رکھنے کیلئے کچھ بڑھا لیا ہے لیکن اس کا ماخذ «چندر بدن» ہی ہے یہ ہو سکتا ہے کہ والہ نے آتشی یا مقیمی کا قصہ پڑھا یا صرف ان کے بیان کے مطابق کہانی ہی سنی اور اپنے ذوق کے مطابق اسے نظم کر دیا ہو یہ مثنوی ادارہ ادبیات اردو سے اگست سنہ ۵۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

ایک اور شاعر انور ہے جس نے سنہ ۱۲۵۹ ہجری میں ایک مثنوی «شمع عشق» لکھی اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ جامع مسجد بمبئی میں موجود ہے اس میں بھی چندر بدن کے قصے کو بنیاد بنایا گیا ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میر کی مثنوی «دریائے عشق» کو پیش نظر رکھا ہو۔ اس میں ایک مسلم لڑکا ایک برہمن لڑکی پر فریفتہ ہوتا ہے۔ بدنامی سے بچنے کیلئے لڑکی کی موت کی خبر مشہور کی جاتی ہے۔ جب لڑکے کو یہ خبر پہنچتی ہے تو وہ گنگا میں ڈوب کر خودکشی کر لیتا ہے اور جب لڑکی کو اس کے ہلاک ہونے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ بھی چھپ کر گھر سے نکلتی ہے اور گنگا میں کود پڑتی ہے لڑکی کے لوگ مچھیروں کے ذریعے اس کی تلاش کرتے ہیں تو دونوں کی نعشیں پیوست شدہ دستیاب ہوتی ہیں اس کے بعد ان دونوں کا کریا کرم کیا جاتا ہے اور سمادھی بنائی جاتی ہے۔

اس مخطوطے میں ۹۱ صفحات ہیں مسطر ۱۴ سطری اور سائز ۹"×۷" ہے۔

مقیمی کی ادبی خصوصیات مقیمی کی مثنوی ادبی نقطۂ نظر سے دوسری مثنویوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی اس میں نہ غواصی کا زور بیان پایا جاتا ہے اور نہ نادر اور اچھوتی تشبیہات ہی ہیں۔ غواصی کی عشقیہ مثنوی «سیف الملوک» مقیمی کے سامنے موجود تھی وہ اس سے زیادہ بہتر لکھنے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن وہ ایرانی نژاد اور

فارسی کا شاعر تھا اس لئے دکھنی اشعار میں وہ روانی نہیں پائی جاتی۔ غواصی کی مثنوی میں فوق فطری عناصر کی بہتات ہے لیکن مقیمی نے تمام واقعات کو بالکل فطری انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے البتہ ایک چیز غیر فطری دکھائی دیتی ہے کہ انجم نگر کا بادشاہ جو مہیار کا ہمدرد بن گیا تھا اس کو اپنی حرم سرا میں لے گیا تاکہ وہ اپنے لئے کسی نازنین کو منتخب کر لے اس حد تک کوئی قباحت نہ تھی لیکن اس کے بعد امراء کی حرم سراؤں میں اور پھر تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کے گھروں میں مہیار کو بھیجا گیا کہ اگر کوئی حسین لڑکی پسند خاطر ہو تو اس سے شادی کردی جا سکے۔

مقیمی کی تشبیہیں بہت کم اچھوتی اور نادر ہیں ایک مقام پر وہ خدا کی بارگاہ میں التجا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نفس نے مجھ پر اتنا غلبہ پا لیا ہے کہ اب میں اس پر غالب نہیں ہو سکتا اور نفس مجھ اس طرح مسلط ہے جیسے ایک سوار گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھتا ہے۔

که غالب ہے پر اے نفس یوں ترنگ کو چلاوے چڑ سوار جوں

مہیار چندر بدن سے گفتگو کے دوران میں کہتا ہے کہ میں تیرے سوا کسی اور کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اگر تو نہ مل سکے تو میری کیفیت ماہیِ بیتاب کی سی ہوگی۔

سو تجھ بن مجے کوئی ہونا نہیں کہ بن جل مچھی کا سو جینا نہیں

ایک مقام پر چندر بدن کے رخ کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے۔

سو بھورائے رخ کوں یوں جاب دی اس مکھ کے افتاب کوں تاب دی

مقیمی فارسی کا عالم اور شاعر تھا لیکن اس کے باوجود اس نے دیگر دکھنی شعرا کی املا میں حسب ضرورت شعر تبدیلی کرلی ہے مثلاً شہر کو شہار، مشہور کو ضرور کے وزن پر مشور وضع کو ورا یا وضا دونوں طرح سے لکھا ہے۔ احوال کو ہوال استعمال کیاہے۔ تحریر میں حروف فارسی کا استعمال ہوا ہے اس لئے پ، ٹ، چ، ڈ، ڑ، اور گ کو فارسی حروف کی شکل میں لکھا گیا ہے۔ یائے معروف و مجہول میں بھی کوئی فرق نہیں کیا گیا اور نہ تذکیر و تانیث ہی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

کہنا اور کرنے کا ماضی مطلق کیا اور کرا استعمال ہوا ہے۔ الفاظ میں جو حروف آج متحرک اور ساکن استعمال ہوتے ہیں اس دور میں کوئی اہمیت نہ تھی ضرورت شعری کی بنا پر جس طرح لفظ شعر میں بندھ جاتا اسی کو موتی سمجھ لیا جاتا۔

ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانہ میں «چندر بدن و مہیار» کا ایک نسخہ خط نسخ میں ہے اور تحریر قطب شاہی دور کی ہے اس کی سائز ۲/۱ ۵ ۲/۱ ۴ اور اشعار کی تعداد (۴۹۹) ہے اس نسخے میں حمد کے بعد مناجات نہیں بلکہ نعت اور منقبت کے بعد عبداللہ قطب شاہ ۱۰۳۴ـ۱۰۸۳ھ کی مدح میں حسب ذیل اشعار مندرج ہیں۔

در صفت بادشاہ سلطان عبداللہ

مقیمی توں کر صفت شہ کا ایتا — جنے تج کوں روشن کیا ہے ایتا
جو سلطان عبداللہ سے شہ گمبھیر — شمس قمر تے اس کا روشن ضمیر
کہ عدل ہور انصاف ہور داد کا — او ہے بادشاہ حیدرآباد کا
امن میں خلق اس کے پر تو تلے — جو سارے دکن میں دراق چلے
دکھن میں یو کیا بلکہ ہے ہند میں — اہے نام اس کا بھی سند میں ؟
دکھن کے شہاں میں گرامی ہے او — گرامی اہے ہور نامی ہے او
دکھن کے شہاں دیکھ پھر یوں کہے — محمد قلی پھر کو آیا اہے
محمد قلی شاہ کس شمر میں — سو حاتم سا شاہ اسکے نت امر میں
ضحاک ہور فریدون سا شیر او — کرے پل میں کئی دشمناں زیر او
ہے ایسا سو او بادشاہ بے بدل — دکھن کے شہاں میں ہے اورت اول

مقیمی صفت شہ کی کرتوں تمام
ایتا توں قصہ کا بنا کر تمام

ہمارے علم میں جتنے نسخے ہیں، جن کا ہم نے وقتاً فوقتاً ذکر کیا ہے اور جنکی فہرست آخر میں دی جارہی ہے ان میں کہیں بھی عبداللہ قطب شاہ کی مدح نہیں۔ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ مقیمی بیجا پور میں پیدا ہوا اور حسن شوقی کی طرح مختلف درباروں میں رہا۔ نظام شاہی دربار میں بہت کم رہنے کا موقع ملا اور اس سے کچھ ہی زیادہ مدت گولکنڈہ میں گذاری اور عمر کا بیشتر حصہ جیسا کہ اس کے فارسی دیوان میں لکھی ہوئی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے بیجا پور میں گذرا سنہ ۱۰۴۱ھ میں مقیمی گولکنڈہ کے سفیر کی حیثیت سے بیجاپور میں مقیم تھا (حدیقۃ السلاطین صـ۱۰۰) یہ دور عبداللہ قطب شاہ کا ہے اور اس کا امکان ہے کہ اس نے مثنوی تو بیجا پور میں لکھی ہو لیکن گولکنڈہ کی ملازمت میں منسلک ہونے کے بعد عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں پیش ہونے کے لئے یہ اشعار بڑھا دئے ہوں اس لئے کہ «چندر بدن و مہیار» اردو کی پہلی مثنوی ہے جو بیجا پور میں لکھی گئی لیکن گولکنڈہ میں اس سے پہلے قطب مشتری (۱۰۱۸ھ) اور سیف الملوک بدیع الجمال

(۱۰۳۵ھ) لکھی جاچکی تھیں اور انھیں حسن قبول عطا ہوچکا تھا۔ اول الذکر میں وجھی نے ابراھیم قطب شاہ ۹۵۷۔۹۸۸ھ کی مدح کی ہے اور موخر الذکر میں غواصی نے عبداللہ قطب شاہ کی۔ عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں اس مثنوی کی پیش کشی کے موقع پر اس نے درباری روایات کو قائم رکھا اور مدح شاہ کا اضافہ کر کے کتاب پیش کردی بہرحال ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس نسخہ میں بعض غلطیاں بھی نظر آتی ہیں جو ہمیں دوسرے نسخوں میں نہ ملیں مثلاً دوران نقل میں ایک شعر کا مصرع دوسرے شعر کے مصرع کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔ کہیں املا کی غلطیاں بھی ہیں۔ مندرجہ مدح میں بھی غلطیاں معلوم ہوتی ہیں۔

دوسری چیز جو ہمیں ملی ہے وہ ایک مرثیہ ہے۔ کتب خانہ سالار جنگ میں مراثی کی کئی بیاضیں ہیں۔ مولوی سعادت علی صاحب رضوی ان مراثی پر کام کررہے ہیں۔ موصوف کو ذیل کا مرثیہ ایک بیاض میں ملا ہے:

مرثیہ

مقیمی بیجاپوری

مکھ دکھایا چندر گگن سوں نکل — اشک جاری ہوئے نین سوں نکل
خاک جوگی بس لگا مُکھ سوں — حلق پھرتا ہے چوکدھن سوں نکل
بےاثر غم سوں مج نہ کوئی دستا — مردے روتے ہیں سب کفن سوں نکل
سُن خبر شہ کی ہوش سٹ یاراں — بے خبر ہورہے وطن سوں نکل
حیف کیا غل ہوا ہے جنت میں — حور و غلماں پھریں عدن سوں نکل
جگ کے گُلستاں سکل گئے کُملائے — ملبلاں زار میں چمن سوں نکل
جب سوں دیکھیا چندر محرم کا — تاب و طاقت گئے بدن سوں نکل

جب مقیمی بیان غم کرتا
آگ جھڑتا ہے سب بدن سوں نکل

جناب حامد اللہ صاحب ندوی کے بیان کے مطابق (نوائے ادب جنوری و اپریل ۵۵ء) یہ مثنوی بمبئی میں کئی بار چھپ چکی ہے۔ محترم جناب نجیب اشرف صاحب ندوی کے ہم ممنون ہیں کہ موصوف نے مطلع فرمایا کہ یہ کتاب کریمی پریس بمبئی سے سنہ ۱۲۹۰ھ میں چھپی ہے۔ تین قصوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا تھا جن میں ایک «قصہ تنھو اور نامنی کا» دوسرا «چندر بدن و مہیار کا» اور تیسرا «بہرام گور اور حسن بانو کا» تھا۔ دوسرا نسخہ صرف «چندر بدن و مہیار» کا ہے اور ایک نسخے میں «مہریار کی معیار» بھی چھپا ہے۔

جناب یٰسین علی خاں صاحب (داماد جناب غلام یزدانی صاحب سابق ناظم آثارقدیمہ .رآباد) کے پاس ایک مطبوعہ نسخہ موجود ہے جس میں تتھو اور بامنی، چندر بدن اور م‌گور کے تینوں قصے شامل ہیں اور یہ جزیرۂ بمبئی میں رائل سائز پر سنہ ۱۲۹۰ھ میں یا ہے۔ اس میں ۴۴۰ اشعار ہیں لیکن زبان کو عصری بنانے کی کوشش کی گئی ہے غلطیاں زیادہ ہیں۔

اب ہم یہاں چندر بدن و مہیار کے ان نسخوں کی فہرست درج کرتے ہیں جو ہمارے میں ہیں یا جن سے ہم کو استفادہ کا موقع ملا ہے۔

نام کتب خانہ	مقام کتابت	نام کاتب	تاریخ کتابت	
جامع مسجد بمبئی	لاہور	محمد شاکر	۱۱۲۳ھ	
سالار جنگ حیدرآباد	اورنگ آباد	سید رحمت اللہ دہلوی	۱۱۵۷ھ	
رضا لائبریری رامپور	—	رگھوتم داس	۱۱۷۸ھ	
" " "	—	—	—	
ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد	—	—	—	دو نسخے
کتب خانہ آصفیہ "	—	—	—	"
انجمن ترقی اردو علی گڈھ	—	—	—	"
انڈیا آفس	بلوم ہارٹ	(یورپ میں دکنی مخطوطات اور شہ پارے)		
اڈنبرا یونیورسٹی		"	"	"
۔ گارساں دتاسی		"	"	"
۱۔ چندو لال		"	"	"

۔ مولوی عبدالحق صاحب (انجمن ترقی اردو اورنگ آباد) چار نسخے (یورپ میں دکنی مخطوطات پر تنقید کرتے ہوئے شیخ چاند مرحوم کا بیان رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۳۳ء)

۱۔ توپ خانہ لکھنؤ

احسان فراموشی ہوگی اگر میں جناب ڈاکٹر زور صاحب، جناب نصیر الدین صاحب شمی، جناب نجیب اشرف صاحب ندوی، جناب امتیاز علی صاحب عرشی، جناب میر مادت علی صاحب رضوی کا شکریہ ادا نہ کروں جن سے اس مقالے کی تیاری میں .د ملی۔

ادارہ:

تبصرے

(۱) آئینۂ دلدار ـ مرتبۂ. محمد ابرار صدیقی،
ناشر. افسر بک ڈپو، نظامی روڈ، سنٹرل جیکب لائن کراچی
ضخامت. ۲۵۶ صفحات
قیمت: تین روپے

بدایوں کا نام علمی طبقوں میں کافی مانوس ہے ـ اس مردم خیز زمین میں بہت سے بزرگ پیدا ہوئے ہیں ـ انہی بزرگوں میں ایک مولانا محمد دلدار علی مذاق بھی تھے ـ مذاق سنہ ۱۲۳۵ ھ میں پیدا ہوئے ـ ابتدائی تعلیم اپنے نانا سید عبد العلی نقوی سے حاصل کی اور پھر رامپور، لکھنؤ اور دہلی کے علماء سے علوم عقلی و نقلی میں استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف بزرگاں طریقت سے بیعت و خلافت بھی حاصل کی ـ شاعر بھی تھے مذاق تخلص تھا، اور حضرت ذوق سے اصلاح لیا کرتے تھے ـ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ کو انتقال کیا ـ

انہی صاحب علم و عرفاں کے حالات اس میں جمع کئے گئے ہیں ـ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے ـ پہلے حصہ میں مولانا دلدار علی کے حالات زندگی ہیں ـ دوسرے حصہ میں ان کے خطوط کو جمع کیا گیا ہے ـ تیسرے حصہ میں ان کی شاعری پر تبصرہ ہے ـ چوتھا حصہ انتخاب کلام سے تعلق رکھتا ہے اور پانچویں حصہ میں وہ تمام شجرے جمع کردئے گئے ہیں جو مولانا دلدار علی کو مختلف بزرگان طریقت سے ملاتے ہیں ـ

مرتب نے بڑی محنت سے مواد جمع کیا ہے ـ جو لوگ بزرگوں کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اس کتاب کو پڑھ کر ضرور محظوظ ہوں گے ـ

(۲) طالب و موہنی ـ مرتبۂ: ڈاکٹر محی الدین قادری زور
ناشر: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدر آباد دکن
ضخامت: ۸۰ صفحات
قیمت: ڈیڑھ روپیہ

طالب و موہنی ایک نایاب دکھنی مثنوی ہے جس کو سید محمد والہ نے بارھویں صدی ہجری میں منظوم کیا تھا۔ اب تک اس کے صرف دو نسخے معلوم ہوسکے ہیں۔ ایک انڈیا آفس لندن کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور دوسرا ادارۂ ادبیات اُردو حیدر آباد میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہ مثنوی ایک ایسے شاعر کی ہے جو دکن میں نووارد کی حیثیت رکھتا تھا اور ایسے دور میں لکھی گئی ہے جبکہ دکھنی زبان رو بہ زوال تھی اور شمالی ہند کی اُردو کے اثرات وسیع ہورہے تھے اس لئے اس کو ایک خاص تاریخی اور ادبی اہمیت حاصل ہے۔

اس کی اسی اہمیت کے پیش‌نظر ڈاکٹر زور نے اس کو مرتب کرکے شائع کردیا ہے۔ ابتداء میں چار صفحے کی تمہید ہے جس میں مثنوی کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور پھر تقریباً بارہ صفحات میں والہ کے حالات زندگی، اِن‌کی تصنیفات کی تفصیل اور مثوی کی حصوصیات بیاں کی گئی ہیں اور آحر میں مثنوی «طالب و موہنی» کا متن ہے جو ۱۰۵۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ دکھنی زباں و ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے یہ ایک بڑا اہم علمی تحفہ ہے۔

(۳) فنون لطیفہ بہ عہد اورنگ زیب ـ مرتبہ : ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی

ناشر : کتاب خانۂ نورس، کبیرؔ اسٹریٹ، اردو بارار لاہور ضخامت : ۱۳۰ صفحات

قیمت : دو روپے

یہ کتاب در اصل ایک مقالہ ہے جو سنہ ۱۹۳۱ء میں ڈاکٹر صاحب نے عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کی بزم تاریخ میں پڑھنے کے لئے تیار کیا تھا لیکن بعض ناگزیر مجبوریوں کی بنـا پر وہاں پڑھـا نہ جا سکا اور اب اس کی علمی اہمیت کے پیش نظر کتاب خانہ نورس لاہور کی طرف سے ترمیم و اضافہ کے ساتھ شائع کردیا گیا ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں ان فنون لطیفہ کی تفصیل پیش کی گئی ہے جو اورنگ زیب کے زمانہ میں شاہانہ سرپرستی کی وجہ سے یا آزادانہ طور پر ترقی پذیر رہے۔ ان فنون میں عمارت سازی، مصوری، خطاطی، موسیقی اور اسی طرح کے بعض دوسرے فن شامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت سے واقعات و حقائق کو جمع کیا ہے۔ جو لوگ اورنگ زیب کو ایک متعصب مذہب پرست کی حیثیت سے جانتے ہیں اُن کے لئے اس کا مطالعہ کافی دلچسپ ہوگا۔

(٤) فانوس خیال - مدیر . اے جے جلال الدین
ناشر : اے جے اردو سیمنار ، نمبر ۱ پی وی. آر اسٹریٹ ، مدراس
ضخامت : ۲۳۰ صفحات، قیمت : ندارد

فانوس خیال مدراس کے ایک مشہور اردو ادارہ اے جے سیمنار کا سالنامہ ہے - اب تک اس کے تین سالنامے نکل چکے ہیں، اور یہ چوتھا ہے - اس کے لکھنے والے زیادہ تر مقامی لوگ ہیں - اس کو پڑھ کر یقیناً کہنا پڑتا ہے کہ جنوبی ہند کا یہ دور اُفتادہ صوبہ بھی اردو کی خدمات کے سلسلہ میں باقی صوبوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے اس کا ہر مضمون جاندار اور ہر نظم خیال انگیز ہے -

اے جے اردو سیمنار مستحق مبارکباد ہے کہ وہ اس قدر عمدہ ادبی نمبر ہر سال پیش کرتا ہے اور اس کو ڈاکٹر عبد الحق اور پروفیسر عبد الوہاب بخاری جیسے قابل قدر ماہرین تعلیم اور ادیبوں کی سرپرستی حاصل ہے- سچ تو یہ ہے کہ انہی دو شمعوں سے وہاں کی بیسیوں تعلیمی ، ادبی ، اور علمی محفلیں روشن ہیں -

جو لوگ مدراس میں اردو زبان و ادب کی صحیح رفتار ترقی کو معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ اس کا ضرور مطالعہ کریں -

(٥) سویرا - مرتبین، حنیف رامے، سیدہ شاہین، ناشر نیا ادارہ ۱۵ سرکلر روڈ، لاہور
ضخامت ۲۰۰ صفحات، قیمت : دو روپے

اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے « سویرا » ایک جانا پہچانا پرچہ ہے اس سے پیشتر یہ غیر متعین وقفوں کے ساتھ شائع ہوا کرتا تھا لیکن ادھر دو چار شماروں سے باقاعدہ ہوگیا ہے اور سجائے لیتھو کے ٹائپ میں چھپتا ہے-

اس وقت ہمارے سامنے اس کا ۲۲ واں شمارہ ہے جو خوبصورت ٹائپ میں دو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے- اس کے سبھی مضامین اور افسانے وغیرہ دلچسپ ہیں لیکن بعض مضامین کافی محنت سے لکھے گئے ہیں- چنانچہ علمی مضامین میں « یادگار غالب ایک تحقیقی مطالعہ » اور فکاہی مضامین میں « ان کی فلیٹ ، ہماری خانہ آبادی » پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں - پرچہ بڑی محنت سے مرتب کیا گیا ہے - یقین ہے کہ اردو داں احباب کے لئے ایک دلچسپ ادبی تحفہ ثابت ہوگا -

ضمیمہ

مَقالہ نُما

مرتبین

عالی جعفری   ابوالفضل محمود قادری   حامد اللہ ندوی

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱ اصلاحی امین احسن:

تزکیۂ نفس

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ اگست)

نفس کی پاکی صالح اعمال سے ہوتی ہے۔ کن اعمال کو صالح اعمال کہہ سکتے ہیں، اس کا ایک نفسیاتی اور دینی تجزیہ۔

۲ ابوالامان امرتسری:

گرونانك اور اسلام

(ثقافت لاہور ۵۷ اگست ۴۹۔۵۴)

گرونانک (۲۶ تا ۹۷۔۱۵۹۶ بکرمی) پنجاب کی مشہور و معروف شخصیت اور سکھوں کے مذہبی رہنما ہیں۔ روزمرّہ زندگی اور خیالات میں آپ اسلام اور مسلمانوں سے قریب اور متفق رہے ہیں۔

۳ ابوالامان امرتسری:

گرونانك اور اسلام

(ثقافت لاہور ۵۷ ستمبر (۵۶۔۶۰)

یہ اس مقالہ کی دوسری قسط ہے۔ اس میں دکھایا ہے کہ گرونانک نے اسلامی تعلیمات خصوصاً توحید کو اپنایا تھا۔

۴ اصلاحی ضیاءالدین (مترجم)

تفسیر کبیر اور اس کا تکملہ

(معارف اعظم گڈھ ۵۷ اگست ۱۲۵۔۱۴۰)

تفسیر کبیر امام رازی کی مشہور تصنیف ہے، اس کو سورۂ قصص تک تو خود رازی نے مکمل کیا ہے لیکن اس کے بعد سورۂ عنکبوت سے آخر تک کی تفسیر خولی اور قمولی کی ہے۔ اس کی وضاحت مضمون میں دلائل کے ساتھ کی گئی ہے۔

۵ اکبر آبادی میکش:

ایرانی نظریئے

(اردو ادب علیگڈھ ۵۷ء جون)

ایرانیوں کے مذہبی عقائد کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد وہاں کے بانیان مذاہب کے نظریات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان بانیان مذاہب میں زرتشت، مانی، ملاہادی، علی محمد باب اور بہاءاللہ کا خاص طور پر ذکر ہے۔

۶ امینی محمد تقی:

قائدین کی تربیت اور اوصاف و خصائص

(برہان دہلی ۵۷ء ستمبر)

ایک اسلامی قائد میں کن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے اس پر قرآن اور سیرت انبیا کی روشنی میں بحث۔

(باقی)

۷ بلخی افتخار احمد:

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

(مقام رسالت کراچی ۵۷ء اگست ۱۹۔۳۳)

منکرین حدیث کا خیال ہے کہ امت کے تمام افتراق و انتشار کی وجہ احادیث ہیں۔ جو بھی ان کو جرودین ماننے سے انکار کر دیا جائے گا۔ تمام اختلافات مٹ جائیں گے۔

مضمون میں اس گروہ کے امام پرویز کی متعدد ہم مضمون عبارتوں کو پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ منکر حدیث ہونے کے باوجود خود ان بزرگ کی باتوں میں کتنا تضاد پایا جاتا ہے۔

۸ بلخی افتخار احمد:

رسول کی تفسیر قرآن ہے کہاں

(مقام رسالت کراچی ۵۷ ستمبر ۱۱۔۱۵)

جن احادیث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر و تشریح ہیں، منکرین حدیث نے ان کو تختۂ مشق بنانے کے بعد سوال کیا ہے کہ رسول اللہ کی تفسیر کہاں ہے۔ مضمون میں اسی کا جواب دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے یہ نمازیں، یہ رکوع و سجود یہ تکفین و تدفین اور زکوۃ و خیرات جس پر آپ عمل پیرا ہیں رسول اللہ ہی کی تفسیر قرآن ہے۔

۹ جعفر محمد پھلواری:

ضبط ولادت

(ثقافت لاہور ۵۷ اگست ۴۱۔۴۷)

ضبط ولادت کو جائز بتلایا ہے۔

۱۰ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر:

تصور روحی

(ثقافت لاہور ۵۷ جولائی ۶۔۱۲)

روح سے متعلق قرآنی تصور کی وضاحت کی ہے۔

۱۱ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر:

اصول و اوامر

(ثقافت لاہور ۵۷ء ستمبر ۷۔۱۱)

نفس اصول و اوامر کی تشریح بیان کی ہے۔

۱۲ رشید احمد:

عہد نبوی میں اصول سیاست

(ثقافت لاہور ۵۷ ستمبر ۲۱۔۳۰)

دور مکی اور دور مدنی کی سیاست مختلف اور اسی لئے ان کے اصول مختلف ہیں جن کا ذکر اس مقالہ میں ملتا ہے۔

۱۳ سبحانی فضل پیربابی:

اسلام گاندھی جی کی نظر میں

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۷ اگست ۲۷۔۲۸)

گاندھی جی اشاعت اسلام کو بزور شمشیر

نہیں مانتے تھے وہ اسکی تعلیمات اور رسول اکرم کی حیات کی روشنی میں اسے سچا مذہب جانتے تھے۔

۱۴ صدیقی ڈاکٹر محمد احمد :

ابن خلدون اور اس کا مقدمہ

(برہان دہلی ۵۷ ستمبر ۱۴۹-۱۶۰)

مقدمۂ ابن خلدون کی تلخیص اور ابن خلدون کے افکار کا تجزیہ۔

۱۵ عبدالحمید :

شاہراہ مکہ (۲)

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ اگست)

جناب محمداسد کی کتاب Road to Mecca کا تعارف، اس کی تلخیص اور تبصرے کے ساتھ۔

۱۶ عبدالحمید :

شاہراہ مکہ (آخری قسط)

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ ستمبر)

جناب محمد اسد کی کتاب Road to Mecca کی تخلیص، اور اس پر تبصرہ۔

۱۷ عمادی تمنا :

قربانی قرآن کا ایک منصوص حکم ہے

(مقام رسالت ۵۷ء جولائی ۲۹-۳۵)

منکرین حدیث قربانی کو ایک غیر دینی اور غیر قرآنی فعل قرار دیتے ہیں۔ مضمون اسی کا جواب ہے۔ اس میں قربانی کی اہمیت کو قرآنی آیات کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ قربانی عموماً اور بقرعید و حج کی قربانی خصوصاً قرآن سے ثابت ہے۔

۱۸ غلام مرتضیٰ حافظ :

چوتھی صدی ہجری میں عالم اسلامی کی مذہبی حالت

(ثقافت لاہور ۵۷ء ستمبر ۳۱-۳۸)

یہ مقالہ کی پہلی قسط ہے۔ حکومت زمانہ کے تذکرے کے بعد رائج الوقت مشہور اسلامی و غیر اسلامی مذہبی فرقوں کی خصوصیات مختصراً بیان کی ہیں۔ مقالہ مجوس کے ذکر پر ختم ہوتا ہے (باقی)

۱۹ فارق ڈاکٹر خورشید احمد :

حضرت ابوبکر کے سرکاری خطوط (۳)

(برہان دہلی ۵۷ء جولائی ۵-۲۰)

حالد بن ولید، طریفہ بن حاجز، طاہر بن ابی ہالہ، یمن کے حمیری رئیس، زیاد بن لبید انصاری، اشعث بن قیس اور عکرمہ بن ابی جہل کے نام حضرت ابوبکر کے خطوط

اور ان کا پس منظر۔ (۷ تا ۱۳ سات خط)

۲۰ فارق ڈاکٹر خورشید احمد:

حضرت ابوبکر کے سرکاری خطوط (٤)

(برہان دہلی ۵۷ اگست ٦۹-۸۵)

عکرمہ بن ابوجہل، مہاجر بن امیہ اور سالاران ردّہ کے نام حضرت ابوبکر کے خطوط (١٦ تا ۲۳ آٹھ خط)۔

۲۱ فارق ڈاکٹر خورشید احمد.

حضرت اَبوبکر کے سرکاری خطوط (٥)

(برہان دہلی ۵۷ ستمبر ١۳٤-١٤۸)

خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عاص بن عم اور مدعور بن عدی کے نام حضرت ابوبکر کے خطوط اور ان کا پس منظر۔ (٢٤ تا ۳٥ بارہ خط)

۲۲ گیلانی اسعد۔

اسلامی نظام حیات کا ایک نقیب

(چراغ راہ کراچی ٥۷ اگست ۷-١٦)

اقبال کا تعارف اسلامی نظام حیات کے ایک نقیب کی حیثیت سے۔

۲۳ ملا واحدی.

اللہ کا اِسلامی تصور

(فیض الاسلام راولپنڈی ٥۷-۳۳)

اللہ کے اسلامی تصور کی وضاحت بیان کی ہے۔

۲٤ ابو محمد زہرہ:

سنت کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا موقف

(ترجمان القرآن لاہور ٥۷ اگست)

امام صاحب پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مسائل کے استنباط میں قیاس کو خبر احاد پر ترجیح دی ہے مضمون میں اس کا جوب دیا گیا ہے۔

۲۵ منور شیشور پرشاد:

جاپان پر ہندوستان کے اثرات

(ارد و ادب علی گڈھ ٥۷ جون)

بدھ مذہب ہندوستان سے جاپان کسطرح پہنچا۔ اور اس نے وہاں ہندوستانی تہذیب و تمدن کی کن خصوصیات کو پہونچایا، اس کا تفصیلی ذکر۔

۲٦ مودودی ابوالاعلی:

اسلامی تحریک میں کارکنوں کے باہمی تعلقات

(ترجمان القرآن لاہور ٥۷ جولائی ۲۲۸-۲٤۲)

سلام، ہدیہ، شکر گذاری، دعا، مصافحہ، شخصی اور ذاتی امور میں دلچسپی، ساتھ ملکر کھانا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی اسلامی

تحریک میں کارکنوں کے باہمی تعلقات کو استوار کرتی ہیں۔ مضمون کے اس قسط میں انہی چیزوں سے قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

۲۷ مودودی ابولاعلی:

کیا اقامت دین فرض عین ہے ؟

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ جولائی ۲۴۳-۲۵۱)

فقہ میں دو اصطلاحیں ہیں۔ ایک ہے فرض عین اور دوسری ہے فرض کفایہ۔ فرض عین وہ ہے جو ہر حالت میں اور ہر فردپر فرض ہو جیسے پنج وقتی نماز اور فرض کفایہ وہ ہے جو صرف مخصوص حالات میں فرض ہو اور ایک گروہ کے انجام دینے سے باقی لوگوں پر سے ساقط ہوجاتا ہو جیسے نماز جنازہ۔ بعض علما کا خیال ہے کہ اقامت دین فرض کفایہ ہے لیکن مضمون میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ فرض عین ہے۔

۲۸ مودودی ابولاعلی۔

حدیث انا مدینۃ العلم۔۔۔ کی علمی تحقیق

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ اگست)

«انا مدینۃالعلم وعلیؑ بابھا» یہ وہ الفاظ ہیں جو حدیث کے نام سے حضرت علی کی فضیلت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ مضمون میں علم حدیث کے ناقدین کی رائے پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ ساری روایتیں غیر معتبر ہیں۔

۲۹ مودودی ابو لاعلی:

رسائل ومسائل

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ ستمبر)

۱۔ صحابۂ کرام بعض اختلافات کے باوجود رحماء بینھم تھے

۲۔ کیا مشرکین کے بچے جنت میں جائیں گے

ان دو مسئلوں پر قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک بحث

۳۰ ندوی ابوالحسن:

عصر حاضر کا بنیادی مسئلہ

(الفرقان لکھنؤ ۵۷ء ستمبر ۲۴ - ۵۴)

یہ ایک عربی تقریر کا ترجمہ ھے۔ تقریر بغداد میں نوجوانوں اورطالعلموں کے اجتماع میں کی گئی تھی اور اس میں بتلایا گیا تھا کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر عصر حاضر کا بنیادی مسئلہ ایمان و اخلاق کی گتھی کو سلجھانا ھے۔

۳۱ ندوی مجیب اللہ حافظ:

کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد سے بدلا جا سکتا ہے ؟

(معارف ۵۷ء جولائی ٤-۲۳)

یہ مضمون کی دوسری قسط ہے مقالا نگار اس کے قائل نہیں ہیں کہ متفقہ اسلامی احکام

کو اجتہاد سے بدلا جاسکتا ھے ثبوت کے طور پر خلفائے راشدین کے مختلف فیصلے دئیے ہیں اور بتایا ھے کہ وہ لوگ کتاب وسنت کے ہی پیروتھے اجتہاد سے کام نہیں لیاھے الاماشاءاللہ!

٣٢ ندوی مجیب اللہ حافظ :

کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد سے بدلا جاسکتا ہے ؟

(معارف اعظم گڈھ ٥٧ اگست ٨٥-١٠٧)

متفقہ اسلامی احکام کو احتہاد سے بدلنے کے جواز میں عام طور پر لوگ حضرت عمر کے ان فیصلوں کو پیش کرتے ہیں جن کا ذکر اسلامی تاریخوں میں اولیات عمر کے نام سے ملتا ھے . مضمون میں ان اولیات کی تفصیل پیش کرکے بتایا گیا ھے کہ یہ فیصلے کتاب وسنت کے ہرگز خلاف نہ تھے بلکہ ان کے منشا کے عین مطابق تھے

٣٣ ندوی مجیب اللہ حافظ :

کیامتفقہ اسلامی احکام کو بھی اِجتہاد سے بدلا جاسکتا ہے ؟

(معارف ٥٧ ستمبر ١٧٧ ١٩٨)

٥ عنوان سوالیہ ہے اورمقالا نگار کا جواب انکاری جسکی تفصیل قسط وار چھپ رہی ہے اس قسط میں حد خمر اور نکاح بازن کتابیہ سے متعلق گفتگو ہے۔

٣٤ ندوی محمد حنیف :

تعلمیات غزالی

تلاوت و قرات قرآن کے باطنی پہلو

(ثقافت لاہور ٥٧ ، ١٣ ٢٦)

تلاوت و قرات قرآن کے باطنی پہلو کی وضاحت کی ہے

٣٥ ندوی محمد حنیف :

حسین ابن علی کا صدق وصفا

(ثقافت لاہور ٥٧ ستمبر ٣٩-٤٢)

تعلیمات نبوی اور وابستگی شریعت اسلامی نے حسین ابن علی میں صدق وصفا کے اعلی اوصاف پیدا کردئیے تھے جو انکی سیرت و کردار کا نمایاں پہلو ھے اور حزنیہ کربلا سے بخوبی واضح ہوتا ھے

٣٦ ندوی محمد حنیف :

تعلیمات غزالی

نکاح و تاہل کی ذمہ داریاں بہتر ہیں یا تجرد و یکسوئی

(ثقافت لاہور ٥٧ اگست ١٩-٣٠)

نکاح وتاہل کےجوازوعدم جوازدونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی ھے اور بتایا ھے کہ نکاح و تاہل کی ذمہ داریاں تجرد سے بہتر اور افضل ہیں

۳۷ نعمانی محمد منظور:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کے چند خاص گوشے

(الفرقان لکھنؤ ۵۷ ستمبر ۲۵-۴۰)

یہ ایک تقریر سیرت ہے، جسمیں عنوان مندرجہ کے مطابق رسول اکرم کی تعلیمات کے چند پہلوؤں سے متعلق گفتگو کی گئی ہے

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۸ اثر محمد علی خاں رامپوری:

وفا رامپوری

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷، جون)

حکیم عبدالهادی خان وفا رامپوری (پیدائش ۱۲۸۲ھ وفات ۱۳۳٤ھ) کے حالات زندگی نمونۂ کلام کے ساتھ۔

۳۹ ادارہ:

میکارتھی کی موت

(چراغ راہ کراچی ۵۷، اگست ۱۷-۲۰)

امریکہ کے سابق سینیٹ جنرل میکارتھی کے حالات اور اس کی شہرت و اقتدار پرستی کا ایک نفسیاتی تجزیہ۔

٤۰ انصاری محسن:

سجاد علی انصاری

(تعمیر انسانیت لاہور اگست ۵۷، ۷-۲٤)

سجاد علی کی زندگی کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں لیکن اتنا ضرور علم ہے کہ وہ علی گڑھ کے ایک ذہین طالب علم، خوش شمائل، خوش مذاق اور خوش باش نوجوان تھے۔ زیر نظر مضمون میں ان کے مضامین افکارات، خیالات اور ان کے فن کی توصیف و توجیہ کی گئی ہے۔

٤۱ بدر عالم:

شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری

(مقام رسالت کراچی ۵۷، ۱۰-۱٤)

امام بخاری کے حالات زندگی، اور ان کی تالیف صحیح بخاری کا تذکرہ۔

٤۲ جعفری رئیس احمد:

آغا خان

(ثقافت لاہور ۵۷، ستمبر ٤۳-٤۸)

آغا خاں کی خصوصیات اور چند اہم عملی باتیں لکھی ہیں۔

۴۳ چشتی محمد عبدالحلیم:

مولانا خرم علی بلهوری اور ان کی علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ

(معارف ۵۷ء جولائی ۵۶-۶۹)

یہ مضمون کی تیسری قسط ہے۔ اس میں مولانا کی پانچ کتابوں کا تفصیلی جائزہ درج ہے۔ مولانا نے ۱۲۷۳ھ میں انتقال کیا، قصہ آسیوں میں دفن ہیں۔

۴۴ رعیب حسن ڈاکٹر

شعر عربی کی مختصر تاریخ

(برہان دہلی ۵۷ء جولائی ۳۱-۳۶)

دور جاہلیہ کے سات شاعر، زہیر، لبید، عمرو بن کلثوم، عنترہ، حارث، نابعہ اور میمون اعشیٰ کے حالات زندگی اور ان کے کلام پر تبصرہ۔

۴۵ زور ڈاکٹر سید محی الدین قادری:

غلام محی الدین خاں متین

(حیدرآباد کا ایک شاعر اور مہندس)

(سب رس حیدرآباد دکن، جولائی اگست ۵۷ء ۹-۱۲)

نواب شمس الامراء امیر کبیر کے عہد میں بہت سے صاحبان علم و فضل ان کے ہاں جمع تھے، ان ہی میں سے غلام محی الدین خاں متین بھی ایک ہیں۔ زیر نظر مضمون میں سرسری طور پر ان کی زندگی اور شاعری پر بحث کرتے ہوئے نمونۂ کلام پیش کیا گیا ہے۔

۴۶ صدیقی رشید احمد:

آشفتہ بیانی مری

(علی گڑھ میگزین ۲ شمارہ ۵۷ء ۵۸-۷۶)

اس مضمون کا پہلا نمبر مارچ کے ایشوع میں چھپ چکا ہے، اس نمبر میں مقالہ نگار نے جامعۂ علی گڑھ کی زندگی کے بارے میں نجی احساسات و تاثرات کا مزید ذکر کیا ہے، انہیں یہاں کے کرکٹ میچ اور جنازہ کو قبرستان لے جانا بہت ہی اثر کن معلوم ہوے۔ چنانچہ ان دونوں کی نوعیت و کیفیت تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ ان کے بعد علی گڑھ یونین کا حال اور وہاں کے مقررین؛ اساتذہ، طلبا، اور مہمان کی تقریروں کی خصوصیات گناتے ہوے ان کی اہمیت محسوس کرائی ہے۔ ان کے مطالعہ سے پچھلے علی گڑھ، یونیورسٹی، اور طلبا کے کارنامون کا دلچسپ اور درس آموز حال معلوم ہوتا ہے۔

۴۷ عرش ملسیانی:

اِنشاء اللہ خان

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء جولائی ۲۷-۳۴)

انشاء اردوزبان کے ایک صاحب طرز شاعر تھے۔ انہوں نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں سے اردو شاعری کو بوقلموں رنگوں سے مزین کیا اور اپنے زمانے کے ہندوستانی تمدن کو اپنی غزلوں میں سمونے کی کوشش کی، دریائے لطافت ان کی طباعی کی ایک بہترین مثال ہے۔

۴۸ کلیم اصفہانی مترجمہ قمرامرتسری:

عبد الرحمان فرامرزی

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۷ء اگست ۳۷۔۴۰)

دور حاضر کے ایران میں عبد الرحمان فرامرزی ایک جامع کمالات شخصیت ہے۔ اس کی علمی و ادبی اور سیاسی حیثیت سارے ایران میں مسلم ہے۔

۴۹ کیانی محمد سلیم:

محمد علی جوہر پر ایک نظر

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۷ ستمبر اکتوبر ۶۳۔۸۲)

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مولانا محمد علی جوہر کا حصہ۔ ان کے کارنامے ایک سیاسی رہنما، اسلام پسند شخصیت اور ادیب و شاعر کی حیثیت سے۔

۵۰ مودودی ابوالاعلی:

خود نوشت

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۷ء ستمبر،اکتوبر ۱۰۔۲۱)

خاندان مودودیہ کا پس منظر اور ۱۹۰۳ء تا ۱۹۳۱ء مولانا مودودی کے خودنوشت حالات زندگی دلچسپ پیرایہ میں۔

۵۱ ندوی محمد حنیف:

تاثرات ۔ آغاخاں مرحوم

(ثقافت لاہور ۵۷ء اگست ۳۔۴)

آغاخاں مرحوم فرقۂ اسماعیلیہ کے رہنما، مسلمانوں کے سچے ہمدرد، ثروت مند، علم دوست، زبردست سیاست داں، مغربی ثقافت کے دلدادہ اور مشرق کی ادائے دلنواز کے رسیا تھے۔

۵۲ نذیر حسین شیخ:

استاذ کرد علی

(برہان دہلی ۵۷ء اگست ۱۱۶۔۱۲۲)

ملک شام کے ایک نامور عربی ادیب وصحافی استاذ کرد علی (پیدائش ۱۸۷۶ وفات ۱۹۵۳) کے حالات زندگی اور ان کی تصانیف کا تعارف۔

تاریخ و سیاسیات

٥٣ ا۔ا:

مارکس کا فلسفۂ معاشیات ، نئے زاویوں سے

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن جولائی ۵۷ء)

۲۶ ۲۸

کارل مارکس کے معاشی نظریات پر بحث و تمحیص، مختصراً

٥٤ ا۔ا

۱۸۵۷ء کے اہم واقعات

(ہندوستانی ادب۔ حیدرآباد دکن ۵۷ اگست)

۱۲۔۱۳

۹ مئی ۱۸۵۷ء سے ۱۸ اپریل ۱۸۵۹ء تک آزادی کی جدوجہد کے سلسلے میں جو واقعات رونما ہوئے، اس مضمون میں صرف ان کی سرخیاں پیش کی گئی ہیں

٥٥ آزاد اسرار احمد

قومی جدوجہد کے ڈھائی سو سال

۶۔۱۴

(آجکل، دہلی۔جنگ آزادی نمبر اگست ۵۷ء)

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغل سلطنت کا زوال شروع ہوا اور ملک میں طوایف الملوکی، افراتفری اور بدنظمی بڑھتی ہی گئی، اس موقعہ سے فائدہ اٹھاکر انگریزوں نے ہندوستان میں اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔ لیکن اس ماحول میں بھی ہندوستانیوں کے دلوں میں حب الوطنی کا جذبہ موجود تھا اور وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ بیرونی قوم کا ہندوستان میں اقتدار قائم ہو، نواب سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو وغیرہ جیسی وطن دوست ہستیوں کی جانبازی کے کارنامے اس کا بین ثبوت ہیں زیر نظر مضمون میں اٹھارویں صدی کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک کی جنگ آزادی کی جدوجہد کا ایک جائزہ لیا گیا ہے

٥٦ ادارہ:

کیا ہم ہمیشہ غلام رہیں گے

(چراغ راہ کراچی ۵۷ء اگست ۲۱)

اکتوبر سنہ ۱۹۵۶ء میں ہنگری کے عوام نے روسی اقتدار کے خلاف جو جنگ کی اس کا تفصیلی حال۔

٥٧ بریلوی سید مصطفی علی:

نواب خانبہادر خان شہید

(العلم کراچی ۵۷ جنگ آزادی نمبر)

نواب خانبہادر خان، والی روہیلکھنڈ حافظ رحمت خان کے پوتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے

یہ سب جج کے عہدے پر فائز تھے۔ جب تحریک آزادی سے گھبرا کر بریلی کے تمام انگریز عہدہ دار نیپال بھاگ گئے تو انھوں نے عنان حکومت سنبھالی اور ملک کو آزاد کرانے کا بیڑہ اٹھایا لیکن سنہ ۱۸۵۹ء میں کسی طرح انگریزوں کے ہتھے چڑھ گئے اور پھانسی کی سزا پائی۔

۵۸ تصدق حسین:

۱۸۵۷ء میں لکھنو پر کیا بیتی؟

(آجکل دہلی جنگ آزادی نمبر اگست ۵۷ء)

۶۴ - ۸۰

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں چربی لگے کارتوسوں کا فوجی ہنگامہ برپا ہوا اور انگریزوں کے خلاف بغاوت و سرکشی کا یہ طوفان ۲۳ جون ۱۹۵۷ء کو لکھنؤ تک پہنچ گیا زیر نظر مضمون میں تفصیل کے ساتھ ان سارے واقعات کو سلسلہ سے درج کیا گیا ہے جو ۲۳ جون ۱۸۵۷ء سے ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء تک پیش آئے تھے۔

۵۹ تصدق حسین شیخ:

حضرت محل

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء جنگ آزادی نمبر۲)

حضرت محل بیگم اور ان کے لڑکے مرزا برجیس قدر کے حالات زندگی مختصر طریقہ پر بیان کئے گئے ہیں

۶۰ جعفری رئیس احمد:

حضرت محل

(ثقافت لاہور ۵۷ء جولائی ۴۳ ۴۸)

محاصرۂ لکھنؤ کا حال بیان کرتے ہوئے ملکہ حضرت محل کے تدبر، سیاست وغیرہ کا ذکر کیا ہے

۶۱ حسن آرزو:

ہیون سانگ، جنانا پربھا اور پرجن دیو کے تین اہم خط

(آجکل دہلی ۵۷ء ستمبر ۹ - ۱۳)

ہیون سانگ (چینی عالم و سیاح) اور جنانا پربھا و پرجن دیو (ہندوستانی عالم) کے تین خط مختصر تعارف اور ان کی تاریخی وسماجی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے سنسکرت سے اردو میں پیش کیا ہے۔

۶۲ حسن محمد:

۱۸۵۷ کی ادبی اہمیت

(آجکل دہلی جنگ آزادی نمبر اگست ۵۷ء)

۱۶ - ۶۳

۱۸۵۷ء میں جو بھی واقعات رونما ہوئے آیا وہ صرف ایک فوجی بغاوت تھے یا آزادی کی جنگ؟ اس سانحہ نے ہمارے ادب کو کس حد تک اور کیسے متاثر کیا، زیر نظر مضمون میں اس سے بحث کی گئی ہے

٦٤ خلیل عبدالاحد خاں :

معرکۂ فتح پور اور ڈپٹی حکمت اللہ

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ جنگ آزادی نمبر ۲)

فتح پور الہ آباد کا ایک قصبہ ہے، سنہ ۵۷ء کے دو مہینے جون اور جولائی میں وہاں بھی معرکۂ کارزار گرم ہوا تھا جس میں مولوی حکمت اللہ پیش پیش تھے، مضمون میں اسی معرکہ کی تفصیل ہے

٦٤ راہی رحماں

جنگ آزادی اور کشمیری شاعر

(آجکل دہلی جنگ آزادی نمبر اگست ۵۷ء)

۱۰۳-۱۰۸

۱۸۵۷ء کے واقعات سے کشمیر کی شاعری کس حد تک متاثر ہوئی یہاں اس کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

٦٥ رضا جعفر :

امیر تیمور اور ابن خلدون

(چراغ راہ کراچی جولائی ۵۷ء ۱۰-۱٤)

امیر تیمور اور ابن خلدون کی ملاقات کا حال سارے تفصیلات کے ساتھ زیر نظر مضمون میں پیش کیا گیا ہے

٦٦ رضوی ایس، اے، اے

بہادر شاہ کا ایک اہم شاہی فرمان

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ جنگ آزادی نمبر ۲)

ایک اہم فرمان جس کو بہادر شاہ نے ۲۵ اگست ۵۷ کو مجاہدین آزادی کے نام جاری کیا تھا، جسمیں اس تحریک آزادی کا نصب العین اور مقاصد وغیرہ بیان کئے گئے ہیں، یہ اعلان دہلی گزٹ ۵۷ء میں شائع ہوا تھا اور بعض دوسرے پرچوں میں بھی نقل کیا گیا تھا، مضمون میں اسی فرمان کے کچھ اقتباسات ہیں۔

٦٧ ربیری محمد حسین خان :

جنگ آزادی اور سر سید

(العلم کراچی ۵۷ جنگ آزادی نمبر)

سنہ ۵۷ کے ہنگامہ میں سر سید نے مسلمانوں کی جو اہم خدمات انجام دیں ان کا تذکرہ اور ان کی کتاب اسباب بغاوت ہند کا خلاصہ

٦٨ شروانی ہارون خاں

جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء کے متعلق ایک اہم دستاویز

(آجکل، دہلی آزادی نمبر اگست ۱۹۵۷ء)

۱۱۳-۱۱٤

۱۸۵۷ کے واقعات پر انگریز حکومت نے کچھ ایسا پردہ ڈالا کہ اسکی صورت مسخ ہو کر رہ گئی اور صحیح تاریخی واقعات ہمارے سامنے نہ آسکے، زیر نظر مضمون میں اسی سے بحث کرتے ہوئے سر سید کی تصنیف اسباب بغاوت ہند کا تذکرہ کیا گیا ہے اور انکی یہ کتاب ایک حد تک کچھ تفصیلات کو ہمارے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہے۔

۶۹ شہابی مفتی انتظام اللہ:

منشی رسول بخش کاکوروی شہید

(العلم کراچی ۵۷ جنگ آزادی نمبر)

منشی رسول بخش نواب واجد علی شاہ کی فوج میں عہدہ دار تھے، نواب کی معزولی پر فوجیں ختم کی گئیں تو یہ اپنے وطن کاکوری چلے آئے، اور سنہ ۵۷ء کی جنگ آزادی سے فائدہ اٹھاکر انگریزوں کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی لیکن بعض دشمنوں کی مخبری کی وجہ سے گرفتار ہوگئے اور پھانسی کی سزا پائی

۷۰ طرزی خان محبوب:

لکھنو کی ریذیڈنسی ؛

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء جنگ آزادی نمبر ۲)

لکھنؤ کی ریذیڈنسی ایک شاندار عمارت ہے جسے نواب سعادت علی نے سنہ ۱۸۰۰ء میں انگریز ریذیڈنٹ کے لئے تعمیر کرایا تھا مضمون میں اسی ریذیڈنسی اور اس سے ملحقہ عمارتوں اور مورچوں کی تفصیل ہے

۷۱ عبدالمتین عارف:

آزادئ خیال

(ادب لطیف لاہور جولائی ۵۷ء ۱۶ـ۲۰)

نظام زندگی میں فرد کی اہمیت اٹل اور مسلم ہے فرد اور ریاست دونوں لازم اور ملزوم ہیں تاریخ شاہد ہے کہ فرد کی زندگی سے ایک نظام کی ایک معاشرہ کی اور ایک ریاست کی زندگی کو اس کے اتحاد عمل ارر تعلقات محکم کی وجہ سے بڑی تقویت پہنچتی ہے،

اسکے بعد مضمون نگار نے آزادی اور اس کے لغوی معنی سے بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ فرد کی آزادئ خیال کے تحفظ ہی سے ہمارے معاشرہ وسماج میں یکجہتی کی صورت پیدا ہوسکتی ہے

۷۲ غلام ربانی:

کتبات اور شاعری

(صبا حیدرآباد ۵۷ جلد ۳ شمارہ ۶ـ۷)

کتبوں کی تاریخی و علمی اہمیت بیان کرنے کے بعد ہندوستان کی متعدد تاریخی عمارتوں اور مقبروں کے کتبات پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

۷۸ فاروقی ضیاءالحسن:

انیسویں صدی کے نصف اول کی دہلی کی ایک جھلک

(صبا حیدرآباد ۵۷ جلد ۳ شمارہ ۸ـ۹)

جامعہ ملیہ دہلی میں یوم مومن کے موقع پر مضمون نگار نے یہ مضمون پڑھا تھا اس میں مومن اور مومن کے زمانہ کی دہلی کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔

۷٤ فاروقی نثار احمد:

جنرل بخت خان

(آج کل دہلی جنگ آزادی نمبر اگست ۵۷ء ۹۷-۱۰۲)

سنہ ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے اس جانباز مجاہد کے کارناموں کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ۔

۷۵ فرقت غلام احمد

خاندانِ بہادر شاہ کی تباہی

(آج کل دہلی (جنگ آزادی نمبر اگست ۵۷ء ۱۱٦-۱۲۲)

سنہ ۱۸۵۷ع کے واقعات کے پس منظر میں بہادر شاہ ظفر اور ان کے خاندان کی تباہی و بربادی کی تفصیل۔

۷٦ قادری محمد ایوب

مولانا کافی شہید

(العلم کراچی ۵۷ جنگ آزادی نمبر)

کفایت علی کافی کا تعلق مرادآباد کے خاندان سادات سے تھا ادب اور علم حدیث سے بڑا شغف رکھتے تھے، جب سنہ ۵۷ء کی جنگ آزادی میں مرادآباد میں انگریزوں کی جگہ قومی حکومت قائم ہوئی تو یہ وہاں کے صدر شریعت بنائے گئے۔ اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا سنہ ۵۸ء میں انگریزوں نے انہیں گرفتار کرکے پھانسی دیدی۔ صاحب تصنیف اور اچھے شاعر تھے۔

۷۷ قومی آواز:

سنہ ۱۸۵۷ع کا ایک شہید

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ جنگ آزادی نمبر)

نبی بخش خاں کی شہادت کا بیان۔ نبی بخش خاں بھٹوا مئو کے رہنے والے تھے، محمد علی شاہ کے زمانہ سے ہی وہ شاہی ملازم تھے۔ جب ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کی آگ بھڑکی تو انہوں نے بھی حضرت محل کے ایما پر انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ اور سخت مقاومت کے بعد شہید ہوگئے۔

۷۸ محمد باقر ڈاکٹر:

ملّی ضروریات اور ملّی زبان

(ماہِ نو کراچی جولائی ۱۹۵۷ء ۱۳-۱۵)

اردو زبان کو ایک ممتاز درجہ عطا کرنے اور اس کو اس کا مقام دلانے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے قبل خود اس زبان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ ہماری تمام ملی ضروریات کی تکمیل کر سکے، مختلف مثالیں دیتے ہوئے مضمون نگار نے اردو زبان کو عصری ضروریات کی حامل بنانے کے لیئے چند تجاویز بھی پیش کی ہیں۔

۷۹ مرزا آغا حیدر حسن.

۱۸۵۷ء کی کہانی
بڑے بوڑھوں کی زبانی

(آج کل دہلی (جنگ آزادی نمبر) اگست ۵۷ء
۴۹-۵۵

نواب حیدری بیگم زوجہ نواب احمد حسین خان المعروف بہ نواب موسیٰ خان المخاطب مظفرالدولہ، کی زبانی سنہ ۱۸۵۷ع کے ہنگامی حالات کی تفصیل جو خود ان کی آپ بیتی ہے۔

۸۰ مشیرالحق خیرآبادی:

۱۸۵۷میں دلی کا کورٹ ایڈمنسٹریشن

(آجکل دہلی، جنگ آزادی نمبر، اگست ۵۷ء
(۴۱-۴۴)

دہلی میں انقلابیوں کے آجانے سے شہر ایک افراتفری کا مرکز بن گیا اور انقلاب کے نام پر لوٹ مار عام ہوگئی۔ بہادر شاہ ظفر نے ان باتوں پر غور کیا لیکن ان کو کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا تھا جس پر پورا اعتبار کیا جاسکے، آخر ان کی نظریں جنرل بخت خان پر پڑیں۔ شہر میں قیام امن کی ذمہ‌داری بخت خان کو سونپ دی گئی اور امن و امان کی بحالی میں مزید سہولت کے لئے عام شہریوں اور فوجیوں کی ملی جلی ایک مجلس بھی قائم کی گئی مجلس کا دستور اس مضمون میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں بعض خطوط کے اقتباسات بھی درج کئے گئے ہیں۔ یہ خطوط بہادر شاہ ظفر نے بطور فرمان عمران کورٹ کے نام تحریر کئے تھے۔ ان خطوط سے اس بات کا ایک حد تک اندازہ ہوسکتا ہے کہ کورٹ ایڈمنسٹریشن نے کس حد تک اپنے فرائض انجام دئے ہوں گے۔

۸۱ ممتاز حسن:

جنرل بخت خان اعظم

(العلم کراچی ۵۷ جنگ آزادی نمبر)

جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء میں جن اولوالعزم رہنماؤں نے جان کی بازی لگا کر کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔ ان میں جنرل بخت خان کی شخصیت بہت ممتاز ہے۔ مضمون میں اسی عظیم المرتبت قومی ہیرو کے حالات زندگی اور تحریک آزادی کے سلسلے میں اس کے کارناموں کو پیش کیا گیا ہے۔

۸۲ مہر غلام رسول:

۱۸۵۷ء۔ متفرقات

(آجکل دہلی، ۵۷ء ستمبر ۴-۷)

بمبئی کے قدیم اخبار «کشف الاخبار»

سے ۱۸۵۷ء کے واقعات سے متعلق ضروری اور اہم اقتباسات درج کئے ہیں جو اس اخبار کی ساتویں، آٹھویں، اور نویں جلد (مئی ۱۸۶۱ء۔ مارچ ۱۸۶٤ء) میں ملتے ہیں یہ اخبار غالباً ۱۸۵۵ء میں نکلا تھا۔ اس کے ایڈیٹر منشی امان علی لکھنوی تھے۔

۸۳ میچل صاحب

سرگذشت محمد علی خان بریلوی عرف جیمی گرین

(العلم کراچی ۵۷ء جنگ آزادی نمبر)

محمد علی خاں بریلوی کی کہانی خود ان کی زبانی، مرتبہ مورس میچل، مترجمہ منشی محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی۔

محمد علی خاں، نواب نجیب الدولہ کے پوتے تھے، ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں جاسوسی کرتے ہوئے انگریزوں کے ہاتھوں میں پڑ گئے اور پھانسی کی سزا پائی۔

۸٤ نارنگ گوپی چند:

۱۸۵۷ء

(صبا حیدر آباد جلد ۳۔ شمارہ ۸۔۹)

سنہ ۸۵۷ء کے واقعات پر تاریخ و سیاست کی روشنی میں ایک بحث۔

۸۵ ندوی ابوالحسن علی:

مجاہدین ہند

(العلم کراچی ۵۷ جنگ آزادی نمبر)

جنگ آزادی کے دو مجاہد مولوی جعفر تھانیسری اور مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی کے تفصیلی حالات۔

۸٦ نقوی سجی حسن:

جنگ آزادی کے دو گمنام سپاہی

سید شبیر علی اور سید گلزار علی

(آجکل دہلی جنگ آزادی نمبر اگست ۱۹۵۷ء ۱۲۳۔۱۳۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ جس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی تھی، نہ صرف اس کی حیثیت اجتماعی تھی بلکہ انفرادی حیثیت سے بھی ہر شخص اس جنگ کا ایک مجاہد سے پر آمادہ تھا۔ سید شبیر علی اور گلزار علی بھی ان ہی شخصیتوں میں سے تھے۔ امروہہ میں ان کی مجاہدانہ کارروائیوں کا یہاں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

۸۷ نورالحسن ہاشمی ڈاکٹر:

جنگ آزادی کے چشم دید واقعات

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء آزادی نمبر ۲ ۱۷۳۔۱۷۸)

مدیر فروغ اردو لکھنو، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کے دادا مولوی سید مظہر علی سندیلوی نے اپنی ایک سوانحعمری سنہ ۱۷۹٤ء میں کوئن پریس

سندیلہ سے چھپوائی تھی، مضمون میں اسی سوانحعمری کے وہ مقامات درج کئے گئے ہیں جو غدر کے حالات سے تعلق رکھتے تھے۔

۸۸ نوراسی سید امیر حسن:

تاریخ جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء حصہ دوم

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء جنگ آزادی نمبر ۲)

سنہ ۱۸۵۷ء کی ہندوستان گیر تحریک انقلاب کی مستند تاریخ اور رہنماؤں کے ولولہ انگیز حالات۔

۸۹ ہاشمی نصیر الدین۔

۱۸۵۷ء اور حیدرآباد

(صبا حیدرآباد ۵۷ء جلد ۳ شمارہ ۹_۸)

ان واقعات کا خلاصہ جو سنہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں حیدرآباد میں پیش آئے۔

۹۰ ہاشمی نصیر الدین:

۱۸۵۷ء میں حیدرآباد کی ریذیڈنسی پر حملہ

(آجکل دہلی ۵۷ء ستمبر ۱۶_۲۳)

۱۸۵۷ء میں حیدرآباد کی ریذیڈنسی پر حملے سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔

۹۱ ہاشمی نصیر الدین:

جنگ آزادی میں حیدرآباد کی جد و جہد

(ساقی کراچی ستمبر ۵۷ء ۲۱_۲٤)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حیدرآباد نے جو حصہ لیا یہاں مختصراً اس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

تنقید۔ ادب۔ لسانیات

۹۲ آل احمد سرور:

میر کے مطالعہ کی اہمیت

(علی گڑھ میگزین شمارہ ۲، ۵۷ء ۵_۲۰)

یہ مقالہ در اصل آل احمد سرور کی کتاب "میر کا مطالعہ" کی تمہید ہے۔ اس میں میر کے فن کے مختلف پہلوؤں کی طرف وضاحتی اشارے کئے گئے ہیں۔

۹۳ ابن فرید:

چند بہترین افسانے

(تعمیر انسانیت ۵۷ اپریل و مئی ۳٤ _ ٦۳)

اسلامی ادب کے حامی چند افسانہ نگاروں کے چند "اچھے" افسانوں پر تنقید و تبصرہ

پیش کیا ہے۔

۹۴ ادارہ:

ضمیمے۔ اورینٹل کالج کی رپورٹ

بابت ۵۷-۱۹۵۶ء (اورینٹل کالج میگزین ۵۷ء اگست ۱۵ - ۴۵)

اس کے تحت کالج کے اساتذہ کی فہرست اُن کے کارنامے۔ طلبا کی تحقیقی کاوشیں، اور کالج کی مختلف کارروائیوں کے ساتھ اس کی انجمنوں کی کارگزاریاں درج ہیں۔

۹۵ اڈیٹر.

معین الجراحین

(اردو کراچی ۵۷ اپریل وجولائی ۱۳۸ - ۱۴۸)

ڈاکٹر ورڈرک جان مویٹ نے منشی نصیر الدین احمد کی اعانت اور گرانٹ کی نقش طرازیوں سے جراحی پر ایک کتاب مرتب اور ترجمہ کرکے بشپ کالج (کلکتہ) کے پریس سے ۱۸۴۶ء میں چھپوائی تھی۔ اس کا سر ورق اور نمونۂ اردو وغیرہ کے لئے اقتباسات درج کیے ہیں۔

۹۶ اشک احسن احمد

وحشت کے چند سیاسی اشعار

(مہر نیم روز کراچی ۵۷، ستمبر ۳۳)

مضمون کے بیشتر سیاسی اشعار تقسیم ہند سے پہلے کے ہیں۔ انہیں یہ کہہ کر پیش کیا ہے کہ آنے والے حالات کا تحت الشعوری طور پر انھیں اندازہ تھا۔ تاہم کچھ شعر تقسیم کے بعد کے بھی درج ہیں۔ اشعار کے ساتھ توضیحی نثر بھی ملتی ہے۔

۹۷ اصلاحی ضیاء الدین:

تفسیر کبیر اور اُس کے تکملہ کے متعلق

(معارف ۵۷ ستمبر ۲۱۶ - ۲۳۲)

مقالہ کی یہ دوسری قسط ہے۔

۹۸ افسر ماہپوری:

اُس کی یادوں میں گلوں کی خوشبو

(مہر نیم روز کراچی ۵۷ ستمبر ۵۷ - ۶۱)

علامہ وحشت کلکتوی کی نجی زندگی، مزاج اور طبیعت کی چند خصوصیات بیان کی ہیں۔

۹۹ اقبال سلمان محمد:

الفاظ اور طرز معاشرت

(ماہ نو کراچی ۵۷ اگست ۱۶ - ۱۷، ۵۶)

الفاظ خیالات کے اظہار کا ذریعہ بھی ہیں۔ ماضی کے آئینہ بردار بھی۔ اور یوں ہماری ثقافتی اور معاشرتی زندگی کے نقاب کشا بھی ہیں۔ الفاظ کا مطالعہ تاریخ کا قائم مقام بھی ہے۔ اور اس سے بلند بھی کیوں کہ تاریخ کسی امر کو چھوڑ دے، تو چھوڑ دے،

الفاظ اسے کبھی نظرانداز نہیں کرتے۔

۱۰۰ اقبال سلمان محمد : اماله
ندوی محمد جعفر : تعاقب براماله
(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۷ اگست ۴۱ و ۴۶
۴۶ و ۵۲)

فیض الاسلام کی اشاعت بابت اپریل ۵۶ء میں محمد جعفر شاہ ندوی پھلواری کا ایک مضمون " اماله " کے عنوان سے چھپا تھا۔ اس مقاله کے بعض مندرجات سے محمد اقبال سلمان نے اپنے مضمون " اماله" میں اختلاف کیا ہے۔ " تعاقب براماله " میں محمد اقبال سلمان کے اعتراضات کا جواب اور اپنی باتوں کی توجیہیں بیان کی ہیں۔

۱۰۱ اقبال معظم:

دیوان وحشت سے ترانۂ وحشت تک

(مہرنیمروز کراچی ۵۷ء ستمبر ۲۲-۳۲)

وحشت کا پہلا مجموعۂ کلام "دیوان وحشت" کے نام سے ۱۹۱۰ء میں اور دوسرا "ترانۂ وحشت" کے نام سے ۱۹۵۳ء میں چھپا۔ ترانۂ وحشت کے ساتھ ناشر نے دیوان وحشت کو بھی شائع کیا ہے۔ اس سے وحشت کے ناقدین نے ان کے بارے میں غلط رایوں کا اظہار کیا اور ان کی شاعری کی اہمیت و وقعت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے۔ حالانکہ بات محض اتنی ہے کہ وحشت نے ابتداء اساتذۂ دہلی خصوصاً غالب کی تقلید کی۔ اور ذوق شعری کی بلندی مشق سخن کی پختگی کے ساتھ تقلید سے ہٹ کر خود متقدم کی حیثیت اختیار کرلی اور آخری دور شاعری میں ایک ایسے قدیم صاحب طرز کی حیثیت حاصل کرلی جو اپنی غزل میں تغزل کے قدیم وجدید تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا ہے۔

۱۰۲ اکبر شاد صفی وغیرہ:

مشاہیر کی منظوم تنقید

(مہر نیم روز کراچی ۵۷ ستمبر ۱۵-۱۷)

دیوان وحشت سے معلق اکبراله آبادی، شاد عظیم آبادی، عزیز لکھنوی، حسرت موہانی،اور ناطق لکھنوی کی منظوم رائیں درج ہیں۔

۱۰۳ انصاری پروفیسر یوسف جمال:

کچھ ڈرامے کے متعلق

(ادب لطیف لاہور ۵۷ء ستمبر ۴-۱۱)

ڈرامے میں ابتداء سے لےکر اب تک وقتاً فوقتاً ظاہری و معنوی اعتبار سے جو کچھ بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں اس پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد موجودہ دور کے یک بابی ڈرامہ کی خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۱۰۴ ایک طالب علم:

فہرست توضیحی مخطوطات اردو کتب خانہ نواب سالار جنگ پر سرسری نظر

(اردو کراچی ۵۷ء اپریل، جولائی ۲۲۶-۲۵۷)

نصیرالدین ہاشمی نے کتب خانہ نواب سالار جنگ کے مخطوطات کی توضیحی فہرست مرتب کی جو شائع ہوگئی ہے۔ اس کی خامیوں اور کمزوریوں پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۰۵ ساید بن ضیاء احمد:

مثنویات مومن

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء جون)

مومن کی سماجی اور مذہبی سرگرمیاں بیان کرنے کے بعد ان کی مثنویوں سے مفصل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ ان کی ان مثنویوں کی تعداد دس ہے، جن میں چھ عشقیہ ہیں اور چار حمد و نعت اور مناجات و جہاد سے تعلق رکھتی ہیں۔

۱۰۶ بیخود عاشر علی خاں

حضرت وحشت اور ان کے معاصرین

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء ستمبر ۷۰-۷۲)

وحشت کے تعلقات ان کے معاصرین سے اچھے تھے۔ ان کے معاصرین نے ان کے متعلق اچھے احساسات اور جذبات کا اظہار کیا ہے۔

۱۰۷ پانڈے وشومبھر ناتھ:

نظموں اور چھندوں میں اٹھارہ سو ستاون

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن اگست ۵۷ء ۱۸-۳۰)

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم کارنامہ ہے، اس سانحہ سے ہمارے شعراء نے جو تاثر قبول کیا اور اس بارے میں جو کچھ کہ لکھا، یہاں پر ان کے کلام کے چند نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ ان اردو شعراء میں جن کا کلام یہاں مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے قابل ذکر بہادر شاہ ظفر، غالب، حالی اور داغ ہیں۔ اور ہندی شعراء میں قابل ذکر دلارے، بجرنگ حوالا رائے، کوی بھوں، پراگ، شکھاوت، شریمتی سبھدرا کماری چوہان، آووا ٹھاکر اور پرتاپ نارائن مشر وغیرہ ہیں۔

۱۰۸ پیام شاہجہانپوری:

سرسید کی تحریک اور مسدس حالی

(ساقی کراچی، جولائی ۵۷ء ۵۷-۶۴)

ہندوستان کی زبوں حالی اور ۱۸۵۷ء کی بربادی کے بعد قوم میں جو جمود پیدا ہوگیا

تھا، اور اس وقت قوم کی بیداری کے لئے حالی نے جو نغمے سنائے اور سرسید نے جو تحریکیں چلائیں، یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کو ہندوستانی قوم فراموش نہیں کرسکتی۔ زیر نظر مضمون میں سرسید کی قومی بیداری کی تحریکوں سے حالی کی شاعری کا جو تعلق تھا اس سے بحث کی گئی ہے۔

۱۰۹ تمنا عمادی:

وحشت مرحوم اور ان کی مہارت فن

(مہر نیمروز کراچی، ۵۷ء ستمبر ۱۸۔۲۱)

وحشت کی علم دوستی کے ذکر کے ساتھ مختلف مثالوں سے وحشت کا ماہر فن ہونا دکھایا ہے۔

۱۱۰ جائسی کبیر احمد:

سہیل کا سیاسی تغزل

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۷ء ستمبر اکتوبر ۲۵۔۴۷)

غزلیات کا پس منظر اور مولانا اقبال احمد خان سہیل کی سیاسی غزلیات کا تفصیلی جائزہ۔

۱۱۱ حالی:

مولانا حالی کے دو غیر مطبوعہ خط

(مہر نیمروز کراچی، ۵۷ء اپریل۔جولائی ۱۸۳۔۱۸۵)

نواب ابوالنصیر سید علی حسن مرحوم کے نام مولانا حالی کے دو خط شائع کئے ہیں، ایک میں حالی کی حیات جاوید اور دوسرے میں نواب سید علی حسن کی فطرۃ الاسلام کا ذکر ہے۔ پہلا خط ۱۶ مارچ ۱۸۵۷ء اور دوسرا ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۰ء کا لکھا ہوا ہے۔

۱۱۲ حالی شبلی وغیرہ:

مشاہیر کی نثری تنقید

(مہر نیمروز ۵۷ء ستمبر ۱۲۔۱۴)

کلام وحشت پر حالی، شبلی، اقبال، نظم طباطبائی، صفی لکھنوی، عبدالحلیم شرر، امداد امام اثر، شوق قدوائی، حسرت موہانی، ظفر علی خاں اور محشر لکھنوی کی رائیں درج کی ہیں۔

۱۱۳ حنیف نقوی:

نسیم اور ان کی مثنوی

(شاعر بمبئی ۵۷ء اگست ۱۳۔۲۱)

عربی، فارسی اور اردو مثنویوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد دیا شنکر نسیم کی مثنوی گلزار نسیم سے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

۱۱۴ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر:

رومی کی چند تشبیہات

(ثقافت لاہور ۵۷ء اگست ۷۔۱۸)

اس مقالہ کی یہ دوسری قسط ہے، اس

میں چند مزید تشبیہات کے حسن اور مواد پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۵ خواجہ اختر عباداللہ:

عربی مبین

(مہر نیمروز کراچی، ۵۷ء جولائی اگست ۲۳۔۳۱)

عربی زبان کی فوقیت واہمیت اور ایران کی عربی دشمنی کے تفصیلی تذکرہ کے ساتھ بتایا ہے کہ نماز وغیرہ کو عربی ہی میں ادا کرنا چاہئے۔

۱۱۶ درد محمد رشید گورکھپوری.

اکبر اپنے خطوط کے آئینہ میں

(شاعر بمبئی ۵۷ء اگست ۲۶۔۳۱)

اکبر کے خطوط کو ان کی شاعری کی طرح تین ادوار میں تقسیم کرکے بتایا ہے کہ وہ اپنے خطوط میں ایک زاہد خشک، ڈرپوک اور علام فطرت نظر آتے ہیں اور ان سے اکبر کی علامانہ ذہنیت بھی مترشح ہوتی ہے۔ لیکن ان کی زبان سادہ، سلیس اور پُراثر ہے۔

۱۱۷ رشید حسن:

ایطا کے بعض متعلقات

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء جون)

حبیب احمد صدیقی کا ایک مضمون «ایطا» کے نام سے مارچ سنہ ۵۷ء کے اردو ادب میں شائع ہوا تھا۔ اس میں صدیقی صاحب سے کچھ فروگذاشتیں ہوئی ہیں ۔ مضمون میں انہی فروگذاشتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۱۱۸ رضوی میر محمد علی:

اقبال اور اسلام

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن جولائی ۵۷ء ۱۲۔۱۳)

علامہ اقبال کی شاعری کے مذہبی پہلو سے بحث کرتے ہوئے چند مذہبی اشعار مثال کے طور پر پیش کئے گئے ہیں اور مضمون نگار کو اقبال کے صرف مذہبی شاعر ہونے سے اختلاف ہے۔

۱۱۹ زعیب حسن ڈاکٹر:

شعر عربی کی مختصر تاریخ ۔۳

(برہان دہلی ۵۷ء اگست ۸۲۔۱۰۴)

دور جاہلیہ کے سولہ شاعر، عبید علقمہ، علقمہ، مہلہل، تابط شرا، شنفری، منخل، مرقش جریر، ابوکبیر ہذلی، امیہ، بـرّاق، حاتم طائی، ابوزبید، سموئل، عدی، ربیع اور بعض شاعر عورتوں کے حالات زندگی اور ان کے کلام پر تبصرہ۔

۱۲۰ رفیق سعید احمد:

فن اور اس کی اہمیت

(ادب لطیف لاہور جولائی ۵۷ء ۴-۱۵)

ابتداء میں فن کی تعریف پیش کرتے ہوئے مضمون نگار نے اس کی دو قسمیں قرار دی ہیں (۱) فن مفید (۲) فن لطیف، فن مفید کا بنیادی مقصد اس کی افادیت ہے، لیکن اس کے بر عکس فن لطیف کا اصل مقصد افادیت کے علاوہ تخلیق حسن اور اس سے حظ اٹھانا بھی ہے۔ آگے چل کر مختلف مفکرین نے فنون لطیفہ کی جو مختلف تعریفیں بیان کی ہیں ان کو پیش کرتے ہوئے فن کا محرک کیا ہے اس پر بحث کی گئی ہے اور فنون لطیفہ کی اقسام اور ان کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۲۱ سبحانی شبنم:

ادیب اور سماج کی تعمیر

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۷ء اپریل و مئی ۷۷-۸۶)

مقالہ نگار نے وضاحت سے بتلایا ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات کو عملی اور فکری طور پر تسلیم کرلینے کے بعد ہی ادیب سماج کے لئے حقیقی، غایتی اور افادی ادب پیش کرسکتا ہے جو ایک مستحکم اور کامیاب سماج کی تعمیر کا آلۂ کار بنتا ہے۔

۱۲۲ سحر ابو محمد:

اردو میں قصیدہ نگاری کا آغاز و ارتقا

(اردو کراچی ۵۷ء اپریل-جولائی ۱۹۶-۲۲۵)

اردو قصیدہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ابتدائے اردو شاعری سے لے کر سودا اور اس کے معاصرین تک کی اردو قصیدہ نگاری پر تبصرہ کیا ہے۔

۱۲۳ سر سید احمد:

سر سید کے چند غیر مطبوعہ خط

(اردو کراچی ۵۷ء اپریل-جولائی ۱۲۵-۱۳۷)

نواب صدیق حسن خاں کے پوتے نواب شمس الحسن نے اپنے باپ علی حسن خاں کے نام لکھے ہوئے سر سید کے چودہ خط ایڈیٹر رسالہ اردو کراچی کو دیئے جو یہاں درج ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید کو کالج کے کام میں کتنا اِنہماک تھا اور وہ کس کس طرح اپنی قوم کے صاحب ثروت اصحاب کو عجز و الحاح کے خط لکھتے تھے۔ یہ خط ۲۰ نومبر ۱۸۹۰ء تا ۱۴ جولائی ۱۸۹۷ء کے درمیان لکھے گئے تھے۔

۱۲۴ سعد حکیم سید سعید احمد:

معشّر

(آجکل دہلی ۵۷ء ستمبر ۱۴-۱۵)

ایک تاریخی قصہ ــــ جنگؔ و صلحؔ نادر شاہ

و محمد شاہ — کو حافظ کی معروف غزل :
اگر آں ترک شیرازی . . . سمرقند و بخارا را
— پر ایک تضمین بصورت مسدّس درج ہے۔

۱۲۵ سید منیر:

حیات وحشت

(مہر نیمروز ۵۷ ستمبر ۷۔۱۱۔۳۶)

رضا علی نام، وحشت تخلص تھا۔ آبا واجداد دلّی سے بنگلی واپس آئے وحشت ۱۸۸۱ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ انٹرس تک تعلیم حاصل کی۔ فارسی و انگریزی ادب کا بچپن سے ہی پورے شغف کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے۔ شعروادب سے دلی لگاؤ تھا شعر گوئی میں شمس ابن عبد الغفور نساخ کے شاگرد تھے۔ غالب کے رنگ کلام سے بیحد متاثر تھے۔ اور اس کی تقلید محریہ کرتے تھے۔ پہلا مجموعہ ۱۹۱۰ء میں چھپا تھا۔ اس نے ہندوستان میں شہرت پائی۔ ہندوستان کی جلیل القدر ادبی ہستیاں کمال و شعر وحشت کی قائل تھیں۔ روز مرہ کی زندگی میں بھی وحشت بلند اخلاقی معیار کے مالک تھے۔ ۱۹۵٦ء میں مشرقی پاکستان میں انتقال کیا۔

۱۲٦ سعید الحق:

کچھ علامہ سید سلیمان ندوی

کے متعلق

(معارف ۵۷ ستمبر ۱٦۵۔۱۷٦)

مولانا سلیمان ندوی سے مقالہ نگار کے تعلقات عزیزانہ تھے۔ چنانچہ اپنی معلومات کے ساتھ تعلقات کی روشنی میں مولانا کے متعلق کچھ باتیں لکھی ہیں جو ان کے سوانح نگار کے لئے مفید ہیں۔

۱۲۷ سلامت اللہ خاں:

کیا میر قنوطی تھے ؟

(علیگڈھ میگزین شمارہ ۲، ۵۷ء ص ۵۰ ۵۷)

دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قنوطی نہیں تھے۔

۱۲۸ سلام سندیلوی:

رباعیات حضرت امجد حیدرآبادی

(سب رس حیدرآباد دکن ستمبر و اکتوبر ۵۷ء ۱۵۔۲۷)

حضرت امجد حیدرآبادی کی رباعی گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کو اردو کا زندہ سرمد قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی چند عارفانہ، عاشقانہ، مذہبی، فلسفیانہ اور اخلاقی رباعیوں کو پیش کیا ہے۔

۱۲۹ سہاروی اسرار احمد:

قدیم و جدید فارسی ادب

(تعمیرانسانیت لاہور جون و جولائی ۵۷ء ۶۔۱۶)

فارسی قدیم و جدید میں بلحاظ مطالب و عبارت فرق ظاہر کرتے ہوئے تے ادب کے اجزائے ترکیبی اور اقدار سے مختلف مثالوں کے ساتھ بحث کی ہے۔

۱۳۰ سید عبداللہ:

میر کا ایک نقاد ــــ محمد حسین آزاد

(ادب لطیف۔لاہور جون ۱۹۵۷ء ۴۔۱۷)

مضمون نگار کو بعض تاریخی واقعات میں میر اور ان کے کلام پر تنقید کے سلسلے مٰیں آزاد سے اتفاق نہیں ہے، اسی بات پر مختلف مثالوں سے بحث کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

۱۳۱ سید عبداللہ ڈاکٹر:

کلام میر میں فکر و نظر کا عنصر

(علی گڑھ میگزین ۵۷ء شمارہ ۲ص ۲۱۔۴۹)

میر کے ذہنی عمل کی مختلف صورتوں کا جائزہ لیا ہے اور جس حد تک اور جس قسم کا فکری عنصر ان کے کلام میں ملتا ہے اس کی کمیت اور کیفیت کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۱۳۲ شادانی عندلیب:

تأثرات

(مہر نیم روز کراچی ۵۷ءستمبر ۴۸۔۵۲)

وحشت کلکتوی سے متعلق اپنے تاثرات کا ذکر کیا ہے۔یہ تاثرات وحشت کی علمی، ادبی اور شعر گوئی کی زندگی کے ساتھ روزمرہ کی زندگی کو بھی محیط ہیں۔ہر لحاظ سے وحشت کی عظمت و کمال کا نمایاں پہلو محسوس کیا اور کرایا ہے۔

۱۳۳ شرف،شرف الحسینی:

چراغ انجمن

(مہر نیم روز کراچی ۵۷ء ستمبر ۴۶۔۴۷)

وحشت (رضا علی) سے اپنے تعلقات کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ وہ گویا ان کی انجمن کے چراغ کی حیثیت رکھتے تھے۔

۱۳۴ شوکت سبزواری:

اردو شاعری میں ہیئت کے تجربے

(اردو کراچی ۵۷ء اپریل۔جولائی ۱۴۹۔۱۷۱)

ہیئت سے متعلق گفتگو کرنے کے بعد شروع سے لے کر اب تک اردو شاعری میں جو ہیئت کے تجربے ہوئے ہیں ان کے مالہ و ماعلیہ کی تفصیل بیان کی ہے۔

۱۳۵ شہاب جعفری:

اُردو ادب میں قومی رجحانات

(علی گڑھ میگزین شمارہ ۲ ۵۷ء ۱۱۱-۱۲۳)

اردو میں قومی رحجانات نثر و نظم دونوں میں ابتداء سے ہی ملتے ہیں۔ مغلوں سے قبل، مغلوں کے زمانے میں اور پھر انگریزی تسلط کے بعد مختلف رنگ روپ میں قومی رحجان جاری و ساری رہا۔ اس قسط میں مغلوں سے قبل کے دور کی ہندوی کا تفصیل سے ذکر ہے (باقی)۔

۱۳۶ صدیقی آفتاب احمد ڈاکٹر

وحشت مرحوم

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء ۵٤-۵٦)

وحشت کی انسانیت کے گوناگوں پہلو پیش کئے ہیں۔

۱۳۷ صدیقی حمیداللہ:

م۔ نسیم
(ایک اسلام پسند افسانہ نگار)

(چراغ راہ کراچی ستمبر ۵۷ء ۳۱-۳۷)

ایک کامیاب افسانہ نگار کی حیثیت سے م۔نسیم کے فن کا تجزیہ اور توصیف۔

۱۳۸ صدیقی محمد حامد:

اُردو ہندوستان سے باہر

(سب رس حیدرآباد دکن ستمبر و اکتوبر ۵۷ء ۲۸-۳۳)

مضمون نگار نے سعودی عرب، سوڈان، عدن اور دیگر چند عربی ممالک کے سفر کے دوران میں تکمیل کار کی حد تک اُردو زبان سے کام لیا ہے جس سے اُردو زبان کی ہندوستان سے باہر کے ممالک میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۳۹ طرزی سید محمود:

حضرت علامہ خان بہادر رضا علی وحشت کلکتوی

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء ستمبر ۷۵-۷۷)

مولانا کی تحقیق، فراخ دلی، پابندیٔ وقت اور احباب نوازی کا ذکر کیا ہے۔

۱۴۰ عبدالمغنی:

اقبال اور شخصیتیں

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء جون)

اقبال نے اپنے اشعار میں وقتاً فوقتاً مختلف شخصیتوں کو مثبت اور منفی طور پر پیش کیا ہے۔ جیسے: رومی، نطشہ، جمال الدین افغانی، محمد علی باب، مصطفےٰ کمال، اور غلام قادر وغیرہ۔ مضمون میں بتایا گیا ہے کہ ان شخصیتوں کا فکری و جذباتی تعلق اقبال

کے کلام اور نصب العین سے کیا ہے؟

۱۴۱ عبدالودود قاضی:

متفرقات

(آجکل، دہلی جنگ آزادی نمبر اگست ۵۷ء ۹۲-۹۶)

جناب رئیس احمد جعفری کی کتاب «بہادر شاہ اور ان کا عہد» پر ایک تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مضمون نگار نے اس کتاب میں جہاں جہاں سے مواد جعفری صاحب نے حاصل کیا ہے ان کے حوالے دیئے ہیں۔

۱۴۲ غلام السیدین خواجہ:

زبان کا مسئلہ

(صبا حیدرآباد ۵۷ جلد ۳ شمارہ ۶-۷)

زبان کے مسئلہ پر ہندی پرچار سبھا حیدرآباد کے نام خواجہ صاحب کا پیغام۔

«انگریزوں نے دلوں میں فرق ڈالنے کے لئے جہاں اور بہت سی تدبیریں اختیار کیں وہاں اردو اور ہندی کے فرق کو بھی چمکایا اور بڑھایا ورنہ حقیقت میں ملک کی تمام زبانوں میں کوئی زبان بھی ہندی کے اس درجہ قریب نہیں جتنی اردو، دونوں زبانوں میں ساٹھ فیصدی سے زیادہ لفظ ایک ہیں، فرق صرف اسمائے صفات کا ہے۔ لہذا اردو ہندی کا بیر عقل کی دشمنی ہے۔»

۱۴۳ غوری شبیر احمد خان:

یونانی منطق کے قدیم عربی تراجم

(معارف ۵۷ جولائی ۳۷-۵۵)

۴۔ یہ مضمون کی چوتھی قسط ہے۔ اس میں ابو نوح کاتب نصرانی اور سلمہ صاحب بیت الحکمۃ کا ذکر ملتا ہے۔

۱۴۴ فائق کلب علی خاں رامپوری:

«دلی کا دبستان شاعری» پر ریویو

(اورینٹل کالج میگزین ۵۷ اگست ۵۵-۸۲)

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کی کتاب «دلی کا دبستان شاعری» کی مختلف کمزوریوں اور غلطیوں کی طرف اشارے کئے ہیں۔ تاہم پوری کتاب کا مکمل احاطہ نہیں کیا ہے۔

۱۴۵ فاروقی محمد احسن:

ادب اور انسانیت

(ساقی کراچی جولائی ۵۷ء ۴۱-۴۴)

موجودہ دور کے ادب پر بحث کرتے ہوئے آج کے جمہوری اور عوامی دور میں کس قسم کے ادب کی ضرورت ہے اس بارے میں سرسری تفصیل پیش کی گئی ہے۔

۱۴۶ فاروقی محمد طاہر:

بہادر شاہ ظفر کی شاعری

(ماہ نو کراچی جولائی ۵۷ء ۷-۱۲)

ظفر کے کلام کی روشنی میں ان کی شاعری پر ایک سرسری تبصرہ۔

۱۴۷ فراق گورکھپوری :

اثر لکھنوی اور مشاہیر اردو

(ساقی کراچی اگست ۵۷ء ۹-۲۱)

فراق اور اثر کی چشمک کچھ عرصہ سے اپنی ہنگامہ آرائیوں میں بہت زیادہ مصروف ہے زیر نظر مضمون اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس میں فراق نے اثر کے کلام پر کڑی تجزیہ تنقید کی ہے۔

۱۴۸ فرمان فتحپوری ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے

(مہر نیم روز کراچی ۵۷ء جولائی اگست ۱۱۰-۱۱۴)

مضمون نگار نے تقابل کے ساتھ یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ پروفیسر آل احمد سرور کا مضمون " اقبال اور ان کا فلسفہ ،، (تنقیدی اشارے) ڈاکٹر عابد حسین کے مضمون " اقبال کا تصور خودی ،، سے ماخوذ ہے ۔

۱۴۹ وقت علام احمد کاکوروی :

میر ضاحک دہلوی

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء جولائی ۴۷-۵۴)

میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے پدر بزرگوار اور میر انیس کے پردادا میر ضاحک دہلوی کے حالات اور ان کی مزاحیہ شاعری پر مختصر سا تبصرہ ۔

۱۵۰ فرید شیخ برہانپوری :

اردو علم و ادب کا ایک مرکز

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء جون)

دارالسرور برہانپور ایک خاص حیثیت کا مالک ہے ۔ یہاں بہت سے بزرگ پیدا ہوئے یا آکر بس گئے ۔ ان میں شاہ بھکاری، شاہ حمیدالدین ، شاہ جلال ، شاہ ناصر ، شیخ علی متقی، شاہ عیسیٰ ، اور شاہ برہان الدین راز الٰہی وغیرہ قابل ذکر ہیں جن کا مختصر سا تعارف مضمون میں پیش کیا گیا ہے ۔ (باقی)

۱۵۱ فرید شیخ برہانپوری :

سعدی

(سب رس حیدر آباد دکن ستمبر و اکتوبر ۵۷ء ۹-۱۴)

سعدی دکنی کے وطن کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں بڑا اختلاف ہے، مضمون نگار نے یہاں اکثر تذکرہ نگاروں کے اقتباسات پیش کئے ہیں اور بالآخر ان کو برہانپوری قرار دیا ہے ۔ آخر میں مضمون نگار نے سعدی کی ایک نو غزل پیش کی ہے ، حالانکہ یہ غزل اس سے پہلے اور سب سے پہلی دفعہ نوائے ادب بابت جولائی ۵۷ء میں " اوراق پارینہ ،، کے سلسلے میں شائع ہو چکی ہے ۔

۱۵۲ فرید برہانپوری پروفیسر:

سعدی دکھنی کا وطن اور ان کے بعض نئے اشعار

(معارف اعظم گڑھ ۵۷ء اگست ۱۴۱-۱۴۶)

سعدی کو برہانپوری ثابت کرنے کے بعد ان کے بعض نئے اشعار پیش کئے ہیں۔

۱۵۳ فہمی سلیم اللہ:

جسیم الدین

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء جولائی-اگست ۷۴-۷۷)

جسیم الدین مشرقی پاکستان کا سب سے معروف و مقبول شاعر ہے۔ آجکل پاکستان کی سرکاری ملازمت کے ساتھ شاعری بھی کرتا ہے۔ جسیم ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوا۔ تعلیمی زمانہ پریشانیوں میں گزرا۔ تاہم اپنی علم دوستی اور شعر گوئی کے ساتھ نذرالاسلام اور چند دوسرے لوگوں کی دستگیری کے سبب تعلیم اور ادبی دنیا میں شہرت حاصل کرلی۔ نثر و نظم دونوں ہی پر قدرت حاصل ہے۔

۱۵۴ فہمی کلیم اللہ:

نشریات وحشت

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء ستمبر ۶۲-۶۷-۶۹)

ڈھاکہ ریڈیو سے وحشت کے تعلقات کی تفصیل اور نشریات کی نوعیت و خصوصیت بیان کی ہے۔ بعض نشریات کے اقتباس بھی دیئے ہیں۔ ان میں وہ اہم اقتباس بھی شامل ہے جو نذرالاسلام سے متعلق ہے۔

۱۵۵ قادری اظہر:

وحشت کی عشقیہ شاعری

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء ستمبر ۳۷-۴۰)

وحشت کی عشقیہ شاعری بڑی پاکیزہ ہے۔

۱۵۶ قادری سید محمود:

اوراق پارینہ

(نوائے ادب بمبئی ۵۷ء جولائی)

سعدی، فتح، عادل اور بعض دیگر دکنی شعراء کے کمیاب کلام کا تعارف۔

۱۵۷ قاضی عبدالودود:

سفینۂ خوش گو اور فارسی گویان عظیم آباد

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء جولائی اگست ۶۴-۶۹)

فارسی شعراء کے مشہور تذکرہ "سفینۂ خوشگو" سے عظیم آباد کے ان شعراء کے حالات جو وہاں کے باشندے یا وہاں کے طویل قیام کرنے والے ہیں، شائع کئے ہیں۔ سوائے بیدل کے کیونکہ اس کا حال مدت ہوئی معارف اعظم گڑھ میں چھپ چکا ہے۔ سترہ شاعروں کا مختصر حال پیش کیا ہے۔

۱۵۸ قاضی عبدالودود :

اقتباسات سفینۂ خوش گو

(نوائے ادب بمبئی ۵۷ء جولائی)

سفینۂ خوش گو فارسی و ریختہ گو شعراء کا تذکرہ ہے ۔ جو بارہویں صدی ہجری میں مرتب کیا گیا ہے ۔ اس میں سے ریختہ گو شعراء کے حالات یہاں نقل کیے گئے ہیں۔

۱۵۹ قاضی نورالدین .

گجراتی مسلمان اور گجری زبان

(نوائے ادب بمبئی ۵۷ء جولائی)

گیارہویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی تک گجراتی مسلمانوں نے گجری زبان کی نشو و نما میں کیا مدد کی اس کا حال تین ادوار میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے ۔

۱۶۰ کاظمی شفقت .

اصلاحات حسرت

(تعمیر انسانیت لاہور اگست ۱۹۵۷ء ۲۰۔۲۸)

مضمون نگار کی حسرت سے شاگردی کے زمانے کی چند تفصیلات اور ان اشعار کی تفصیل جن پر حسرت نے اصلاح دی تھی ۔

۱۶۱ کرشنا راؤ اے۔این :

تامل، تیلگو اور کنڑی زبان میں جدید افسانہ نویسی کا رجحان

(ہندوستانی ادب حیدر آباد دکن جولائی ۵۷ء ۱۴ ۔ ۱۶)

تامل، تیلگو اور کنڑی زبان کے افسانوی ادب کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے مضمون نگار نے ان زبانوں کے جدید افسانوی ادب پر بھی مختصراً روشنی ڈالی ہے ۔

۱۶۲ گیان چند ڈاکٹر :

خواب و خیال کا ایک نادر اقتباس

(اردو کراچی ۵۷ء اپریل ۔ جولائی ۱۷۲۔۱۸۲)

میر اثر کی مثنوی خواب و خیال کے اب تک چار نسخے معلوم تھے ۔ مقالہ نگار نے انڈیا آفس لائبریری کے ایک اور نسخہ کا ذکر ضروری تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے زائد اشعار کا اقتباس پیش کیا ہے ۔ اور مطبوعہ نسخے کے متن کے مقابلے میں اس نئے نسخے (مخطوطہ) سے اختلافات قرات بھی دکھائے ہیں ۔

۱۶۳ گیان چند ڈاکٹر :

میر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی اور غزل

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء جون)

میر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی " مور نامہ "، اور ایک غیر مطبوعہ غزل کا تعارف مع متن ۔

مثنوی ۳۴۳ اشعار پر مشتمل ہے - اور غزل سات شعر پر - اڈیٹر نے اپنے نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ غزل مثنویات میر بخط میر میں شامل ہے جو رام بابو سکسینہ نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے -

۱٦٤ ماخوذ:

زبان۔عوام کے رابطے کا ایک ذریعہ

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن ستمبر ۵۷ء ۹۔۱۳)

اوپر کے عنوان پر آل انڈیا ریڈیو نے تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیاتھا، ذیل میں اسی عنوان پر ڈاکٹر رام بابو سکسینہ، نریندر شرما، ایس کنجن پلے اور ایم۔پی۔ سوماسندرم، کی تقریروں کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔

۱٦٥ ماہرالقادری:

امیرخسروؒ کی پہیلیاں

(تعمیر انسانیت لاہور جون و جولائی ۵۷ء ۴۷۔۵۰)

حضرت امیر خسرو کی شاعرانہ عظمت ارو برتری کا اعتراف کرتے ہوئے، خسرو کی دلچسپ پہیلیوں کا مثالاً تذکرہ کیا ہے۔

۱٦٦ محمد باقر ڈاکٹر:

ادب اور ثقافت

(ماہ نو کراچی ستمبر ۵۷ء ۱۲۔۷۳)

ادب اور ثقافت کی الگ الگ تعریف پیش کرنے کے بعد ان کی آپسی میل جول سے ہمارے معاشرہ میں جو تہذیب و ثقافت نکھرتی ہے اس کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ آخر میں اپنے ملک کی طرف اشارا کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ پاکستان کی ملّی ترقی کے لئے ادب اور ثقافت کے رشتوں کو اور محکم کرنا ہوگا۔

۱٦۷ محمد حسن:

ایک خطرناک میلان

(علی گڑھ میگزین شمارا ۲ ۵۷ء صہ ۹۲۔۱)

آج کی اُردو شاعری پر ایک نیا خطرہ منڈلا رہا ہے اور مریضانہ داخلیت کے تئے رجحان کی پیداوار ہے جو اپنی جگہ ترقی پسند تحریک کی خامیوں کے رد عمل کے طور پر نمودار ہوا ہے۔ اس خطرہ سے آگاہی اور پھر اس سے بچنا ہی ادب کے لئے مفید ہے۔

۱٦۸ محمد حسین ڈاکٹر:

ہندوستانی شاعری میں غالب کا مرتبہ

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن ستمبر ۵۷ء ۱٤۔۱۵)

غالب کی شاعری کا سرسری جائزہ لیتے

ہوئے اُن کو برِاعظم ہند کا ایک نہایت بلند مرتبہ شاعر قرار دیا ہے۔

۱۶۹ محمد زین العابدین:

وحشت اور ان کی شاعری

(مہر نیمروز کراچی ستمبر ۵۷ء ۴۱۔۴۵،۴۷)

وحشت رنگ قدیم کے دل دادہ تھے۔ چنانچہ ان کے کلام میں بیشتر پرانے ہی نغمے ہیں جو نئی دھن میں گائے گئے ہیں۔ تاہم انھوں نے کچھ نئی چیزیں بھی دی ہیں جو اردو کے لئے باعث فخر ہیں۔

۱۷۰ محمد عقیل ڈاکٹر:

اردو شاعری میں اسکول کی روایت

(صبا حیدرآباد ۵۷ء جلد ۳ شماہ ۸۔۹)

دکن، دلّی، لکھنو کی شاعری، زبان و بیان، تذکیر و تانیث، نظریات شعر اور طرز فکر وغیرہ کے اعتبار سے اپنا اپنا ایک انفرادی رنگ رکھتی ہے۔ اسی انفرادی رنگ کے مجموعی اختلاف نے مختلف اسکولوں کو جنم دیا۔ اور تاریخ میں ہمیں دہلی اسکول اور لکھنو اسکول وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

۱۷۱ (منقول)

سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد دلی

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن اگست ۵۷ء)
۱۴۔۱۷

سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کی دلّی، مرزا غالب کے خطوط کے آئینے میں، یہ وہ خطوط ہیں جو انہوں نے مختلف سنین میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کو لکھے۔

۱۷۲ ندوی سید سلیمان:

مکتوب مولانا سید سلیمان ندوی بنام شاہ معین الدین ندوی

(معارف ۵۷ء جولائی ۷۰۔۷۴)

اس دفعہ مولانا کے ٦ خط (نمبر ۲۳۔۳۸) درج ہیں جو فروری ۱۹۴۸ء تا ستمبر ۱۹۴۸ء کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں معارف و دارالمصنفین تحریک مملکت ہمسایہ اور بزم تیموریہ وغیرہ کا ذکر ہے۔

۱۷۳ نذیر احمد ڈاکٹر:

قاسم کاہی کے حالات و کلام

(معارف اعظم گڈھ ۵۷ء اگست ۱۰۸۔۱۲۴)

قاسم کاہی فارسی زبان کا ایک شاعر ہے جس نے ہمایون اور اکبر کے زمانے میں کافی ناموری حاصل کی تھی۔ مضمون

میں اسی شاعر کے حالات زندگی پر تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (باقی)

۱۷۴ نذیراحمد ڈاکٹر :

قاسم کاہی کے حالات اور کلام پر روشنی

(معارف ۵۷ء ستمبر ۱۹۹-۲۱۵)

۲۔مختلف تذکروں اور تاریخوں سے مدد لے کر قاسم کاہی کے حالات اور کلام پر روشنی ڈالی ہے۔ مقالہ کی یہ دوسری قسط ہے۔

۱۷۵ نذیراحمد ڈاکٹر :

تذکرۂ میخانہ

(اورینٹل کالج میگزین ۵۷ء ۸۳-۱۱۷)

(بسلسلۂ گذشتہ) اس قسط میں پہلے سے جاری ایک ساقی نامہ مکمل کرنے کے بعد اسد بیگ قزوینی، ابوالحسن فراہانی، حسین بیگ رشکی ہمدانی، طبعی کندسولقانی، شمیمی یزدی علی احمد مہر کن، دیری کابلی، مولانا وجودی، شیخ صالح تبریزی، میرتشبیہی کاشی، مظفر کاشی، مولانا ابراہیم فارسی، میر عارفی موسوی، احولی سیستانی، عصری، اور مولانا محمد طنبورہ میں سے کچھ کا ذکر اور سب کے اشعار بہ نسبت میخانہ درج ہیں۔

۱۷۶ نذیراحمد ڈاکٹر :

قطب الدین فیروز بیدری اور اس کا پرت نامہ

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء جون)

ایک قدیم دکھنی شاعر فیروز بیدری کے حالات اور اس کی مثنوی پرت نامہ کا تعارف مع متن۔ یہ ایک مختصر سی مثنوی ہے جس میں حضرت عبدالقادر جیلانی کی مدح ہے۔ اور ۱۲۱ ابیات پر مشتمل ہے۔ اس کا تعارف سب سے پہلے ڈاکٹر زور نے اپنی کتاب اردو شہ پارے اور تذکرۂ اردو مخطوطات میں کرایا تھا۔

۱۷۷ نذیراحمد ڈاکٹر :

فارسی کے چار نایاب تذکرے

یعنی نظم گزیدۂ ناظم، سفینۂ بیخبر، شام غریباں مولفۂ شفیق و مردم دیدۂ حاکم لاہوری

(معارف ۵۷ء جولائی ۲۴-۳۸)

اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے فارسی ادب کی تاریخ کے سلسلے میں تذکروں کی ایک طویل فہرست دی تھی جس پر پروفیسر محمد شفیع نے ایک بڑی تعداد کا اضافہ کیا تھا اور اس کے بعد گیارہ ایسے تذکرے گنائے تھے جن کا نام ہی ملتا تھا، کچھ اور نہیں۔ ان مجہول تذکروں میں سے ایک تذکرۂ بے نظیر الہ آباد یونیورسٹی سے چھپ گیا ہے۔ انہی میں

سے مذکورہ بالا تذکروں کا تعارف اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے ۔

۱۷۸ نعیم الدین ڈاکٹر:

دکنی زبان کی ایک کمیاب مثنوی

(نوائے ادب بمبئی ۵۷ء جولائی)

دکنی زبان کی ایک کمیاب مثنوی «لگن نامہ» مصنفہ شاہ غلام حسین کا تعارف مصنف کے حالات کے ساتھ۔

۱۷۹ یونہروی سید شبیہ الحسن:

ادبی تنقید اور تحلیل نفسی

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء جون)

ادبی تنقید اور تحلیل نفسی دو الگ فن ہیں۔ لیکن انسانی ذہن اور شخصیت کو سمجھنے کے لئے تحلیل نفسی کی افادیت تنقید کے سلسلہ میں بہت جلد محسوس کرلی گئی۔ جو نقاد اپنی تنقید میں تحلیل نفسی کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں مضمون میں اس کے اصول بتائے گئے ہیں۔

۱۸۰ وحشت رضا علی۔

شاعری اور ادب

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء ستمبر ۸۷۔۹۰)

یہ در اصل ڈھاکہ ریڈیو کی ایک تقریر ہے جس میں عبدالغفور خاں نساخ، حضرت شمس، قاضی عبدالحمید حمید، سید محمود آزاد، نواب سید محمد آزاد، خالد بنگالی اور شرف الحسینی شرف کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۸۱ وحشت رضا علی:

مشرقی پاکستان کے اردو شاعر

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء ستمبر ۹۱۔۹۳)

یہ ایک ریڈیائی تقریر ہے جس میں نساخ، شمس اور محمود آزاد کے کسی قدر تفصیلی تذکرہ کے بعد نساخ کے تذکرہ سخن شعرا سے مشرقی بنگال کے غیر معروف اردو شعرا کا حال بیان کیا ہے۔

۱۸۲ وحشت کلکتوی:

مکاتیب وحشت

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء ستمبر ۹٤۔۱۰۵)

وحشت کے پانچ خط درج ہیں۔ دو عندلیب شادانی کے نام ۵۰۔۷۔۳۱،۵۳۔۱۔۱ کے لکھے ہوئے۔ ان میں شادانی کی کتاب تحقیقات و نشاط رفتہ پر تبصرہ ہے۔ باقی تین خط وفا راشدی کے نام ہیں۔ ان میں کلام وحشت وغیرہ کا ذکر ہے۔

۱۸۳ وحشت کلکتوی:

عکس تحریر علامہ رضا علی وحشت

(مہر نیم روز کراچی ۵۷ء ستمبر ۱۱۳)

شاعر کا اپنا انتخاب خود اسی کی تحریر میں ہے جس کا عکس یہاں درج ہے اور یہ عکس پانچ غزلوں کا ہے۔

۱۸۴ ہاشمی نصیرالدین:

«اُردو کی نثری داستانیں» کے متعلق کچھ اضافے

(اردو کراچی ۵۷ء اپریل، جولائی ۱۸۶۔۱۹۵)

کتب خانۂ سالار جنگ، کتب خانۂ آصفیہ اور کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اردو میں مقالہ نگار کے کہنے کے مطابق ۱۴ ایسی داستانیں ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر گیان چند کی کتاب «اردو کی نثری داستانیں» میں نہیں ہے۔ ان چودہ داستانوں کا بہت ہی مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۸۵ ہنس راج راتن:

ضیاء فتح آبادی۔ شاعر تسکیں

(شاعر بمبئی ۵۷ء اگست ۲۲۔۲۵)

ضیاء فتح آبادی کے کلام پر ایک مختصر تبصرہ۔

آرٹ

۱۸۶ ا۔ا:

پٹنہ کا عجائب گھر

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن ستمبر ۵۷ء ۱۶۔۱۷)

پٹنہ کا عجائب گھر جس عمارت میں واقع ہے وہ ہندو، مغل اور راجپوت فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اس عجائب گھر میں بہت سے نوادر اور قابل دید چیزیں محفوظ ہیں جن کے بارے میں یہاں پر چند سرسری تفصیلات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۸۷ الطاف گوہر: مترجم ضمیر اظہر

عوامی آرٹ۔ مشرقی پاکستان

(ماہ نو کراچی ۵۷ء اگست ۲۵۔۲۷)

عوامی آرٹ پر روشنی ڈالتے ہوئے مشرقی پاکستان کے عوامی آرٹ کے چند نمونوں کی خصوصیات بیان کی ہیں۔

۱۸۸ ماما واریسرکر:

ہندوستانی تھیٹر کا ارتقاء

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن جولائی ۵۷ء ۲۰۔۲۱)

ڈراما اور تھیٹر ہندوستان میں شاید یونانی تھیٹر سے بھی پہلے کی چیزیں ہیں۔ قدیم ادوار سے آج کے دور تک تھیٹر نے ہندوستان میں جو ترقی کے مدارج طے کئے ان کا ایک سرسری خاکہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔

٭ ٭ ٭

معاشرتی حالات

۱۸۹ ادارہ:

اُردن

(چراغِ راہ کراچی جولائی ۵۷ء ۲۶-۳۱)

ریاست اُردن کی جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کا ایک سرسری جائزہ۔

۱۹۰ رزاقی شاہد حسین:

انڈونیشیا کی سیاسی جماعتیں

انڈونیشیا کی سیاسی جماعتوں کے کارنامے اس ملک کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں۔ انہیں جماعتوں کی کیفیت و نوعیت بیان کی ہے۔

۱۹۱ صدیقی مسعود اختر:

ترقی کی راہوں پر۔ (پاکستان)

(ماہ نو کراچی ۵۷ء اگست ۱۸-۲۳)

پاکستان کی حکومت کی دس سالہ سرگرمیوں کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی متعلقہ تصویریں بھی شائع کی گئی ہیں۔

۱۹۲ فاضلی قسیم:

فیشن کی نفسیات

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء جولائی۔اگست ۳۷-۴۱)

موجودہ دور کی ست نئی زندگی اور فیشن پر نفسیات کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔

۱۹۳ قدوائی محمد آصف ڈاکٹر:

آزادی کے دس سال اور مسلمان

(الفرقان لکھنؤ ۵۷ء اگست ۲۷-۳۵)

مقالہ میں ان امور سے بحث کی ہے جو خاص کر مسلمانوں کے برے بھلے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے غور و فکر اور جد و جہد کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اقتصادیات

۱۹۴ قریشی عبدالمجید:

مسائل محنت اور ان کا حل

(چراغ راہ کراچی ستمبر ۵۷ء ۳۸-۴۳)

محنت کار لوگوں کی تعریف و تشریح کے بعد ان کے مسائل، مشکلات، قوانین اور حکومت کی انتظامی پالسیوں پر تبصرہ و تنقید کرتے ہوئے آجرو مزدور کی اس کشمکش کا حل کس طرح ممکن ہے، زیر نظر مضمون میں اس سے بحث کی گئی ہے۔

تعلیمات

۱۹۵ ک۔ک۔ میخائیل:

سویت یونین کا نظام تعلیم

(ہندوستانی ادب حیدرآباد دکن ستمبر ۵۷ء ۲۵۔۲۶

سویت یونین میں ابتدائی، ثانوی، فنی اور اعلیٰ تعلیم کے اداروں کا ایک سرسری خاکہ۔

۱۹۶ نذر احمد حافظ:

پاکستان کے مدارس دینیہ

(ایک ابتدائی جائزہ)

چراغ راہ کراچی جولائی ۵۷ء (۱۵۔۲۵)

پاکستان کی پہلی اوریئنٹل کانفرنس میں پیش کردہ مقالہ جس میں پاکستان کے دینی مدارس کے بارے میں سارے تفصیلات فراہم کئے گئے ہیں۔

نفسیات

۱۹۷ سلمانی محمد اقبال:

ڈراؤنے خواب

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۷ء ستمبر اکتوبر ۱۰۱۔۱۰۵)

ڈراؤنے خوابوں کا ایک نفسیاتی تجربہ۔

۱۹۸ محمد باقر ڈاکٹر:

مولوی! ماہر ترغیبات نفسی

(اوریئنٹل کالج میگزین ۵۷ء اگست ۱۱۹۔۱۵۴)

مولوی رومی کی مثنوی پر نفسیات کی روشنی میں گفتگو کرتے ہوئے انہیں ماہر ترغیبات نفسی بتایا تھا اور اسکی مثالیں مع وضاحت کے دی تھیں۔ اس قسط میں ایسی مزید مثالیں درج ہیں۔ یہ قسط جوحی اور قاضی کی مثال پر ختم ہوتی ہے۔

نسائیات

۱۹۹ انعامدار انصار فضلی:

عورت کا تصور

(آجکل دہلی ۵۷ء ستمبر ۲۴۔۲۸)

پریم چند کے ناولوں کے نسائی کرداروں کی مختلف خصوصیات کی روشنی میں پریم چند کے عورت کے تصور کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فلسفہ

۲۰۰ ڈار بشیر احمد :

سقراط اور اس کا فلسفۂ اخلاق

(ثقافت لاہور ۵۷ء جولائی ۲۷-۴۲)

سقراط کے حالات زندگی اور اسکے فلسفۂ اخلاق پر ایک طویل مقالہ جس کی پہلی قسط یہاں درج ہے -

۲۰۱ ڈار بشیر احمد .

سقراط اور اس کا فلسفۂ اخلاق

(ثقافت لاہور ۵۷ء اگست ۳۱-۴۰)

یہ اسی مضمون کی دوسری قسط ہے -

۲۰۲ ڈار بشیر احمد :

سقراط اور اس کا فلسفۂ اخلاق

(ثقافت لاہور ۵۷ء ستمبر ۱۲-۲۰)

یہ مقالہ کی تیسری قسط ہے -

۲۰۳ صدیقی ڈاکٹر محمد احمد :

ابن خلدون اور اس کا مقدمہ (۲)

(برہان دہلی ۵۷ء اگست ۱۰۵-۱۱۵)

مقدمۂ ابن خلدون کی تلخیص اور ابن خلدون کے افکار کا خلاصہ -

٭ ٭ ٭

وفیات

۲۰۴ ادارہ :

مولانا آزاد سبحانی، آغا محمد طاہر اور مجید لاہوری

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء جولائی اگست ۳-۴)

مولانا آزاد سبحانی، آغا محمد طاہر اور مجید لاہوری کی وفات پر مختصر نوٹ لکھے ہیں جن میں ان کی علمی و ادبی زندگی اور سیرت کے جداگانہ انداز کی طرف اشارے کئے ہیں -

۲۰۵ طاہرہ احمد :

حضرت آزاد سبحانی - ایک تاثر

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء جولائی اگست ۵-۶)

مولانا آزاد سبحانی کی ہستی بولتی اور علمی زندگی سے متعلق تاثراتی اشارے ملتے ہیں -

۲۰۶ ندوی حسن مثنٰی :

ہز ہائی نس سر آغا خاں ثالث

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء جولائی اگست ۱۷۹)

ہز ہائی نس سر آغا خان کی شخصیت بہت دلچسپ انوکھی اور بوقلمونیوں کا مجموعہ تھی - دین و دنیا دونوں کے لحاظ سے ممتاز تھے

۱۸۷۷ء تا ۱۹۵۷ء کی زندگی میں انھوں نے اپنے فرقے کے علاوہ عام مسلمانوں کی زبردست خدمت انجام دی۔ مسلم یونیورسٹی اور مسلم لیگ کے قیام اور سرگرمیوں میں بڑا حصہ لیا۔

متفرقات

۲۰۷ ادارہ:

(ماہ نو کراچی ۵۷ء اگست ۳۲)

بچھڑے ہوئے ادیب

اس عنوان کے تحت چراغ حسن حسرت اور مجید لاہوری کی تصویریں دی ہیں۔ اور ان کے نیچے علی الترتیب حسرت کا ایک خط اور مجید کی ایک نظم دونوں ہی کے اپنے خط میں درج ہیں۔

۲۰۸ رفعت مبارزالدین:

ایرانی شادی

(سب رس حیدرآباد دکن جولائی، اگست ۵۷ء ۱۸-۲۲)

ہندوستان کے متوسط گھرانوں کی طرح ایران میں بھی یہ شادیاں بڑے دھوم سے منائی جاتی ہیں اور خوب دھما چوکڑی رہتی ہے۔ زیر نظر مضمون ایران کی اسی طرح کی ایک شادی کو پیش کرتا ہے۔

۲۰۹ عارف سیالکوٹی:

بحر بیکراں

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۷ء ستمبر ۳۵-۳۸)

اس مقالہ میں صرف سمندر سے متعلق جدید ترین اطلاعات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم مختلف سمندری پودوں اور جانوروں وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔

۲۱۰ مخدوم محی الدین:

یورپ کا لکھنؤ

(صبا حیدرآباد دکن ۵۷ء جلد ۳ شمارہ ۶-۷)

ویانا یورپ کے ایک چھوٹے سے ملک آسٹریا کی راجدھانی ہے وہاں مضمون نگار کو ایک سال رہنے کا موقع ملا تھا۔ اس عرصہ میں وہاں اس نے جو کچھ مشاہدہ کیا اس کو دلچسپ انداز میں بیان کردیا ہے۔

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

نوائے ادب، بمبئی

مقام اشاعت :	انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی ۱
نوعیت اشاعت :	سہ ماہی
نام پرنٹر :	حامد اللہ ندوی
قومیت :	ہندوستانی
پتہ	۲، مسیا بلڈنگ، کلیر روڈ، بمبئی ۸
نام پبلشر	
قومیت	ایضاً
پتہ	
نام ایڈیٹر	حبیب اشرف ندوی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	اندھیری، بمبئی ۴۱
نام، پتہ مالک رسالہ	انجمن اسلام ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ، بمبئی ۱

میں حامد اللہ ندوی تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم میں یقیناً صحیح ہیں۔

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸ میں چھپواکر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription ·

Inland & Pakistan: Rs. 4 — Foreign: Shillings 8

(Inclusive of postage)

Price per copy: Rupee One

January - March 1958

[redacted]

Vol. 9] [No. 1

All remittances to be made to:

THE ADABI PUBLISHERS,

8 Shepherd Road, Bombay 8. (India)

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

شائع کردہ

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(ممبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱۔ ایم اے کی تعلیم کا انتظام

۲۔ پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت

۳۔ تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون

۴۔ ایک جامع کتب خانہ کا قیام

۵۔ مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب

۶۔ نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت

۷۔ اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقی سہ ماہی رسالہ کا اجرا

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱ اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔

۲ گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت

۳ اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع

۴ اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ ۔ چار روپے مع محصول ڈاک

ششماہی ۔ دو روپے

فی پرچہ ۔ ایک روپیہ

ایڈیٹر نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲۔ دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں ۔

ادبی پبلشرز

۸ شیفرڈ روڈ

بمبئی ۸

پاکستان میں:۔ رائٹرس ایمپوریم (پاکستان)

پوسٹ بکس نمبر ۹۴

کراچی ۱

نواے ادب بمبئی

جلد ۹ | اپریل ۱۹۵۸ء | شمارہ ۲

شذرات

گذشتہ سہ ماہی ہمارے علوم و فنون، ادب و انشا اور تمدن و ثقافت کی تاریخ کا تاریک ترین عہد ثابت ہوئی ہے۔ اس قلیل عرصے میں ہم نے وہ گنجہائے گراں مایہ اور متاعہائے گراں ارز کھوئے ہیں جن کی تلافی بڑی حد تک ناممکن ہے۔ پھر یہ حادثے اس تیزی اور سرعت کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے ہیں کہ ہم ایک صدمے سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اس سے سخت حادثہ ہم کو بے بس کر دیتا تھا۔

ٹھیک اس وقت جب کہ ہم کوشش کر رہے تھے کہ اردو ادب کے مورخ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ان کی خدمت میں ایک "ابھی نندن گرنتھ" پیش کریں کہ وہ اچانک ہم سے جدا ہو گئے۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اردو زبان و ادب کی ایک مسلسل تاریخ لکھ کر مزید تنقید و تاریخ کی بنیاد رکھ دی تھی ان کی ساری زندگی اردو ادب کی خدمت میں گذری۔ تاریخ ادب اردو کے علاوہ انہوں نے اردو کے یورپین شعراء پر ایک ضخیم تصنیف چھوڑی ہے اور اپنی وفات سے پہلے انہوں نے شعراء کا ایک قدیم مرقع اور خود میر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ان کی مثنویوں کا ایک ایڈیشن بڑی خوبی و نفاست سے شائع کیا تھا۔

ابھی ہم اس نثر نگار کے ماتم سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ اردو کے ایک بلند پایہ اور ہر دلعزیز شاعر اور فلک شاعری کے درخشاں ستارہ ہری چند اختر نے داغ جدائی دیا۔ اختر صرف ایک اچھے شاعر ہی نہ تھے بلکہ اردو سے ان کی محبت بے پناہ تھی۔ آخری وقت تک وہ اردو کو اس کا کھویا ہوا مقام دلانے کی کوشش میں مصروف رہے۔

[illegible] نثر کے ان ہمسایوں کا غم ہی کیا کم تھا کہ بچوں کے مقبول و محبوب ادیب و مصنف محمد الیاس محی نے بھی مفارقت کی۔ مکتبہ جامعہ ملیہ نے بچوں کے لٹریچر میں جو ممتاز درجہ و مقام حاصل کیا ہے اس کی بنیادی تعمیر میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ پاکستان جانے کے بعد وہاں بھی انہوں نے اپنے کام کو جاری رکھا لیکن افسوس کہ ٹھیک اس وقت جب کہ وہ وہاں اپنی جگہ بنا رہے تھے

ہم سے جدا ہوگئے۔ اُن کے ساتھ ہی دہلی سے جانے والے ڈاکٹر سعید بریلوی نے بھی جو اپنے مضامین کی وجہ سے ایک ممتاز جگہ کے مالک تھے ہمارا ہمیشہ کے لئے ساتھ چھوڑ دیا۔

ان اربعہ عناصر کے انتشار و پریشانی نے جو ہیجان پیدا کر دیا تھا وہ سب سے بڑے طوفان کی شکل اختیار کر گیا۔ اور ۲۲ فروری کی صبح کو مولانا ابوالکلام آزاد کی اچانک وفات نے ہم پر وہ بجلی گرائی ہے کہ ہم اب تک اس کے اثرات سے نجات نہیں پا سکے ہیں۔ مولانا کے سیاسی، مذہبی، علمی، اور تعلیمی بلند مقام و مرتبہ کو جانے دیجئے کہ شاید عرصہ تک اتنی ہمہ گیر ہستی ہم میں پیدا نہ ہو سکے گی، خود ادب و انشاء کے دامن کو خطابت و انشاء پردازی کے بلند گوہروں اور اسلوب و بیان کے انمول جواہر پاروں سے بھر دیا کہ جب تک اردو زبان اور ادب باقی ہے ان کی ضوفشانی و تابانی باقی رہے گی۔ اردو نے دو آزاد پیدا کئے اور دونوں نے اردو انشاء پردازی کے دو ایسے بے نظیر اسلوب ہم کو دئے جن کی تقلید کسی سے بھی نہ ہوسکی، مولانا اپنے ہر کردار کی طرح اس میں بھی انفرادیت کے نشان چھوڑ گئے ہیں۔ ان کی زندگی ایک عہد آفرین زندگی تھی۔ انہوں نے نصف صدی تک مختلف میدانوں میں اپنی بے مثال رہنمائی سے کتنے بڑوں بڑوں کی رہبری کی اور کتنے ہی نازک موقعوں پر ملک و قوم کی کشتی کو ساحل مراد تک لے آئے۔ اردو سے مولانا کی محبت کا ثبوت ان کی زندگی کی آخری تقریر ہے جو انہوں نے بے کس اردو کے بےبس چاہنے والوں کے سامنے کی تھی۔ مولانا کی یہ تقریر میر کارواں کی آخری تسلی بخش و امید افزا صدا تھی جس کی آواز بازگشت اس کارواں کو عرصہ تک ہمت و جرات دلاتی رہے گی۔

مولانا کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ وسط مارچ میں ہم پر افضل العلما ڈاکٹر عبدالحق کی اچانک موت کی خبر نے سکتہ کا سا عالم طاری کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم علم و عمل کے امتزاج کا بہترین نمونہ تھے۔ سادگی و پرکاری خاموشی و ہمہ عملی کا وہ زندہ نمونہ تھے۔ ان کی خاکساری، تواضع اور انسان دوستی کے ساتھ ان کا تدبر ہر ملنے والے کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ انہوں نے جس چیز کو ہاتھ لگایا اس کو بلند سے بلند تر درجے تک پہنچا دیا۔ تعلیم سے ان کو بڑی دلچسپی تھی۔ کرنول کا عثمانیہ کالج ان کی خاموش عملی کوششوں کا زندہ ثبوت ہے۔ ان کے علم و فضل کے سب معترف تھے اور یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ ان کی حسرتناک بے وقت

موت نے مدراس کی تعلیمی تمدنی اور مذہبی دنیا کو یتیم کردیا ہے۔ مدراس کو اب کوئی دوسرا عبد الحق نہیں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور انہوں نے ہماری رہنمائی کے لئے جو چراغ روشن اور جو سنگ میل قائم کئے ہیں ان پر چلنے کی توفیق دے کہ ہم اسی طرح ان کی یاد کو تازہ اور باقی رکھ سکتے ہیں۔

گذشتہ فروری میں دہلی میں جو اردو کانفرنس منعقد ہوئی تھی اگر اس کو شرکاء کی تعداد اور تجویز کے شمار کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بہت کامیاب ہوئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو و مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر تارا چند کے علاوہ مختلف ممتاز لوگوں نے اس میں شرکت کی، سارے ہندوستان کے کئی سو نمائندے بھی موجود تھے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس گفتار کے بعد کردار کا کیا درجہ رہتا ہے ہم نے ہمیشہ کہا کہ اگر اردو کو زندہ رہنا ہے تو اس کو عوامی تحریک کی شکل میں زندہ ہونا پڑے گا اور اس کی ایک ہی صورت ہے کہ سارے ملک میں ہر مقام پر انجمن ترقی اردو کی شاخ ہی نہ قائم کی جائے بلکہ اس کے ذریعہ اردو سے محبت اور اس کے حصول کے شوق کو بھی پیدا کیا جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے یہاں ہر دوسری تحریک سے الگ رہنے والے اردو کے پرستاروں کی ایک جماعت قائم کی جائے جو مشنری اسپرٹ کے ساتھ اس کی بقا کے لئے اپنا سب کچھ نثار کرنے [illegible]

ہمارے ادب میں متعدد مرتبہ اس انتشار کا تذکرہ کیا جاچکا ہے جو مختلف یونیورسٹیوں کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے طلبا کو اپنے مقالے کے مضمون کے انتخاب کے سلسلے میں پیش آتا ہے۔ لاعلمی کی وجہ سے ایک ہی وقت میں ایک ہی موضوع پر مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہوتا ہے اور یہ تصانیف علمی حیثیت سے زیادہ مفید نہیں ہوتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر یونیورسٹی میں اس وقت تک جن مضامین پر کام ہوچکا ہے یا ہورہا ہے اس کی مفصل فہرست شائع کردی جائے۔ اس سلسلے میں ہم نے ماہنامے اردو کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی تھی اور ہم خوش ہیں کہ انجمن ترقی اردو پاکستان نے اس طرف عملی قدم بڑھا کر اس ملک کی یونیورسٹیوں کے سلسلے میں مقالات کی فہرست شائع کردی ہے۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اردو ریسرچ اسٹی ٹیوٹ معلومات فراہم کررہا ہے اور جونہی یہ مکمل ہو جائیں گے ان کو نوائے ادب میں بطور ضمیمہ شائع کردیا جائے گا۔

نجیب اشرف ندوی

کوکن کے اربعہ عناصر

سنہ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی ہندوستان کے لئے ایک بلا سی ثابت ہوئی۔ مختلف علاقوں اور مختلف شہروں کی سیاست، تجارت، تہذیب و معاشرت میں بھونچال سا آگیا۔ سلطنتیں ڈگمگانے لگیں، ایوانوں میں خاک اڑنے لگی، لاکھوں کے گھر راکھ ہونے لگے اور جمعیت و سکنیت کی کتاب کے اوراق، خزاں دیدہ پتوں کی طرح بکھرنے لگے۔ اس اثر سے گجرات کا علاقہ اور اس کا سب سے اہم سیاسی، تجارتی، مذہبی اور ثقافتی شہر سورت بھی بچ نہ سکا۔ دو سال کے اندر ہی اندر اس کی ساری اہمیت خاک میں مل گئی، اس کا سہاگ اٹ گیا اور اس کی جگہ جہیز میں آئی ہوئی نئی نویلی بمبئی کو مل گئی۔ سورت جو اس سے پہلے تک جنوبی ہندوستان میں تجارت کا سب سے بڑا مرکز اور تمدن کا سب سے بڑا مرجع تھا۔ جو کبھی باب المکہ اور طریقت کے خانوادوں کا مسکن تھا اب ویران ہونے لگا۔ سیاست، تجارت، امارت، ثقافت اور صنعت و حرفت نے بمبئی کا رخ کیا اور رفتہ رفتہ بمبئی سارے ہندوستان کی عروس البلاد بن گئی۔ اس کا ایک بڑا اہم نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف ہندوستان کے مختلف علاقوں کے لوگ قسمت آزمائی کے لئے یہاں جمع ہونے لگے بلکہ مشرق و مغرب کے تمام ملکوں کے مال کی یہ منڈی بن گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹے چھوٹے جزیروں کا یہ مجموعہ ایک عظیم الشان شہر بن گیا۔ اس کی مرکزیت سے کوکن کے علاقہ کو بھی بہت متاثر کیا اور کوکن کے بہادر اور حوصلہ مند باشندے جن کے لئے سمندر کی آبی سطح بازی گاہ تھی یہاں آباد ہونے لگے اور بہت زمانے تک اس کی سیاسی تجارتی ثقافتی اور تمدنی تحریکوں پر چھائے رہے۔

کوکن کا علاقہ متعدد حیثیتوں سے ہمیشہ ملک کا اہم حصہ رہا ہے۔ آغاز اسلام سے پہلے بھی عربوں، ایرانیوں اور دوسرے متمدن تجارت پیشہ لوگوں کا اس سے تعلق رہا ہے اور اسلام کے بعد تو مغربی ساحل کا یہ علاقہ بڑی حد تک عربی اور اسلامی نوآبادی بن گیا تھا۔ تھانہ کے ساحلی علاقہ سے لیکر گوا تک اور نالہ سپارہ، چیمبور سے لیکر

جنجیرہ تک ان کی آبادی تھی اور یہاں کی کوکنی زبان میں عربی و فارسی کے الفاظ بڑی کثرت سے ملنے شروع ہوگئے تھے۔ علاء الدین خلجی کے فتح دکن کے بعد سے شمالی ہند کی مشترکہ زبان کے اثرات بھی نمایاں ہونے لگے اور بہمنی، نظام شاہی اور عادل شاہی دور میں تو اردو کا بہت زیادہ اثر پڑا۔ چنانچہ کوکنیوں نے اگرچہ اپنی خانگی زندگی میں کوکنی کو قائم رکھا مگر علمی تعلیمی اور تصنیفی حیثیت سے انہوں نے حسب ضرورت عربی فارسی اور اردو زبانوں سے کام لیا ہے، حضرت مخدوم شیخ علی مہائمی سے لےکر اس وقت تک ہر عہد میں کوکنی مصنف، ادیب و شاعر کم یا زیادہ کی تعداد میں ملیں گے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ دکنی ادب میں مرہٹی کا اثر (کوکنی اس کی ایک شاخ ہے) انہیں لوگوں کا مرہون منت ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے۔ بمبئی کوکنیوں کا روحانی مرکز ہونے کے ساتھ تجارتی اور ثقافتی مرکز بھی بن گئی۔ یہاں کے کوکنیوں نے اپنے اظہار خیال کے لئے ہندوستان کی ہمہ گیر زبان کو اختیار کیا اور یہ صحیح طور سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس حیثیت سے اپنے محدود ذرائع اور گجراتی مرہٹی اور مغربی زبانوں کے اثر کے باوجود کسی سے کم نہیں رہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے کوکن کی دشوار گذار گھاٹیوں میں فرہاد وار ادب اردو کی جوئے شیر سے وہاں کے باشندوں کے کام و دہن کو شیریں کیا۔ وہاں مطبعے قائم کئے، وہاں سے اخبارات نکالے اور وہاں سے ضخیم کتابیں شائع کیں، اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ آج کی صحبت میں ہم ایسے چار بزرگوں کی ادبی خدمات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی کوششوں سے اردو زبان و ادب کو مقبول بنانے میں زندگیاں گذار دیں اور جن سے متعلق کوئی اعتراف بھی کہیں نہ ہوسکا۔

ہمارے ادب کا تاریخی مطالعہ بتاتا ہے کہ ہماری ابتدائی ادبی مساعی بڑی حد تک مذہب تک محدود تھیں۔ چنانچہ اس عہد میں سب سے بڑا سرمایہ مذہب ہی سے متعلق تھا۔ اور اس کے لئے سب سے آسان صنف شاعری مثنوی کو استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس صنف میں تاریخی یا حکایتی چیزیں لکھی جانے لگیں اور اس کے جلو میں غزل، مسدس، مخمس، قطعہ وغیرہ نے آنا شروع کردیا۔ چنانچہ ان چاروں نے اپنے ذوق کے مطابق ان اصناف کی طرف توجہ کی ہے۔ کوکن کے ان اربعہ عناصر کو تاریخی حیثیت سے یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

۱ ۔ قاضی غلام قاسم مہری　　تخلص قاسم
۲ ۔ باپو میاں اوبدیرکر　　تخلص فقیہہ
۳ ۔ قاضی غلام علی مہری　　تخلص علی
٤ ۔ قاضی محمد یوسف مرگھے　　تخلص یوسف

ان چار بزرگوں کے اہم کارنامے ان کی وہ اہم تصانیف ہیں جو سیرت رسول صلعم، سیرت حسین رضی اللہ عنہ ، سیرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مخدوم مہائمی سے متعلق ہیں ۔ ان کے علاوہ جہاں ایک طرف قاسم مہری اور یوسف مرگھے نے عقائد پر رسالے لکھے ہیں، وہیں فقیہہ اور علی مہری نے علی الترتیب تاریخی واقعات اور رومانی حکایات کو نظم کر کے اپنے کو ممتاز بنانے کی کوشش کی ہے ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بمبئی میں ربع صدی سے زیادہ رہنے اور تاریخ ادب سے دلچسپی رکھنے کے باوجود بمبئی کے ان بزرگوں کے حالات دریافت نہ کر سکا ۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک زوال پذیر قوم کی حیثیت سے موجودہ نسل نے اپنے بزرگوں کے کارناموں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور ان کے ساتھ ہی ان کے حالات اور ذہنی تخلیقات کو بھی خاک میں ملادیا ۔ ورنہ ان بزرگوں کے علاوہ قاضی شہاب الدین مہری، غلام حسین مہری، ابراھیم مقبہ، احسن مقبہ، محمد علی ناخدا سے لے کر مولانا یوسف کھٹکھٹے اور مولانا یونس ہداد ے تک سیکڑوں ایسے کوکنی مصنف اور شاعر ہیں جو اپنی ادبی خدمات کے لحاظ سے دوسروں سے اگر زیادہ نہیں تو بہت کم بھی نہیں ہیں[۱]

قاضی غلام قاسم مہری ہم کو افسوس ہے کہ ہم قاضی غلام قاسم مہری کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ کوکنی تھے اور بمبئی میں رہتے تھے ان کے کلام کے مطالعہ سے البتہ بہت آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ فارسی کی اتنی اچھی صلاحیت رکھتے تھے کہ اس میں آسانی سے اظہار خیال کرسکتے تھے ۔ ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا اور کوکنیوں کا شاید یہی ایک خاندان ہے جس میں ادب اور شاعری جہاں تک ہم کو علم ہے وراثتاً تین پشتوں تک باقی رہی کیونکہ جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا قاضی غلام علی مہری ان کے بھتیجے

---

[۱] ادارہ نے اس سال اسی لئے اردو کی ترقی میں کوکن کا حصہ سے متعلق کام اپنے پروگرام میں داخل کیا ہے ۔

اور قاضی محمد ابراهیم مہری قاضی غلام علی کے بھتیجے تھے۔ اس کے علاوہ قاضی اسمٰعیل مہری کو بھی شاعری میں بلند درجہ حاصل تھا۔ قاضی قاسم اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ وہ جہاں مادی حیثیت سے ایسے لوگوں سے جن کی وجہ سے انہیں دنیاوی فائدہ ہو، ملنا باعث فخر سمجھتے تھے، وہیں وہ ایسے بزرگوں سے بھی جن کی وجہ سے دینی فلاح و بہبود کا سامان مہیا ہو روحانی تعلقات رکھتے تھے۔ چنانچہ جہاں بمبئی میں وہ ایک پارسی رئیس خورشید جی کارونیٹ کی شان میں ایک چھوٹا سا فارسی قصیدہ لکھتے ہیں۔ وہیں وہ کلکتہ کے بزرگ حضرت جمعہ شاہ کی شان میں ایک اردو نظم کے ذریعے نذر عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اردو میں ہم کو ان کی غزلیں، رباعیاں، اور قطعے بھی ملتے ہیں۔ ان کے اردو کلام کے دیکھنے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ خاندان بھی دلوی خاندان کی طرح میسور کی سلطنت خداداد کے دامن سے وابستہ نہ رہا ہو، اس خیال کو دو باتوں سے اور تقویت ہوتی ہے کہ جہاں انہوں نے کوکن میں رہنے کے باوجود اپنی مقبول و مشہور تصنیف عروس المجالس میں سلطان ٹیپو شہید کا ذکر بڑی عزت و عقیدت سے کیا ہے۔ چنانچہ کتاب کے سنہ تصنیف کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

سنہ ہجری تھے بارہ سو اوپر نو — اتھا سلطان عادل ٹیپو خسرو
مظفر شاہ غازی کا زمانہ — لکھا جب یہ عروس جاودانہ
کہوں کیا اس کے فرزند گرامی — ہوا ہے فتح حیدر جنگ میں نامی

مگر افسوس کہ یہ فتح ہمارے اعمال کی بدولت بہت جلد شکست سے مبدل ہوگئی۔ وہیں ان کے بھتیجے نے اپنی رومانی مثنوی ہمایوں مزاج و خجستہ لقا کو ارکاٹ کے نواب غوث خان اعظم جاہی سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام تحفۂ اعظم رکھا ہے اور نواب کی تعریف و شان میں تقریباً سو سے شعر لکھے ہیں، مزید براں ان کی زبان ٹھیٹ دکھنی ہی نہیں ہے بلکہ اس میں میسوری اردو کی تمام خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اور اپنے عقائد منظوم میں انہوں نے خود اقرار کیا ہے کہ وہ دکھنی میں لکھ رہے ہیں۔ ہم یہاں پر صرف ان کے اردو کلام کا انتخاب پیش کرتے ہیں:-

ان کی غزل کا نمونہ یہ ہے:

غزل

وصل کی رات ہے چہرے کے تئیں گلنار کرو　　زلف کی کھول شکن دل کو گرفتار کرو
زر و زیور کوں اپس حسن سوں بخشو زینت　　گال پر خال رکھو جلوۂ دیدار کرو
لب پہ مسی سیے دھری چشم میں کر سرمۂ ناز　　فتنہ عالم میں قیامت کا نمودار کرو
چاندنی رات ہے بسمپکے انگیا میں چلو　　زیر جامہ منے زرتار کے شلوار کرو
کچھ غرض گل کے حمائل سوں نہیں آج مجھے　　پھول سے ہاتھ کوں مجھ گل منے گلہار کرو
کھول لب ناز سوں آے دلبر رنگیں حرکات　　مثل غنچہ کے تبسم ستیں گفتار کرو
بےحجابی ستیں قاسم سوں ہم آغوش رہو　　بوسۂ لب سوں مرے لب کو شکربار کرو

ایضاً

کس ادا سوں آج آتی دیکھنا　　دل لجاتی کیا لجاتی دیکھنا
تن کولا خوشبو کجل نینوں میں پین　　کیا مزہ سیں پان کھاتی دیکھنا
بندیوں انگیا کے کھولے بے حجاب　　چپ دیکھاتی کیوں دکھاتی دیکھنا
. . . .　　. . . . .
بس کرو قاسم ہو کیا کہنے کی بات　　سن کے کیا طوفان لاتی دیکھنا

متفرقات

پیاری نین میں بند کیے دستے خماریاں　　کس من ہرن سوں مل کے کئے شبگزاریاں
کاکل مشک رنگ خم در خم　　حسن کے تاب سوں ہے پیچا پیچ
رنگا ہے ہاتھ کس کے خوں سے ظالم　　ترے ہاتھوں پہ یوں رنگ حنا ہے
ہوا ہے کیا سبز ہوں ظاہر میں لیکن　　حنا مانند پر خوں دل ہے میرا
دیکھا ہوں جب سوں در دسن اس رشک مہر و ماہ کا　　مشعل ہوا ہے روشن اس دم سوں میرے آہ کا
چاہ داں میں دل کے پانی انجواں کا جوش دیکر　　ہوں منتظر پیاری تیرے کرم کے چاہ کا

رباعی

شعلہ آہ کی جب شمع کھڑی رہتی ہے　　روشنی شمع کی یک دھیر دھری رہتی ہے
مت کرو ابر کوں قاسم کی انکھیاں سوں نسبت　　بادلی سوں ہی کسی وقت جھڑی رہتی ہے

صورت یار مرے دل سوں اڑی رہتی ہے　　کون کہتا ہے کہ اس رخ تیرہ پڑی رہتی ہے
کوئی نہ آئی سخی جز یار کے قاسم دل میں　　دیکھ شیشہ کو پری بہوت ڈری رہتی ہے

عروس المجالس | اب ہم ان کی تصنیف «عروس المجالس» کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ کتاب آنحضرت صلعم کی سیرت سے متعلق بارہ مجلسوں میں ترتیب دی گئی ہے۔ تاکہ ربیع الاول کی پہلی سے لےکر بارہ دنوں تک ایک ایک مجلس پڑھی جائے۔ "درسبب تالیف کے زیر عنوان ۳۱ شعر ہیں۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ:

سخن گوئی سوں بند کرکر زباں کوں　　اتہا خاموش سب شور و فغاں سوں
سخن کے دام سوں آزاد ہوکر　　اتہا ایک دھیر چپ دلشاد ہوکر
سو کتی یاران مخلص صاف سینہ　　سخن کا آ کے یو کھولے خزینہ

کہ یو چپ ہوکے رہنا نہیں ترا کام　　سخن سوں ہے ترا مشہور ترنام
سخن کہ تازگی میں جوں گلستاں　　طراوت بخش چشم و جان یاراں
سو لاتوں نظم میں حضرت کا مولود　　ترا دنیا و دیں میں ہوے بہبود

کتے جب التجا یاراں ہے یوں کر　　قبولیا بات ان کی مدعا پر
کیا نامہ شروع لکھنے کو اس دم　　سٹیا دلبر سوں سارا یک طرف غم
عروس المجلس اسکو کرکے موسوم　　کیا بارہ مجالس پر تو مقسوم

ان کی زودگوئی اور پُرگوئی کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ایک ہفتہ کے اندر پانچ ہزار چھ سو ستائیس اشعار کی یہ مثنوی مکمل کرلی۔ در بیان خاتمۂ کتاب میں لکھتے ہیں:

کیا آغاز تھا ماہ محرم[1]　　گئے تھے روز پندرہ کچھ نہیں کم
ہوا اتمام لگ کامل تو یک ماہ　　سنہ سوں تو کیا اول میں آگاہ
ثواب آخرت کی بس ہے امید　　جو پاؤں دولت سرمد جاوید

---

[1] عشرہ محرم، بارہ وفات اور گیارہویں شریف کی مجالس کی ابتدا اور اس سلسلہ میں اردو کا سرمایہ ایک بڑا دلچسپ مضمون ہوسکتا ہے امید کہ کوئی صاحب اس طرف توجہ فرمائینگے۔

غرض قائم کودتو اتناچ بس ہے — بجز اسکے نہیں تو کچھ ہوس ہے

خاتمہ کا آخری شعر یہ ہے :۔

رضا اوپر سخن پایا ہے اتمام — محمد پر کہو صلوات اکرام

کتاب کی ترتیب و تقسیم اس طرح ہے :۔ تعداد اشعار

۱ حمد	شروع نامه کروں نام خدا سوں	اچھوں ممتاز تاگنج ہدا سوں	۲۱
۲ نعت	ہوا پیدا جو رحمت عالمیں کا	سراج الاولیں اوپر آخریں کا	۲۵
۳ مناجات	کروں اب عاجزی سوں میں مناجات	منگوں رب پاس اپنے دلکی حاجات	۲۸
٤ درسبب تالیف			۳۱
۵ مجلس اول	کہوں اول سوں تا وقت ولادت	سن ہاریاں کوں ہے اسمیں سعادت	٤۱۰
٦ مجلس دوم	کروں اب مجلس دوئم کو تحریر	فضیلت سید عالم کی تقریر	۵۷۸
	کہوں تابعث لگ حضرت کا احوال	جلالت کا جو گذرا قیل اور قال	
۷ مجلس سوم	کروں اب مجلس سوم کا میں ساز	سواروں اس کوں لاکر پردہ راز	٤۰۲
	سو سارا بعث کا اس میں نشاں ہے	نبوت اور دعوت کا بیاں ہے	
۸ مجلس چہارم	کروں اب مجلس چہارم کوں پرنور	چہارم چرخ سوں لاھوتں اوپر سور	۳۸۹
	بیاں معراج کا تو اس میں ہے سب	سنو اے مجلسی تم کان دھر اب	
۹ مجلس پنجم	کروں روشن ابھی مجلس یو پنجم	ہزاروں سوں لگا کر شمع انجم	۵۲۵
	بیاں ہجرت کا اس مجلس میں لاکر	سناؤں دور نزدیکاں کوں یکسر	
۱۰ مجلس ششم	کروں اب مجلس ششم کا آہنگ	چتاروں لیا لے سارا نقش ارژنگ	٤٤٤
	بھرا ہے مجلس ششم میں یو راز	بیاں اس غار کا ہے اور اعجاز	
۱۱ مجلس ہفتم	ہے چرخ ہفتمیں ہفتم یہ مجلس	فرشتے ہیں سب اس مجلس کے مونس	۳۹۹
	لکھا ہے اسمیں مشرب مصطفےٰ کا	خواص اس معدن صدق و صفا کا	
	سھی اسمائے معظم کا بیاں ہے	غزا کا بدر کا بھی سب نشاں ہے	
۱۲ مجلس ہشتم	چلا ہے مجلس ہشتم میں کر دھیر	کرے تا احد کا سب جنگ تحریر	٤٤٦
۱۳ مجلس نہم	نہم مجلس میں سب اوصرف کرکر	کروں مجلس کے تیں ساری منور	٤۲۸
	کہوں احزاب کا قصہ بیاں وار	فتح دو بار جو پائے ہیں مختار	
۱٤ مجلس دہم	دہم مجلس گلستان صفا ہے	ہر ایک گل اس میں گلزار وفا ہے	٤۲٤

کئے تب قصد کعبے کی زیارت ہوئے تیار سلطان بشارت

۱۵ مجلس یازدہم سخن موں سوں لگا کرنے کوں پرواز کروں اب یاز دہم مجلس کوں آغاز ۵۷۱

فتح مدی کا پایا ہوں بشارت کئے جو فتح مکّے کا اشارت

۱۶ مجلس دوازدہم قلم ہو بارہویں مجلس میں جاری کیا آغار رسم اشک باری ۵۷۱

کہوں حضرت کی اب رحلت کا قصہ کہاں تک کھاؤں اس دنیا کا غصہ

۱۷ بیان ختم کتاب محمد للہ ہوا اتمام نامہ کیا یاری یہاں لگ آکے خامہ[1] ۳۸

۵۶۲۷

عقائد منظوم | قاسم کی دوسری تصنیف عقائد منظوم ہے ۔ یہ دو سو ستر اشعار کی مثنوی ہے جس میں اسلام کے ضروری عقائد سے مختلف عنوانوں کے تحت تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

ابتدائی ابیات میں مصنف نے عقائد کی اہمیت کو واضح کرنے کے بعد بتایا ہے کہ چونکہ عام لوگ عربی و فارسی سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اس لئے میں نے مولوی جامی کے ایک رسالہ « نامۂ اعتقاد » کا دکھنی نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :

مولوی جان معنوی جامی قدس اللہ سرہ السامی
کئے تلقین اور کئے ارشاد نامۂ اعتقاد کر ایجاد
فیض تا موماں کوں ہو شامل اپنا ایمان و دیں کریں کامل
ہے عقائد یہ سربسر صافی اس قدر ہر کسی کو ہے کافی
فارسی میں یہ شعر ہے روشن گوہر آبدار و دُرّ عدن
ہر کسے اس کا فہم کیا مقدور عامی اس فیض سے رہے ہیں دور
عاصی قاسم نے دھر اُمید نجات گر مدد ہووے فائض البرکات

---

[1] قاسم اور دوسرے تین شاعروں کے کلام کی فنی اور لسانی خصوصیتوں پر انشاء اللہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ہم کسی اور موقع پر اظہار خیال کریں گے۔ کیونکہ مضمون لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوکن کے ادیبوں اور شاعروں کے کارناموں کی طرف جو اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں، موجودہ ادبی مورخوں کی توجہ مبذول کرائی جائے

کر یے دکھنی زباں میں تا انجام   ترجمہ یہ عقائد اسلام
نام و تاریخ عقائد منظوم   ہو جو مقبول اہل فضل و علوم
فرض ہے اعتقاد بر تحقیق   دیوے اتمام کی خدا توفیق

اس کے بعد « اشارت فی توحید سبحانہ تعالی » « اشارت فی وجود سبحانہ تعالی » اور اسی طرح اشارات کے مختلف عنوانوں کے تحت تقریباً تیس عقائد پر روشنی ڈالی ہے۔

ناشر نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ زبان کی دکھنی خصوصیات باقی رہیں چنانچہ ناشر کی طرف سے سرورق پر جو نوٹ چھپا ہے اس میں مصنف اور رسالہ کا نام دینے کے بعد حسب ذیل جملے معذرتاً بڑھائے گئے ہیں :

« داناؤں پر واضح ہووے کہ بیشتر یہاں زبان اُردو خاص و عام میں مروج نہیں تھی۔ اگرچہ تصنیفات با برکات حضرت مرحوم کی تمام دکھنی زبان کے محاورے مطابق ہیں لیکن باوجود اصطلاح قدیم کلام فیض انجام آپ کا بہ سبب آثار قبولیت موثر قلوب انام ہے۔ اس باعث بلا تحریف کلمات و تبدیل اصطلاحات یہ رسالہ متبرک مطابق اصل واسطے فیض عام چھاپا گیا »

ابتدا : حمد اور نعت افضل و افضل   لیوں زباں پر میں اول و اول
بعد ازاں کھوں عقائد اسلام   فرض ہے اس کے بوجنا احکام
جو عقائد ہے نظم در اشعار   شعر تئیں بل ہے ابر گوہر بار

خاتمہ: دیکھیں گے موماناں سبھی بے شک   آنکھ سوں اپنے شاد ہو ہر اک
دید دیدار کی بڑی نعمت   موماناں پائیں گے یہ سب زینت
ہووے دیدار موماناں کوں تمام   مصطفےٰ پر کہوں درود و سلام

ترجمۂ چہل حدیث اس مثنوی کے ساتھ ان کا ایک اور مختصر منظوم رسالہ ترجمۂ چہل حدیث بھی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ چالیس مختصر اور فکر انگیز حدیثوں کا منظوم ترجمہ ہے۔ ہر حدیث کا ترجمہ دو شعروں میں ہے۔ ابتدا میں کوئی تمہیدی بیان نہیں البتہ آخر میں الگ سے دو دعائیہ شعر لکھے ہیں جن میں اپنا تخلص بھی استعمال کیا ہے۔ وہ دو شعر یہ ہیں :

ہے شفاعت کی تجھ ستیں اُمید یا شفیع الوریٰ بہ روز جزا
یک نظر کر غلام قاسم پر فضل و رحمت کی، ہے غریب و گدا

اس رسالہ میں بھی زبان کی دکھنی خصوصیات کو باقی رکھا گیا ہے ۔ علاوہ ازیں اس کے سر ورق پر ناشر کا جو نوٹ ہے اس سے اس رسالے اور اس کے سابقہ رسالے عقائد منظوم کے سنہ طباعت اور مطبع کا پتہ چل جاتا ہے۔ ناشر کا نوٹ یہ ہے ۔

« ترجمۂ چہل حدیث از تصنیفات حضرت مغفور مرحوم قاضی قاسم صاحب مہری علیہ الرحمہ و الرضوان ۔ پوشیدہ نماند کہ این ہر دو رسالہائے متبرک بجہت استفادۂ عامۂ مومنین و مومنات در چھاپ خانۂ فضل الدین کھمکر بقالب طبع آوردہ تاریخ ۲۷ شہر ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۲ ہجریہ مقدسہ »

ابتدا ۔ من حمل من اُمتی اربعین حدیثاً کتبہ اللہ یوم القیامۃ فقیہاً
جس نے چالیس حدیث یاد رکھا مصطفےٰ کے صفا حدیثاں سوں
نامۂ آخرت میں نام اس کا لکھ اُٹھاویں گے کل فقیہاں سوں
خاتمہ ۔ اذا تحیر تم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور
کوئی کاموں میں ہووے حیرانی یاری مردوں سے چاہئے جانا
شک نہ لیا اس میں کچھ۔ کہ مردوں میں استعینوا خبر میں ہے پانا

بابو میاں اوندیرکر فقیہ | اسلامی تاریخ میں عہد نبوی کے بعد ہمارے اخلاق کو بیدار کرنے اور روحانی جذبات کو ابھارنے والا وہ زمانہ ہے جس کو خاندان نبوت نے اپنے امٹ کارناموں سے غیر فانی بنادیا ہے ۔ ان کارناموں میں سب سے زیادہ غم انگیز اور مہتم بالشان واقعہ کربلا ہے ۔ اس المیہ کے وقت سے لے کر آج تک کوئی اسلامی ملک، کوئی اسلامی فرقہ اور کوئی اسلامی جماعت نہیں ہے جس نے اس پر ماتم نہ کیا ہو اور جس کے یہاں اس کا ذکر خیر و برکت کا سبب نہ سمجھا جاتا ہو ۔ اسی خیال سے غلام قاسم مہری کی عروس المجالس کے بعد ان کے ہم عصر شاعر بابو میاں اوندیرکر نے اس واقعہ کو اپنا موضوع بنا کر روضۃ الکا کے نام سے دس مجلسیں لکھنا شروع کیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ نو مجلسیں ہی لکھ سکے تھے کہ سنہ ۱۲۲۳ ہجری میں انتقال ہو گیا ۔ اور اس کے برسوں بعد سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں غلام علی مہری تخلص جبلی نے

دسویں مجلس لکھ کر اس کو مکمل کیا۔ غلام علی خود ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ اور وہ ہمارے سلسلے کے تیسرے شاعر ہیں۔

باپو میاں فقیہ کا خاندانی لقب اوندیرکر تھا، اب یہ لقب مختصر ہوکر اوندرے رہ گیا ہے، اور ساتھ ہی ان سے متعلق واقفیت صفر ہوگئی ہے۔ البتہ گجرات کے شعراء کے تذکرہ مخزن الشعراء میں دو سطروں میں صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ بمبئی کے رہنے والے تھے اور ان کی غزل کے دو شعر دئیے ہیں، اتفاق سے یہ پوری غزل چمن بے نظیر مطبوعہ سنہ ۱۲٦۵ ھجری میں موجود ہے۔ اس سے ان کی غزل کا تھوڑا سا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شوخ کے پان سے جب لال میں دنداں دیکھا — اس طرح کان میں تھیں لعل بدخشاں دیکھا
قوس ابرو سے جو گردوں پہ گیا تیر مژہ — اے میاں گاؤ فلک کو وہیں قرباں دیکھا
بہر روزی کے تو دنیا میں نہ مضطر ہو کبھی — میں نے دانہ کا گہر آگ میں غلطاں دیکھا
کیا کروں یار کے میں رنگ حنا کی تعریف — ہم نے ایسا نہ کہیں پنجۂ مرجاں دیکھا
اے فقیہ باغ میں جانیکی نہیں کچھ حاجت — ہمنے لڑکوں کی بغل میں ہے گلستاں دیکھا

فقیہ کو تاریخ گوئی سے بھی دلچسپی تھی، چنانچہ جامع مسجد بمبئی کی تعمیر کی تاریخ اس طرح نظم کی ہے :-

عطا کرد خالق رہ مستقیم — مکان مقدس چو دار النعیم
زہے بیت معمور باعز و شان — بسا مسجد پاک جائے عظیم

اس سال جب کہ مسجد تعمیر ہورہی تھی (سنہ۱۲۱۷ھ) بمبئی کے قلعے کے علاقے میں بڑی سخت آگ لگی اور اگر بروقت اس پر قابو نہ پا لیا جاتا تو شاید سارا شہر تباہ ہو جاتا۔ کیونکہ یہ آگ اس جگہ لگی تھی جہاں فوج رہتی تھی اور اس کے چاروں طرف بارود اور دوسرے تباہ کن مادوں کے ذخیرے تھے۔ اسی آگ میں بمبئی کے مشہور سماجی و سیاسی رہنما بدر الدین طیب جی کے والد کی دکان بھی لپیٹ میں آگئی تھی، اور انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اس کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ طیب علی صاحب پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اپنے خاندان میں اردو کو ادبی اور خاندانی زبان کی حیثیت سے رائج کیا۔ فقیہ نے آتش زدگی کے اس واقعہ کو ایک مثنوی کی صورت میں نظم کیا ہے اور پھر اس کے ایک

سال بعد جبکہ وہ علاقہ فوجی حفاظت کے خیال سے خالی کرایا گیا اور اس کی وجہ سے اس علاقہ کے باشندوں پر جو بپتا پڑی اس کا حال سنہ ۱۲۲۸ ہجری میں ایک دوسری مثنوی کے ذریعے نظم کیا ہے۔ اتفاق سے ان دونوں مثنویوں کا ایک نسخہ مجھ کو مل گیا ہے[1] انشاء اللہ کسی آئندہ صحبت میں یہ مثنویاں پیش کی جائیں گی۔

فقیہ کی وفات سنہ ۱۲۲۳ ہجری میں ہوئی ان کے کسی دوست نے یہ تاریخی قطعہ ارتحال لکھا ہے۔

ز شعرائے وقت ہمچو حامی فقیہ — بوصل خدا شد گرامی فقیہ
بہ سالش قلم رشک رخشاں نوشت — بہ منشی سخن سنج نامی فقیہ

روضۃ الشکا | ایک دیباچہ اور دس مجلسوں پر مشتمل ہے یہ مثنوی محض حصول ثواب اور خیر و برکت کے لئے لکھی گئی ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ دسویں مجلس غلام علی مہری نے مرتب کی اس کا کہنا ہے کہ:

مصنف طرفہ روضۃ الشکا کا — ہے نامی شخص ایک مرجع صفا کا
فقیہ اسم و تخلص اس کا مشہور — ہے پر سو شاعری کا جس کی مذکور
بعنوان عزاداری و اخلاص — رہے جنت میں، ہو منظور حق خاص
مہرباں قدر داں داؤد خاں نام — جمل جس کا لقب مشہور ہے عام
سو یک دن وہ بہار قدردانی — لگا کہنے با خلاص زبانی
برائے خاطر احباب و مونس — فقیہ کی میں نے چھپوائی مجالس
مگر مجلس شہادت کی دہم ہے — تصانیف مصنف سے وہ گم ہے
مناسب ہے ہوئے سلسلہ گم — شہادت نامۂ اقدس لکھو تم
لہذا۔ شہادت کی لکھی میں نے یہ مجمل — الٰہی ہو سخن مقبول ہر دل

فقیہ نے پہلے اس کا نام «محفل غم» رکھا تھا۔ لیکن اسے خواب میں ہدایت کی

---

[1] ایک یاد داشت سے جو ان کی دو تاریخی مثنویوں کی ابتداء میں درج ہے اتنا اور پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے «قصہ فتح جنگ انگریز و افغان» بھی لکھا ہے، یعنی اس لڑائی کا قصہ جس میں اکبر خان بن دوست محمد خان نے انگریزوں سے لڑائی لڑی، نظم فارسی ہے۔ اسی نوٹ میں یہ بھی مذکور ہے کہ فقیہ «ڈپوسنگاہ والے کہے جاتے تھے اور بٹلر تھے»

گئی کہ وہ اس کا نام روضاۃ البکا رکھے اس کا بیان ہے کہ :

رکھا تھا نام اس کا محفل غم   اسی شب خواب دیکھا میں نے ہر دم
جو ہیں یک پیر من میرے مقابل   کہے مجھ کو کیا جو غم کی محفل
تو اس کا نام جوں بادصبا رکھ   بہت رو رو کے روضات البکا رکھ

فقیہہ نے اس وقت تک اس سلسلے میں جو سرمایہ اردو میں جمع کیا تھا اس کا بھی ذکر کیا ہے ۔

اس مثنوی میں کل نو ہزار چار سو نو اشعار ہیں ۔ ان میں سے آٹھ ہزار آٹھ سو اکانوے فقیہہ کے ہیں اور باقی مجلس دہم کے پانچ سو اور خاتمہ کے اٹھارہ غلام علی کے ہیں ۔ فقیہہ نے اپنا تخلص تیس جگہ استعمال کیا ہے ۔

شہادت فرزندان مسلم رضی اللہ تعالی عنہما ۳۵۰

۹ مجلس ہشتم در بیان ہابیل و قابیل و غرایب است و جنگ کردن حر رضی اللہ تعالی عنہ از لشکر مقہور و شہادت یافتن حر رضی اللہ تعالی عنہ و پسر و بردار و غلام او ۱۲۹۵

۱۰ مجلس نہم در بیان شہادت یافتن یاران و دوستداران حضرت امام رضی اللہ تعالی عنہ ۱۰۷۶

شہادت حضرت عبداللہ ابن حضرت مسلم رضی اللہ تعالی عنہ ۳۳۷

۱۱ مجلس دہم بیان شادی و شہادت حضرت امام قاسم رضی اللہ تعالی عنہ ۵۰۰

۱۲ خاتمہ ۱۸

میزان ۹٤۰۹

غلام علی مہری علی | غلام علی مہری کا ایک یہی کارنامہ نہیں ہے کہ انھوں نے روضاۃ البکا کو مکمل کیا بلکہ اس کے علاوہ انھوں نے دو مثنویاں اور لکھیں ایک اپنے چچا غلام قاسم کے تتبع میں مصابح المجالس کے نام سے سیرت رسول صلعم سے متعلق ہے اور دوسری ایک حکایتی مثنوی ہے۔ اپنے چچا کی تصنیف کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ

ہر ایک مداح مدح احمدی سے ہوا محفوظ فیض سرمدی سے
خصوصاً عم میرے مقبول حاری قیامت تک ہے ان کا فیض جاری
ہیں بارہ مجلسیں جواں سے تصنیف کروں اس شعر کی کس منہ سے تعریف

. . . .

سو اُس باعث یہ فدوی جاکیا نے غلام بارگاہ مصطفیٰ نے
کیا بارہ مجالس اور منظوم کیا نادر ہر ایک میں حال مرقوم

کتاب کے نام کے متعلق ان کا بیان ہے کہ

شمائل اور فضائل کر کے منظوم کیا بارہ مجالس سب یہ مرقوم
دے مصابح المجالس نام اس کو کیا باشوق دل اتمام اس کو

کتاب سنہ ۱۲٦۰ھ میں ختم ہوئی۔

غرض جس دم ہوا گلشن یہ تیار عجب گلزار مدح شاہ ابرار
یہ چاہا میں نے تب تاریخ کر غور لکھوں اس خاتمہ میں لاکے فی الفور

سو یہ تاریخ خوش دل نے کہی ہے　　　کہ «احسن روضۂ مدح نبی ہے»

مصباح المجالس

۱۸ ۔ خاتمہ کتاب ۱۹
۱۹ ۔ سنہ تصنیف ۱۲۶۰ھ ۴۰
میزان ۷۳۱۶

تحفۂ اعظم / ایک ضخیم مثنوی ہے ۔ مخزن شعراء نے ان کا مختصراً حال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کو اس مثنوی کے صلہ میں نواب آرکاٹ سے انعام بھی ملا تھا لیکن جب وہ اس کو لے کر واپس آرہے تھے تو ڈاکوؤں نے ان کو لوٹ لیا اور یہ خالی ہاتھ واپس آئے ۔ فارسی میں بھی مشق سخن کرتے تھے چنانچہ بعض کتابوں کے خاتمہ کی تاریخیں فارسی میں بھی لکھی ہیں ۔

اس وقت تحفۂ اعظم کے دو مطبوعہ نسخے ہمارے سامنے ہیں ۔ ایک سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں مطبع فصل الدین کھمکر بمبئی کی طرف سے شائع ہوا ہے اور دوسرا مثنوی خجستہ لقا کے نام سے سنہ ۱۲۶۹ ہجری میں مطبع مصطفائی لکھنؤ کی طرف سے شائع ہوا ہے ۔ دونوں میں زبان اور بیان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے ۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ لکھنؤ کا نسخہ بمبئی کے نسخہ ہی کی مکمل نقل ہے ۔ اس میں محمد حسین کھٹکھٹے کا قطعۂ تاریخ بھی موجود ہے ۔ کھٹکھٹے بمبئی کا ایک مشہور کوکنی خاندان ہے ۔ جس میں دوسرے کوکنی خاندانوں کی طرح بہت سے عالم اور شاعر گذرے ہیں ۔ جامع مسجد کے موجودہ ناظر جناب شیخ محمد کھٹکھٹے کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے ۔

یہ ایک رزمیہ مثنوی ہے جس کے بنیادی کردار خجستہ لقا اور ہمایوں مزاج ہیں ۔ خجستہ شہر صبا کے بادشاہ کی لڑکی ہے اور ہمایوں مزاج ہندوستان کا شہزادہ ۔ دونوں میں جادوے بند نام کی ایک ڈومنی کی وجہ سے محبت ہو جاتی ہے ۔ اور ہزاروں رکاوٹوں کے بعد محبت کے یہ دو متوالے آپس میں ملتے ہیں ۔ اور والدین کی منظوری سے شادی کر کے خوش و خرم زندگی بسر کرتے ہیں ۔

مثنوی کی ابتدا میں حمد، نعت، مناجات، تعریف سخن اور مدح نواب غوث خاں کا بیان ہے ۔ اور خاتمہ میں مثنوی کے مقبول عام ہونے کی دعا اور بعض تاریخی مادے ہیں ۔ علی نے یہ مثنوی میر حسن کی مثنوی کے جواب میں لکھی ہے، اور اس سلسلہ میں اپنے ممدوح نواب غوث خاں کو آصف الدولہ سے بڑھاتے ہوئے وجہ امتیاز کو بڑے لطیف پیرائے میں اس طرح ظاہر کیا ہے :

وہ ہے کون نواب گیتی ستاں — خداوند جاہ و حشم غوث خاں
ہے مدراس زیر نگیں اس کے سب — کہ مشہور ہے دارِ علم و ادب
یہ دورِ امیر فلک اقتدار — بجا ہے «حسن» پر کروں افتخار
یہ ممدوح کی اس کے توصیف ہے — «کہ اک دن دو شالے دیئے سات سے»
یہ اس کانِ بخشش کا ہے یہ مدار — کہ اک دن میں بخشے خزانے ہزار

اس مثنوی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مختلف مضامین کے لئے ذیلی عنوانات کے طور پر جن فارسی اشعار کو استعمال کیا گیا ہے ان کو الگ کر لیا جائے تو ایک مستقل قصیدہ ہو جاتا ہے ۔

ابتدا: لکھا نام حق پہلے بہر شگوں — قلم نے بدیباچۂ کاف و نوں
یہ ہیبت سے اس کی کٹی لاکھ سال — رہا سر بسجدہ ہو مفتون و لال
اٹھا لوح سے پھر جبین نیاز — لگا کہنے اے خالق جاں نواز
خاتمہ: بسے سنگ خارا برا فراشتم — نظر سوے لعلِ گراں داشتم
شد آویزہ ناگہ بگوش مراد — فلک گفت منظور نواب باد
یہ تاریخ اردو میں رنگین ہے — یہی خانۂ لعبت چین ہے
۱۲۶۲

قطعۂ تاریخ از محمد حسین کھٹکھٹے :۔

بنا گلدستہ جب یہ خوب و دلخواہ — کہا ہر اک نے اس کو دیکھ واہ واہ
تب آیا جوش دل سے بر زبان زود — یہ لاثانی ہوئی ہے مثنوی واہ۔[1]
۱۲۶۲

قاضی محمد یوسف مرگھے قاضی یوسف مرگھے اگرچہ اس سلسلہ کی سب سے آخری کڑی ہیں لیکن حقیقت میں وہ سب سے بڑی کڑی ہیں ۔ انہوں نے کافی طویل عمر پائی تھی ۔ ان کی تمام تصانیف مذہبی ہیں۔ ان کے پیشتر تین شعراء نے دوازدہ مجالس اور دہ مجالس لکھی ہیں ۔ انہوں نے اس کو مکمل کرنے کے لئے حضرت عبدالقادر جیلانی کے حالات سے متعلق گیارہ مجلسیں لکھی ہیں اور اس مجالس کے

---

[1] اس مثنوی پر ایک سیر حاصل مضمون ہمارے لائق دوست سخاوت مرزا نے ہمارے پاس بھیجا ہے، جو انشاءاللہ کسی قریبی اشاعت میں شائع ہوگا ۔

مجموعہ کا نام زین المجالس رکھا ہے۔ زین المجالس ادبی حیثیت سے بھی اپنے پیشرو شعراء کی ادبی پیداواروں سے بہت بلند ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے تمام پیش روؤں سے علم و فضل میں زیادہ تھے اور عمر بھی کافی پائی تھی۔

مرگھے خاندان تقریباً سوا سو سال سے بمبئی شہر میں مسند قضا پر متمکن ہے اور آج بھی قاضی یوسف کے پوتے قاضی محمد حسین مرگھے اور قاضی محمود مرگھے قضا سے متعلق فرائض انجام دے رہے ہیں۔ قاضی یوسف کے والد کا نام محمد حسین مرگھے تھا۔ قاضی صاحب کے والد کا انتقال ان کے لڑکپن ہی میں ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی شیخ محمد علاؤالدین کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سرکاری ملازمت کے سلسلے میں سندھ گئے اور جب وہاں سے واپس آئے تو سنہ ۱۸۳۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے صدر امور مملکت سورت گجرات نے ان کو قاضی شہر مقرر کیا، وہ تاحیات اس فرض کو انجام دیتے رہے۔ ان کا انتقال شب آدینہ ماہ محرم سنہ ۱۲۸۳ ھجری میں ہوا۔ وفا نے یہ تاریخ کہی

چوں وفات قاضی یوسف بسوئے مہر عدم ز رحلتش بہ دل جملہ مومناں غم بود
وفائے زار رقم کرد سال آں زنکا شب آدینہ و عاشورۂ محرم بود

مولانا یوسف کھتکھتے نے «تاریخ کوکنیاں» کے نام سے ایک مختصر تذکرہ مرتب کر کے شروع کیا تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ چند صفحات سے زیادہ نہ بڑھ سکا، اس میں ہماری خوش قسمتی سے قاضی یوسف بھی ہیں۔ قاضی محمد یوسف مرگھے کے حالات زندگی پر حسب ذیل جملے اس میں ملتے ہیں۔

«قاضی صاحب حافظ قرآن تھے۔ مولوی اسمٰعیل رتناگیری کے خط سے جو زین المجالس چھپی ہے اس میں لفظ حافظ ان کے نام کے ساتھ ہے۔ میں نے یہ بات قاضی محمد علی مرگھے سے بھی سنی تھی اور یہ بھی سنا تھا کہ آپ نے بہت تھوڑے عرصہ میں حفظ قرآن کیا۔ فن قرأت کے ماہر تھے»

«آپ کو مختلف علوم و فنون میں دخل تھا۔ کتابوں، سکّوں، قیمتی پتھر وغیرہ اشیاء جمع کرنے کے شائق بھی تھے۔ آپ مرجع مسلمین تھے غیر مسلم قوموں میں بھی آپ کی بڑی عزت تھی۔ اور آپ کے دوست بڑے بڑے معززین تھے»

«چورانوے سال کی عمر میں روز پنجشنبہ ۴م ماہ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۳ ہجری بعد نماز عصر آپ فوت ہوئے اور بعد نماز مغرب تاد خدا صاحب کی باڑی میں مسجد مقبہ صاحب کے جنوب سے متصل کی زمین میں دفن ہوئے»

«علاؤ الدین خطیب لکھتے ہیں کہ تاریخ سوچتے وقت مجھے الہام آیۂ «الا إن اولیاء الله لا خوف علیهم و لاهم یحزنون» ہوا»

کتاب میں انہوں نے حمد نعت وغیرہ کے بعد اپنے پیر اور استاد کی تعریف میں بھی اشعار لکھے ہیں اور ان میں صنعت توشیح استعمال کی ہے اگر اس حصہ کے تمام مصرعوں کے پہلے حروف ترتیب وار لکھے جائیں تو پیر اور استاد کے نام معلوم ہو جاتے ہیں۔ ان کے پیر کا نام حضرت دلدار شاہ قاری قدس الله سرہ اور ان کے استاد کا نام مولوی میر عبدالله دہلوی تھا۔ انہوں نے اپنے عہد کے دو شعراء علام قاسم مہری اور باپو میاں فقیہہ کا ذکر بڑی محبت و ادب سے کیا ہے اس کے علاوہ اپنے دوست معین الدین مقری کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ مثنوی دراصل انہیں کی تحریک سے لکھی گئی ہے۔ اس کی تصنیف میں مندرجہ ذیل چار کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

مناقب عزیزیہ۔ تحفۂ راغبین۔ قلائد الجواہر اور سفینۃ الاولیاء اس مثنوی میں ۴۹۵۳ اشعار ہیں۔

۱	حمد	۸	۱۰	مجلس چہارم	٤٦٦
۲	نعت	۱۹	۱۱	مجلس پنجم	٤٦٧
۳	پیر کی تعریف میں	۱۵	۱۲	مجلس ششم	٤٥١
٤	استاد کی تعریف میں	۱۵	۱۳	مجلس ہفتم	٤٤٤
٥	مناجات	۲۲	١٤	مجلس ہشتم	۳۸۱
٦	مجلسیں بنانے کے سبب میں	۲۱	۱۵	مجلس نہم	٤۳۱
۷	مجلس اول	٤۰۰	۱٦	مجلس دہم	٤۰۲
۸	مجلس دوم	٤۸۷	۱۷	مجلس یازدہم	٤۳۳
۹	مجلس سوم	٤۲۲	۱۸	خاتمہ	٦۳

میزان ٤۹٥۳

زینت المجالس | اگر ان کی پہلی کتاب سب سے بڑے اور مشہور صوفی بزرگ سے متعلق ہے تو ان کی دوسری نایاب مثنوی قطب کوکن حضرت مخدوم علی فقیہ مہائمی کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس وقت تک اس مثنوی کے صرف ایک قلمی نسخہ کا پتہ چلا ہے۔ سبب تالیف میں لکھتے ہیں کہ:

بہت دن سے تھی آرزو مجھ کو یوں — کہ ہندی میں ان کے مناقب لکھوں
جو ہیں قطب کوکن امام ہمام — وے مخدوم صاحب معلا مقام

اتفاق سے اس کو

لگی ہاتھ میرے کتاب صحیح — ہے عربی زباں میں بیان فصیح
جو ہے اس ولی کی ساتھی ہوئی — تھے کلیاں میں قادری مولوی
کہ سید ابراہیم ہے ان کا نام — خدا ان پہ رحمت کرے مستدام

چنانچہ اس کو ماخذ بناکر یہ مثنوی مرتب کی گئی اور

تحوی ہوئی ایک مجلس تمام — رکھا زینت المجلس اب اس کا نام
بتوفیق حق کیا جکہ لکھ کے بس — تو تھے بارہ سو بائیس ہجری برس
۱۲۲۲

کفائت الاسلام | اس کے علاوہ قاضی صاحب نے فقہ شافعی پر ایک منظوم رسالہ لکھا ہے۔ اس کا نام کفائت الاسلام رکھا ہے۔ سبب تصنیف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

مختصر یہ کفائت الاسلام — ہیں بیاں اس میں دین کے احکام
ہے مرتب جو در مقاصد سے — ایک مقصد تو ہے عقائد سے
ہے عبادت ہی مقصد ثانی — عملاً مسئلے فقیہانی

یہ پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۶۰ھ میں ایک کوکنی محمد حسین ولد احمد کھٹکھٹے کے چھاپہ خانہ میں چھاپا گیا۔

اس کے علاوہ قاضی یوسف نے متعدد مسدس، ترجیع بند، ترکیب بند اور غزلیں لکھی ہیں۔ یہ نظمیں، حمد، نعت، مناجات وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

امتیاز علی عرشی

قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں

جولائی سنہ ۱۹٤٤ء کا ذکر ہے کہ مکرمی سید محی الدین قادری زور صاحب نے ادارۂ ادبیات اُردو کے زیر اہتمام ‹اُردو کانگرس› کے نام سے ایک کُل ہند جلسہ کیا تھا۔ ریاست رام پور کے نمایندے کی حیثیت سے مجھے بھی اُس میں شرکت کا موقع ملا۔ کانگرس کے اجلاس سے فارغ ہوکر میں نے ادارۂ ادبیات اُردو کا کتاب خانہ دیکھا، اور پھر کتاب خانۂ آصفیہ میں تھوڑا سا وقت گزارا۔ وہاں سے واپسی میں بمبئی پہنچا۔ یہاں کی جامع مسجد کے کتاب خانے کی شہرت سنی تھی ایک دن وہاں رہ‌کر اس کتاب خانے کی سیر کی، اور دونوں جگہ قدیم اخباروں اور رسالوں کے فائلوں کو زیادہ دیکھا، دوسری کتابوں کی طرف توجہ گویا نہیں کی۔

اخباروں میں جو باتیں کام کی نظر آئیں، اُنھیں کاغذ کے پرزوں پر نوٹ کرتا گیا، تاکہ رام پور پہنچ‌کر اُنھیں ایک مضمون کی شکل میں مرتب کرکے اہل ذوق کی خدمت میں سفر کی سوغات کے طور پر پیش کردوں۔ مگر دن ہفتے، ہفتے مہینے، اور مہینے سال ہوتے چلے گئے، اور یہ ذخیرہ یوں ہی پڑا رہا، اور میں انھیں بھول سا گیا۔

یہ کاغذ کے پُرزے میں نے دیوان غالب اُردو (مرتبۂ خود) کے مسودے میں رکھ دئیے تھے۔ اب جو یہ دیوان انجمن ترقی اُردو (ہند) کے زیر اہتمام چھپنا شروع ہوا، تو دوران طباعت میں مجھے بار بار مسودے کی ورق‌گردانی کرنا پڑی اور یہ کاغذ کئی بار میری نظر سے گزرے۔ چونکہ ان میں بہت سی کام کی باتیں درج تھیں جی نے گوارا نہ کیا کہ احباب تک ان کو نہ پہنچاؤں، اور کثرت کار اور صحت کی خرابی دونوں موانع کو نظر انداز کرکے مقالۂ ہذا مرتب کیا۔ اُمید ہے کہ اہل ادب اسے دلچسپی سے ملاحظہ فرمائیں‌گے۔

میں نے بڑی جلدی میں ضروری باتیں نوٹ کی تھیں، اور بمبئی میں خصوصیت

کے ساتھ صرف اشارے لکھ لئے تھے، اب کہ ۱۳ برس بیچ میں گزر چکے ہیں، ان اشاروں میں سے متعدد کا مطلب میں بے اٹکل سے سمجھا ہے۔ اس لئے بعید نہیں کہ مجھ سے رسائل کی تاریخیں وغیرہ لکھنے میں غلطی ہوگئی ہو، لہٰذا جو اصحاب ان پر کام کرنا چاہیں، وہ محولہ کتاب خانوں سے مزید تصدیق کرلیں۔

(۱) دہلی اُردو اخبار | ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد میں دہلی اُردو اخبار کی متعدد جلدیں محفوظ ہیں۔ ان کی ورق گردانی کر کے حسب ذیل دلچسپ اطلاعیں میں نے نقل کی تھیں۔

(۱) دہلی اُردو اخبار صفحہ ٤ جلد ۱۳، شمارہ ۱۳، مورخہ ۳۰ مارچ سنہ ۱۸۵۱ء مطابق ۱۹ جمادی الاول سنہ ۱۲٦۷ھ روز یکشنبہ، میں لکھا ہے کہ

"قصیدہ جو کہ نواب محمد اسد اللہ خاں صاحب المتخلص بغالب نے مدح سدگان حضور والا میں نو روز کے دن پڑھا تھا، اس ہفتے میں ہمارے پاس آگیا تھا۔ سو واسطے تفریح ناظرین اخبار کے درج ہوتا ہے:

خرشید بہ بیت الشرف خویش درآمد ر اسان کہ شہنشاہ بہ اورنگ برآمد

اخبار مذکور میں اس کے ٤٥ بیت چھپے ہیں، کلیات نظم فارسی (صفحہ ۲۲٦ نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۸٦۳ء - ۱۲۷۹ھ) میں بھی اتنے ہی شعر طبع ہوئے ہیں۔

(۲) اخبار مذکور، صفحہ ٤، جلد ۱۳، شمارہ ۱۹، مورخہ ۱۱ مئی سنہ ۱۸۵۱ء مطابق ۸ رجب ۱۲٦۷ھ، روز یکشنبہ، میں لکھا ہے کہ

"اس ہفتے میں ایک غزل نواب اسد اللہ خاں صاحب بہادر المتخلص بغالب کی ہمارے ہاتھ آئی، سو درج اخبار ہوئی۔

کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

اخبار مذکور میں اس غزل کے ۹ بیت چھپے ہیں۔ اتنے ہی دیوان اُردو میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

(۳) اخبار مذکور، صفحہ ۲، جلد ۱۳، شمارہ ۲۱، مورخہ یکشنبہ ۲۵ مئی سنہ ۱۸۵۱ء مطابق ۲۲ رجب سنہ ۱۲٦۷ھ، میں لکھا ہے کہ

"شقہ شاہی اس مضمون کا آیا کہ نسبت ازدواج مرزا محمد جواں بخت بہادر کی صبیۂ محمد خاں پسر نواب احمد قلی خاں بہادر سے قرار پائی ہے۔

سو واسطے دینے مصارف شادی کے زر اضافہ سے صدر والا قدر میں لکھا جائے۔ چنانچہ نقل شقه مع چٹھی انگریزی صدر کو روانه کی گئی۔»

مکرمی جناب آغا حیدر حسن دہلوی، استاد نظام کالج حیدرآباد نے مجھ سے بیان فرمایا تھا که مرزا جوان بخت بہادر کی بیگم ولی داد خان والی مالاگڈھ کی بھانجی تھیں۔

(٤) اخبار مذکور صفحه ۳ ج ۱۳، شماره ۲۲، مورخه یکشنبه یکم جون سنه ۱۸۵۱ء مطابق ۲۹ رجب سنه ۱۲٦۷ھ میں لکھا ہے که

«اخبار آگره سے واضح ہوتا ہے که ۱۷ تاریخ مئی سنه حال کو لاشه نواب ذوالفقار الدوله بہادر رئیس باندہ کا باندہ سے آگره میں پہنچا، اور خبر تھی که ایک دو دن میں طرف دہلی کے روانه ہوگا، اور قرب و جوار روضۂ منورۂ بزرگان دین میں که سواد دہلی میں مدفون ہیں، دفن کیا جائے گا۔ صاحب اخبار لکھتے ہیں که نواب مرحوم بہت سخی اور بامروت تھے۔ اور اس زمانے میں اپنا عدیل و نظیر نه رکھتے تھے۔»

پھر دہلی کی خبروں میں لکھا ہے که

«سنا گیا که جنازه نواب صاحب، والی باندہ کا سواد دہلی میں آپہنچا ہے۔ کہتے ہیں که پانچ چھ سو آدمی اور کچھ ہاتھی گھوڑے وغیره ساتھ جنازۂ نواب صاحب موصوف کے ہیں۔ اور جوار خواجه صاحب میں دفن کیا جائے گا۔»

باندے کا یه خاندان مرزا غالب کا ممدوح رہا ہے۔ چنانچه خود نواب ذوالفقار الدوله بہادر کی مدح میں اُن کا ۲۲ بیت کا فارسی کا یه قطعه کلیات نظم فارسی (صفحه ۲۲ نولکشور لکھنؤ سنه ۱۸٦۳ء مطابق ۱۲۷۹ھ میں چھپ چکا ہے:

اے نیلگون حصار فلک بارگاه تو   وے بارگاه تو زحوادث حصار من

نواب علی بہادر والی باندہ کا ذکر ایک اردو غزل کے اس مقطع میں کیا ہے:

غالب، خدا کرے که سوار سمند ناز   دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

(٥) اخبار مذکور صفحه ۱ ج ۱۳، شماره ۲۵، مورخه ۲۲ جون سنه ۱۸۵۱ء مطابق ۲۱ شعبان سنه ۱۲٦۷ھ میں لکھا ہے که

«مشہور ہے که حضور والا نے جو صدر عالی قدر میں لکھا تھا که سرکار

انگریزی سے جو واسطے دینے دس ہزار روپیہ سالانہ کے عوض نذور عید الضحی و عید الفطر اور نو روز اور جشن اور سالگرہ کے تجویز ہوئی تھی، ان دنوں کہ خرچ شادی مرزا محمد جوان بخت بہادر شاہزادہ خورد سال کا در پیش ہے، بابت نو برس کے یک مشت دیا جاوے۔ سو اس باب میں صدر سے جواب آگیا ہے»

(٦) اخبار مذکور صفحہ ٤، ج ۱۳، شمارہ ۲٦. مورخہ ۲۹ جون سنہ ۱۸۵۱ء مطابق ۲۸ شعبان سنہ ۱۲٦۷ھ میں لکھا ہے کہ

«ایک غزل حضور والا کی اس ہفتے میں جناب شیخ محمد ابراہیم صاحب ذوق استاد حضور والا سے ہمارے ہاتھ آئی۔ سو واسطے تفریح طبع ناظرین اخبار کے مطبوع ہوئی ہے:

یا آئے اجل، یا صنم عربدہ جو آئے ایسا نہ ہو یارب کہ نہ یہ آئے، نہ وہ آئے

اس غزل کے ١٤ بیت ہیں، اور اتنے ہی دیوان ظفر جلد ۳ صفحہ ۱۳٦ (مطبع امو جان دہلی) میں بھی چھپے ہیں۔ ظفر کی یہ غزل غالب کی مذکورۂ بالا غزل کی ہم طرح ہے۔

(۷) اخبار مذکور، صفحہ ٤، جلد ۱۳، شمارہ ۵۰، مورخہ ١٤ دسمبر سنہ ۱۸۵۱ء مطابق ۲۰ صفر سنہ ۱۲٦۸ھ میں لکھا ہے کہ

«۹ تاریخ روز سہ شنبہ کو میاں کالے صاحب پیرزادہ، پیر حضور والا بعد رنجوری صرف چند روز کے ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اُسی روز جنازہ اُن کا واسطے دفن کرنے کے خواجہ صاحب میں لے گئے۔ اور اکثر شاہزادہ اور سلاطین اور سیکڑوں مسلمان ہند کے جنازہ کے ساتھ گئے۔»

یہ وہی کالے صاحب ہیں، جن کے مکان میں قید فرنگ سے چھوٹ کر مرزا صاحب رہے تھے، اور کسی کے سوال پر از راہِ لطف کہا تھا کہ کون کہتا ہے کہ میں نے قید سے رہائی پائی، ہاں پہلے گورے کی قید میں تھا، اب کالے کی قید میں ہوں۔

(۸) اخبار مذکور، صفحہ ٤، جلد ١٤، شمارہ ۱۳، مورخہ ۲۸ مارچ سنہ ۱۸۵۲ء مطابق ٦ جمادی الثانی سنہ ۱۲٦۸ھ، میں مرزا غالب کا سہرا، ذوق کا جواب

سہرا اور پھر غالب کا قطعہ اعتذازیہ یہ تینوں نظمیں اس تمہید کے ساتھ چھاپی ہیں:

«حسب الحکم حضرت سلطانی خلد اللہ ملکہ، جو جناب نجم الدولہ اسد اللہ خاں غالب اور جناب خاقانی ہند، ملک الشعرا شیخ محمد ابراہیم خاں ذوق نے بتقریب شادی مرزا جوان بخت بہادر مرشد زادۂ آفاق کے کچھ اشعار بسبیل مبارک بادی سہرا اس ہفتے میں حضور سلطانی میں سرِ دربار گزرانے تھے، معہ چند اشعار علاوہ اس کے جو خاص - نجم الدولہ بہادر نے پھر گذرانے، واسطے حظ اور کیفیت اپنے ناظرین اہل نصر و بصیرت و ماہرین و واقفین فصاحت و بلاغت کے بموجب ترتیب در پیش ہونے کے ہم درج اخبار کرتے ہیں»

غالب کے سہرے میں ۱۲ بیت ہیں، اور یہ دو مصرع مشہور قرأت کے کچھ خلاف ہیں:

(۱) سات دریا کے کیے ہوں گے فراہم گوہر

(۲) رُخ پہ دولہ کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا

قطعہ اعتدازیہ کا یہ شعر بھی قابل لحاظ ہے، جس کے دوسرے مصرع میں موجودہ نسخوں کے مقابلے میں الفاظ بدلے ہوئے ہیں:

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری علم‌وکمال وفضل سےنسبت نہیں مجھے

(۹) اخبار مذکور، جلد ١٤، شمارہ ١٥، مورخہ ١١ اپریل سنہ ۱۸۵۲ء مطابق ۲۰ جمادی الثانی سنہ ١٢٦٨ھ میں بعنوان «شادی مرشد زادۂ آفاق» لکھا ہے کہ

«۲۷ مارچ سال حال کو ساچق مرشد زادۂ آفاق مرزا جوان بخت بہادر کی بڑی دھوم دھام سے کی گئی۔ حضور والا بنفسِ نفیس مع اراکین دولت و جلوس رونق بخش تھے ۰ ۰ ۰ ۰

بالجملہ ۳۱ مارچ کو خانبدی اور یکم ماہ حال کو برات اور دوسری کو وداع عروس، جہیز وغیرہ از طرف ولی داد خان بہادر بھی رائد از متخیلۂ خاص و عام نمایاں ہوا۔»

مرزا غالب نے ۲۰ شعر کا ایک فارسی قطعہ اس جشن شادی و سواری شہ کی میلو کینابھ پر لکھا تھا، جو کلیات فارسی صفحہ ۳۰، نولکشور لکھنؤ سنہ ۱۸٦۳ء مطابق سنہ

۱۲۷۹ھ میں شائع ہوچکا ہے اور اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

بہارء در چمن امداد گل فشانی کرد   بشاخ نخل تمنا، ثمر مبارک باد

(۱۰) اخبار مذکور، صفحہ ۹، جلد ۱٤، شمارہ ۱۸، مورخہ ۲ مئی سنہ ۱۸۵۲ء مطابق ۱۱ رجب سنہ ۱۲٦۸ھ میں لکھا ہے کہ

"حکیم فقیر سید نور الدین محمد صاحب بخاری ملازم رنجیت سنگھ نے ٦٤ سال کی عمر میں ٢٦ مارچ ۱۸۵۲ء کو شام کے وقت انتقال کیا۔ اُن کے بھائی فقیر عزیز الدین صاحب اُن سے پہلے فوت ہوچکے ہیں۔"

اُن دونوں بھائیوں کے مکاتیب کا ایک مجموعہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے، جس میں تقریباً سنہ ۱۸۳۹ھ تک کے لکھے ہوئے خط شامل ہیں۔

(۱۱) اخبار مذکور، صفحہ ٤، جلد ۱٤، شمارہ ۳۲، مورخہ ۲۸ اگست سنہ ۱۸۵۲ء مطابق ۲۱ شوال سنہ ۱۲٦۸ھ میں لکھا ہے کہ

"اس ہفتے میں جو مشاعرہ جناب نور الدین بہادر دام اقبالہ المتخلص بہ شاہی، نبیرۂ جناب مرزا سلیمان شکوہ بہادر مرحوم نے کیا، جو کہ لکھنؤ سے تشریف لائے ہیں، غزلہای شاعران کثیر پڑھی گئیں۔ اور شاہزادۂ والا تبار اکثر رونق افروز محفل مشاعرہ تھے۔ ایک غزل جناب مرزای ممدوح یعنی میر مشاعرہ اور غزل نجم الدولہ محمد اسد اللہ خان بہادر المتخلص غالب کی راقم اخبار کے پاس پہنچی، سو درج اخبار ہوئی۔

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں"

اخبار مذکور میں غزل کے اتنے ہی شعر چھپے ہیں، جتنے دیوان میں ملتے ہیں۔

(۱۲) اخبار مذکور، مورخہ ۳ اکتوبر سنہ ۱۸۵۲ء مطابق ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۲٦۸ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ روز جمعہ ۹ ذی حجہ مطابق ۲٤ ستمبر سنہ رواں کو پیشگاہ سلطانی سے بھی مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر کی ولیعہدی کا تقرر عمل میں آیا۔

یہ شاہزادے، غالب کے ممدوح اور مربی اور شاگرد تھے۔ کلیات نظم فارسی

میں ان کی مدح کے ۲ قطعے ایک مثنوی اور ۳ قصیدے پائے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں نولکشوری نسخے کے صفحات ۳۳، ۳٦، ۱۱۱، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۰۵، قصائد میں سے

داور سلطان نشان آید ہمی　　سرور گیتی ستان آید ہمی

خاص توقیع ولیعہدی سے متعلق ہے، کیونکہ اس میں غالب نے کہا ہے

نامہ توقیع ولی عہدی بود　　ملک و دولت ارمغان آید ہمی

(۱۳) اخبار مذکور، جلد ١٤، شمارہ ٤١، مورخہ ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۵۲ء مطابق ۲۵ ذیحجہ سنہ ١٢٦٨ھ میں مرزا غالب کا یہ ٤٠ بیت کا قصیدہ چھپا ہے، جو بہادر شاہ ظفر کی سالگرہ کی مبارک باد پر مشتمل ہے:

ردیف شعر ار ان کردم اختیار گرہ　　کہ از منست براروی شہر یار گرہ

کلیات نظم فارسی (نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۲۰-۲۲۲) میں یہ قصیدہ چھپ چکا ہے۔

(١٤) اخبار مذکور، جلد ١٥، شمارہ ٥، مورخہ ۳۰ جنوری سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۱۹ ربیع الثانی سنہ ١٢٦٩ھ کے آخر میں مرزا محمد نور الدین بہادر متخلص بہ شاہی کا ایک مخمس درج ہے، جو اُنھوں نے مرزا جوان بخت بہادر کی بیگم کے غسل صحت کے موقع پر دربار میں پڑھا تھا۔ اُس وقت محفل رقص و سرود بھی منعقد کی گئی تھی۔

(١٥) اخبار مذکور، صفحہ ۳، جلد ١٥، شمارہ ٧، مورخہ ۱۳ ماہ فروری سنہ ۱۸۵۳ء مطابق جمادی الاول سنہ ١٢٦٩ھ میں لکھا ہے کہ

«ایک مخمس جناب صاحب عالم مرشد زادۂ بہادر مرزا محمد نور الدین المتخلص بہ شاہی کا، جن کے محامد اوصاف اخبارات گذشتہ میں لکھے تھے، اس ہفتے میں ہم نے پایا۔ تحقیق سنا گیا کہ بفرمودۂ بندگان حضور والا جناب نجم الدولہ اسد اللہ خاں غالب سحر بیان نے ایک غزل اسی ہفتے میں لکھی تھی۔ اور اس مقصود سے وہ غزل لکھوائی گئی تھی کہ مصرع لگانا جس میں دشوار بلکہ ناممکن ہو۔ صاحب عالم بہادر ممدوح نے ادنی غور و تامل میں کمال عجلت سے مخمس طیار کرکے پڑھ دیا۔ حضور والا اور سب حضار دربار والا نے نہایت پسند

کیا۔ اور حضور نے پانچ دفعہ اس مخمس کو پڑھوایا اور بہت خوش ہوئے۔ اور سب لوگوں کو کمال تعریف و توصیف سے تر زبان پایا، جہاں سبحان اللہ سبحان اللہ کے سوا کوئی لب نہ ہلاتا تھا»

شاہی نے غالب کی اس غزل کو تخمیس کیا ہے:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں اُٹھائے کیوں

لیکن میری حقیر رائے میں صاحب عالم نے مصرعے بہت معمولی ہم پہنچائے ہیں۔ تعریف کی وجہ شاہزادگی کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتی۔

(۱۶) اخبار مذکور، جلد ۱۵، شمارہ ۱۰، مورخہ ۱۶ مارچ سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۲۵ جمادی الاول سنہ ۱۲۶۹ھ میں قلعہ معلی کے مشاعرے کی غزلیں درج کی گئی ہیں۔ ان میں غالب کی بھی یہ غزل ہے

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو کہے سے کچھ نہ ہوا، پھر کہو، تو کیونکر ہو

اس غزل کے شعروں کی تعداد ۱۰ ہے۔ تیسرے شعر میں ہے: « ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیجے کیا» دیوان مطبوعہ میں بھی اتنے ہی شعر چھپے ہیں، مگر مذکورہ مصرع یوں ہے «ادب ..... تو کیا کیجے»

(۱۷) اخبار مذکور، صفحہ ۰۴، جلد ۲۵، شمارہ ۱۳، مورخہ ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۱۶ جمادی الثانی سنہ ۱۲۶۹ھ میں اخبار قلعہ معلی کے تحت لکھا ہے کہ:

« کہتے ہیں دو ایک شاہزادۂ والاتبار اولاد مرزا سلیمان شکوہ بہادر سے محلی علم و فراست اندنوں میں آئے ہوئے ہیں۔ بعضے عقلاء کی یہ رائے ہے کہ اگر اُن کی صحبت برآر اور اُن کی رائے پر کوئی دن کاروبار ہوا، اور یار لوگوں کی کارستانی کچھ دن چل نہ گئی، تو البتہ رونق اس سلطنت کی کما ینبغی مامول ہے۔ اغلب ہے کہ وہ پنچایتی خودمختاری میں شریک نہ ہوں گے۔ »

(۱۸) اخبار مذکور، جلد ۱۵، شمارہ ۱۴، مورخہ ۳ اپریل سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۲۳ جمادی الثانی سنہ ۱۲۶۹ھ کے تتمے میں مرزا غالب کا ایک فارسی قصیدہ بعنوان «قصیدۂ تہنیت عید الضحی تصنیف نجم الدولہ محمد اسد اللہ خاں بہادر غالب» چھپا ہے

اس کا مطلع ہے :

داد کُو تا ستم بر اندازد طرح نہ چرخ دیگر اندازد

قصیدے کے ۷۷ شعر ہیں اور اسے اخبار مطبع سلطانی سے نقل کرکے چھاپا گیا ہے۔ بین السطور میں چند فارسی لفظوں کے ہندی مترادفات بھی، جو دراصل خود غالب کے نوشتہ ہیں، درج کئے گئے ہیں۔ وہ الفاظ مع معانی حسب ذیل ہیں:

۱۔ کچه (چھلا) ۲۔ یاره (کڑا) ۳۔ خلخال (جھانجن) ٤۔ پرگر (ہسلی)

٥۔ انیت (بمعنی خہےو زہے) ٦۔ اخلگندد (جھجھنا) ۷۔ فرفر (پھرکی)

غالب کے قصیدے کے بعد حافظ غلام رسول خاں ویراں شاگرد ذوق کا اسی زمین کا قصیدہ چھاپا گیا ہے۔

مذکورۂ بالا قصیدۂ غالب، کلیات فارسی (صفحہ ۲٤۳۔۲٤۷) میں چھپ گیا ہے اور ۷۷ شعروں پر ہی مشتمل ہے۔

(۱۹) اخبار مذکور، جلد ۱۵، شمارہ ١٦، مورخہ ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۷ رجب سنہ ۱۲٦۹ھ کے تتمے میں غالب کا ایک مخمس درج ہے، جو بہادر شاہ ظفر کی غزل پر لکھا گیا ہے، خود یہ غزل اُن کے ماہ صفر سنہ ۱۲٦۷ھ کے مطبوعہ دیوان (صفحہ ۲٦۸) میں موجود ہے۔ مخمس کا پہلا بند ہے:

گھستے گھستے پانو میں زنجیر آدھی رہ گئی مرگئے پر قبر کی تعمیر آدھی رہ گئی

سب ہی پڑھتا کاش، کیوں تکبیر آدھی رہ گئی کھچکے، قاتل، جب تری شمشیر آدھی رہ گئی

غم سے جانِ عاشقِ دلگیر آدھی رہ گئی

پورے مخمس کے گیارہ بند ہیں، میں نے اس کو علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر، مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو، میں شائع کرادیا تھا۔ وہاں سے نقل کر کے مکرمی مالک رام صاحب نے اپنے مرتبہ دیوان غالب میں چھاپ دیا ہے۔ جہاں تک فن کا تعلق ہے، یہ غالب کے درجے سے بہت گرا ہوا ہے۔ شاید اسی لئے انہوں نے اپنے دیوان میں اسے جگہ نہیں دی تھی۔

تتمہ جس میں مذکورۂ بالا مخمس چھپا ہے، اخبار مذکور کے صفحہ ٥ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کی تمہید حسب ذیل ہے:

" روز یکشنبہ کو دیوان عام میں بڑی دھوم دھام سے عام مشاعرہ ہوا۔

حضور کی طرف سے میر مشاعرہ جناب شاہزادۂ عالی جاہ مرزا نورالدین بہادر ظاہرا سے گئے۔ حضور والا کی ایک غزل پر حسب الحکم بہت لوگوں نے خمسہ لکھا۔ تمام شعراء مجتمع ہوئے۔ تمام رات محفل مشاعرہ گرم رہی، حضور والا کا خمسہ خاقانی ہند شیخ محمد ابراهیم ذوق نے پڑھا۔»

(۲۰) اخبار مذکور جلد ۱۵، شمارہ ۱۷ مورخہ ۲٤ اپریل سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۱٤ رجب ۱۲٦۹ھ کے تتمے میں ایک شاہی مشاعرہ کی غزلیں چھپی ہیں۔ ان میں غالب کی یہ ۹ بیت کی غزل بھی چھپی ہے :

دیا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے کیا کہیے　　ہوا رقیب، تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کہیے

دیوان کے مطبوعہ نسخوں میں بھی اتنے ہی بیت ہیں مگر اس میں یہ مصرع: «کہ س کہے ہی انہیں سب خبر ہے، کیا کہیے» بجائے «ہی» کے لفظ «بھی» کے ساتھ چھپا ہے۔

(۲۱) اخبار مذکور جلد ۱۵، شمارہ ۱۹، مورخہ ۸ مئی سنہ ۱۸۵٤ء مطابق ۲۸ رجب سنہ ۱۲٦۹ھ کے تتمے میں بھی مشاعرہ چھپا ہے۔ اس میں بھی غالب شریک تھے، اور انھوں نے ۱۲ بیت کی یہ غزل پڑھی تھی۔

قفس میں ہوں، اگر اچھا نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

دیوان مطبوعہ میں بھی اتنے ہی بیت ملتے ہیں۔ مگر اخبار میں یہ چند مصرعے بدلے ہوئے الفاظ کے ساتھ چھپے ہیں۔

(۱) قفس میں ہوں اگر اچھا نہ جانیں میرے شیون کو

مطبوعہ قرأت ہے۔ «اگر اچھا بھی»۔

(۲) سمجھتا ہوں کہ تاکے ہے ابھی سے برق خرمن کو

مطبوعہ قرأت ہے: «ڈھونڈے ہے»۔

(۳) جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ جاکے کھودیں معدن کو

مطبوعہ قرأت ہے: «کہ کھودیں جاکے»۔

(۲۲) اخبار مذکور جلد ۱۵، شمارہ ۲۱، مورخہ ۲۲ ماہ مئی سنہ ۱۸۵۳ء مطابق

۱۳ شعبان سنہ ۱۲۶۹ھ کے تتمے میں بھی مشاعرۂ شاہی کی غزلیں چھپی ہیں۔ ان میں غالب کی بھی یہ غزل ہے :

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اس غزل کے اُتنے ہی شعر اخبار میں چھپے ہیں جتنے مطبوعہ دیوان میں پائے جاتے ہیں۔ اخبار میں مشاعرے کا حال یہ لکھا ہے :

« منگل کے دن صبح کو شعراء قلعۂ مبارک اور شہر کے دیوان خاص میں مجتمع ہوئے۔ حضور اقدس اعلیٰ بھی بر آمد اور جلوہ فرمائے تخت ہوئے۔ حسب حضرت ولی عہد بہادر زیب افزائی کرسی اور مرزا مغل بہادر اور مرزا خضر سلطان بہادر اور جوان بخت بہادر اور شاہزادگان والا تبار بعد باریابی مجرا حسب الحکم قضا توام شرفِ نشست سے حسب مراتب مقام معزز و مکرم ہوئے۔ بارہ پر ایک بجے تک حضور اقدس جلوہ فرما رہے »

(۲۳) اخبار مذکور جلد ۱۵، شمارہ ۲۵، مورخہ ۱۹ جون سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۱۱ رمضان سنہ ۱۲۶۹ھ کے تتمے میں مشاعرۂ شاہی کی دیگر غزلوں کے ساتھ غالب کی بھی یہ طرحی غزل چھپی ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے

اس کے جتنے اشعار اخبار میں درج ہیں، اتنے ہی دیوان میں بھی چھپے ہیں۔

(۲۴) اخبار مذکور، جلد ۱۵ شمارہ ۳۶ مورخہ ٤ ستمبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۶۹ھ میں یہ دو باتیں شاہ ظفر سے متعلق پڑھنے کے قابل ہیں:

(۱) عنقریب غسلِ صحت اور جشن صحت ہووے۔

(۲) چہار شنبہ کو حضور والا نے نقشہ ایک علم کا بہت تحفہ اپنے ہاتھ سے مع طغرائی اسم مبارک جناب حضرت عباس علیہ السلام کے کھینچ کر کاریگروں کو دیا اور حکم ہے کہ جلد تیار ہو۔ اور بصاحب عالم مرزا نور الدین بہادر سے حضور والا نے فرمایا کہ تم جاکے لکھنؤ میں باداب شائستہ درگاہ میں جناب عباس علیہ

السلام کے چڑھا کے جلد پھر حضور میں حاضر ہو۔ سنا جاتا ہے
کہ اس کی بشارت ہوئی تھی حضور والا کو۔

(۲۵) اخبار مذکور، جلد۱۵ شمارہ ۴۰ مورخہ ۳ اکتوبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۲۸ ذیحجہ سنہ ۱۲۶۹ھ میں لکھا ہے کہ ۲۷ ستمبر سنہ ۱۸۵۳ء کو صبح کے ساڑھے پانچ بجے مسٹر ٹامسن صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک شمالی مغربی نے بھی انتقال کیا۔

یہ صاحب بھی مرزا غالب کے ممدوح ہیں۔ چنانچہ کلیات فارسی میں ایک قطعہ۹ بیت (صفحہ ۳۰) کا اور ایک قصیدہ ۵۳ شعر کا (صفحہ۲۷۵) ان کی مدح و ثنا میں موجود ہے۔

(۲۶) اخبار مذکور، جلد ۱۵ شمارہ ۴۱ مورخہ ۹ اکتوبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۵ محرم سنہ ۱۲۷۰ھ میں لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت

"بدھ کے دن مرزا عالی بخت کے مکان میں شریک مجلس ہوئے، اور دیر تک مرثیے سے اور آپ بھی فضیلت ائمہ بیان کرتے رہے، اور حضرات کو علم جو حضور والا نے تیار کروایا ہے، اور وہ بہت خوبصورت بن کے آیا ہے، حضور والا نے کمال آداب و قرینے سے اپنے سر مبارک پر رکھا اور صاحب عالم مرزا نور الدین بہادر کو وہ علم سپرد کر کے بر سبیل ڈاک لکھنؤ کو رخصت کیا، ہر چند علم مبارک کے بنانے پر اکثر آل تیمور معمور مانع بھی آئے اور جب تیار ہو چکا، تو بھیجنے پر لکھنؤ کے بھی مانع رہے، مگر حضور نے کسی کی بھی نہیں سنی اور جو ذہن مبارک میں آیا، وہی کیا، بعض لوگ اس بات سے بہت رنجیدہ ہوئے کہ حضور والا سے ان کے برخلاف یہ امر جلیل ہوا ہے۔ بلکہ حضور والا نے اکثر اپنی زبان مبارک سے حاضرین دربار معلی سے فرمایا کہ اکثر آل تیموری اور اشخاص نے مجھ سے عرض کی اس علم مبارک بنانے میں اور لکھنؤ بھیجنے میں آپ رافضی مشہور ہوں گے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھکو الفت پنجتن پاک میں سب باتیں منظور ہیں۔ اگر ان کی محبت سے آدمی رافضی ہوتا ہے تو جو جس کا جی چاہے کہے۔ کہنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔"

اس کا مطلع ہے :

داد کو تا ستم بر اندازد طرح نہ چرخ دیگر اندازد

قصیدے کے ۷۷ شعر ہیں اور اسے اخبار مطبع سلطانی سے نقل کرکے چھاپا گیا ہے۔ بین السطور میں چند فارسی لفظوں کے ہندی مترادفات بھی، جو دراصل خود غالب کے نوشتہ ہیں، درج کئے گئے ہیں۔ وہ الفاظ مع معانی حسب ذیل ہیں :

۱۔ کچہ (چھلا) ۲۔ یارہ (کڑا) ۳۔ خلخال (جھانجن) ٤۔ پرگر (ہسلی)

۵۔ انیت (بمعنی خے و زہے) ٦۔ اخلگندد (جھجھنا) ۷۔ فرفر (پھرکی)

غالب کے قصیدے کے بعد حافظ غلام رسول خاں ویراں شاگرد ذوق کا اسی زمین کا قصیدہ چھاپا گیا ہے۔

مذکورۂ بالا قصیدۂ غالب، کلیات فارسی (صفحہ ۲٤۳-۲٤۷) میں چھپ گیا ہے اور ۷۷ شعروں پر ہی مشتمل ہے۔

(۱۹) اخبار مذکور، جلد ۱۵، شمارہ ١٦، مورحہ ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۷ رجب سنہ ۱۲٦۹ھ کے تتمے میں غالب کا ایک مخمس درج ہے، جو بہادر شاہ ظفر کی غزل پر لکھا گیا ہے، خود یہ غزل اُن کے ماہ صفر سنہ ۱۲٦۷ھ کے مطوعہ دیوان (صفحہ ۲٦۸) میں موجود ہے۔ مخمس کا پہلا بند ہے :

گھستے گھستے پانو میں زنجیر آدھی رہ گئی مرگئے پر قبر کی تعمیر آدھی رہ گئی

سب ہی پڑھتا کاش، کیوں تکبیر آدھی رہ گئی کھچکے، قاتل، جب تری شمشیر آدھی رہ گئی

غم سے جانِ عاشقِ دلگیر آدھی رہ گئی

پورے مخمس کے گیارہ بند ہیں، میں نے اس کو علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر، مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو، میں شائع کرادیا تھا۔ وہاں سے نقل کر کے مکرمی مالک رام صاحب نے اپنے مرتبہ دیوان غالب میں چھاپ دیا ہے۔ جہاں تک فن کا تعلق ہے، یہ غالب کے درجے سے بہت گرا ہوا ہے۔ شاید اسی لئے انہوں نے اپنے دیوان میں اسے جگہ نہیں دی تھی۔

تتمہ جس میں مذکورۂ بالا مخمس چھپا ہے، اخبار مذکور کے صفحہ ۵ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کی تمہید حسب ذیل ہے :

روز یکشنبہ کو دیوان عام میں بڑی دھوم دھام سے عام مشاعرہ ہوا۔

حضور کی طرف سے میر مشاعرہ جناب شاہزادۂ عالی جاہ مرزا نورالدین
بہادر ظاہرا سنے گئے۔ حضور والا کی ایک غزل پر حسب الحکم
بہت لوگوں نے خمسہ لکھا۔ تمام شعراء مجتمع ہوئے۔ تمام رات محفل
مشاعرہ گرم رہی، حضور والا کا خمسہ خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیمؔ
ذوق نے پڑھا۔ »

(۲۰) اخبار مذکور،جلد ۱۵، شمارہ ۱۷ مورخہ ۲٤ اپریل سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۱٤ رجب ۱۲۶۹ھ کے تتمے میں ایک شاہی مشاعرہ کی غزلیں چھپی ہیں۔ ان میں غالب کی یہ ۹ بیت کی غزل بھی چھپی ہے:

دیا ہے دل اگر اُس کو، بشر ہے کیا کہیے   ہوا رقیب، تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کہیے

دیوان کے مطبوعہ نسخوں میں بھی اتنے ہی بیت ہیں مگر اس میں یہ مصرع: «کہ
نہ کہے ہی انہیں سب خبر ہے، کیا کہیے» بجائے «ہی» کے لفظ «بھی» کے
ساتھ چھپا ہے۔

(۲۱) اخبار مذکورجلد ۱۵، شمارہ ۱۹، مورخہ ۸ مئی سنہ ۱۸۵٤ء مطابق ۲۸ رجب سنہ ۱۲۶۹ھ کے تتمے میں بھی مشاعرہ چھپا ہے، اس میں بھی غالب شریک تھے، اور انہوں نے ۱۲ بیت کی یہ غزل پڑھی تھی۔

قفس میں ہوں، اگر اچھا نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

دیوان مطبوعہ میں بھی اتنے ہی بیت ملتے ہیں۔ مگر اخبار میں یہ چند مصرعے بدلے ہوئے الفاظ کے ساتھ چھپے ہیں:

(۱) قفس میں ہوں اگر اچھا نہ جانیں میرے شیون کو

مطبوعہ قرأت ہے: «اگر اچھا بھی»۔

(۲) سمجھتا ہوں کہ تاکے ہے ابھی سے برق خرمن کو

مطبوعہ قرأت ہے: «ڈھونڈے ہے»۔

(۳) جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ جاکے کھودیں معدن کو

مطبوعہ قرأت ہے: «کہ کھودیں جاکے»۔

(۲۲) اخبار مذکورجلد ۱۵، شمارہ ۲۱، مورخہ ۲۲ ماہ مئی سنہ ۱۸۵۳ء مطابق

۱۲ شعبان سنہ ۱۲۶۹ھ کے تتمے میں بھی مشاعرۂ شاہی کی غزلیں چھپی ہیں۔ ان میں غالب کی بھی یہ غزل ہے:

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اس غزل کے اُتنے ہی شعر اخبار میں چھپے ہیں جتنے مطبوعہ دیوان میں پائے جاتے ہیں۔ اخبار میں مشاعرے کا حال یہ لکھا ہے:

« منگل کے دن صبح کو شعراء قلعۂ مبارک اور شہر کے دیوان خاص میں مجتمع ہوئے۔ حضور اقدس اعلیٰ بھی بر آمد اور جلوہ فرمائے تخت ہوئے۔ جناب حضرت ولی عہد بہادر زیب افزائے کرسی اور مرزا مغل بہادر اور مرزا خضر سلطان بہادر اور جوان بخت بہادر اور شاہزادگان والا تبار بعد باریابی مجرا حسب الحکم قضا توام شرفِ نشست سے حسب مراتب مقام معزز و مکرم ہوئے۔ بارہ پر ایک بجے تک حضور اقدس جلوہ فرما رہے »

(۲۳) اخبار مذکور جلد ۱۵، شمارہ ۲۵، مورخہ ۱۹ جون سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۱۱ رمضان سنہ ۱۲۶۹ھ کے تتمے میں مشاعرۂ شاہی کی دیگر غزلوں کے ساتھ غالب کی بھی یہ طرحی غزل چھپی ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان، لیکن پھر بھی کم نکلے

اس کے جتنے اشعار اخبار میں درج ہیں، اتنے ہی دیوان میں بھی چھپے ہیں۔

(۲۴) اخبار مذکور، جلد ۱۵ شمارہ ۳۶ مورخہ ٤ ستمبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۲۹ ذیقعدہ ۱۲۶۹ھ میں یہ دو باتیں شاہ ظفر سے متعلق پڑھنے کے قابل ہیں:

(۱) عنقریب غسلِ صحت اور جشن صحت ہووے۔

(۲) چہار شنبہ کو حضور والا نے نقشہ ایک علم کا بہت تحفہ اپنے ہاتھ سے مع طغرائے اسم مبارک جناب حضرت عباس علیہ السلام کے کھینچ کر کاریگروں کو دیا اور حکم ہے کہ جلد تیار ہو۔ اور صاحبِ عالم مرزا نور الدین بہادر سے حضور والا نے فرمایا کہ تم جاکے لکھنؤ میں بآداب شائستہ درگاہ میں جناب عباس علیہ

السلام کے چڑھا کے جلد پھر حضور میں حاضر ہو۔ سنا جاتا ہے کہ اس کی بشارت ہوئی تھی حضور والا کو۔

(۲۵) اخبار مذکور، جلد ۱۵ شمارہ ۴۰ مورخہ ۳ اکتوبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۲۸ ذیحجہ سنہ ۱۲۶۹ھ میں لکھا ہے کہ ۲۷ ستمبر سنہ ۱۸۵۳ء کو صبح کے ساڑھے پانچ بجے مسٹر ٹامسن صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک شمالی مغربی نے بھی انتقال کیا۔

یہ صاحب بھی مرزا غالب کے ممدوح ہیں۔ چنانچہ کلیات فارسی میں ایک قطعہ۹ بیت (صفحہ ۳۰) کا اور ایک قصیدہ ۵۳ شعر کا (صفحہ۲۷۵) ان کی مدح و ثنا میں موجود ہے۔

(۲۶) اخبار مذکور، جلد ۱۵ شمارہ ۴۱ مورخہ ۹ اکتوبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۵ محرم سنہ ۱۲۷۰ھ میں لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت

" بدھ کے دن مرزا عالی بخت کے مکان میں شریک مجلس ہوئے، اور دیر تک مرثیے سنے اور آپ بھی فضیلت ائمہ بیان کرتے رہے، اور حضرات کو علم جو حضور والا نے تیار کروایا ہے، اور وہ بہت خوبصورت بن کے آیا ہے، حضور والا نے کمال آداب و قرینے سے اپنے سر مبارک پر رکھا اور صاحب عالم مرزا نور الدین بہادر کو وہ علم سپرد کر کے بر سبیل ڈاک لکھنؤ کو رخصت کیا، ہر چند علم مبارک کے بنانے پر اکثر آل تیمور معمور مانع بھی آئے اور جب تیار ہو چکا، تو بھیجنے پر لکھنؤ کے بھی مانع رہے، مگر حضور نے کسی کی بھی نہیں سنی اور جو ذہن مبارک میں آیا، وہی کیا، بعض لوگ اس بات سے بہت رنجیدہ ہوئے کہ حضور والا سے ان کے برخلاف یہ امر جلیل ہوا ہے۔ بلکہ حضور والا نے اکثر اپنی زبان مبارک سے حاضرین دربار معلی سے فرمایا کہ اکثر آل تیموری اور اشخاص نے مجھ سے عرض کی اس علم مبارک بنانے میں اور لکھنؤ بھیجنے میں آپ رافضی مشہور ہوں گے۔ میں نے جواب دیا کہ مجکو الفت پنجتن پاک میں سب باتیں منظور ہیں۔ اگر ان کی محبت سے آدمی رافضی ہوتا ہے تو جو جس کا جی چاہے کہے۔ کہنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے "

(۲۷) اخبار مذکور، جلد ۱۵ شمارہ ۴۵ مورخہ ٦ نومبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ٤ صفر سنہ ۱۲۷۰ھ میں مرزا حیدر شکوہ کی کلکتہ سے دہلی آنے کی خبر دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

« سنا گیا کہ لکھنؤ ہوتے ہوئے آئے ہیں۔ ظاہرا ابھی علم درگاہ میں چڑھایا نہیں گیا، مرزا نور الدین بہادر وہیں ہیں۔ پٹکا کارچوبی طیار ہو رہا ہے »

(۲۸) اسی اخبار میں لکھا ہے کہ ۳ نومبر کو رات کے آٹھ بجے سر ٹامس تھیافلس مٹکف صاحب بیرنٹ بہادر، ایجنٹ و کمشنر دہلی نے ٦۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

یہ صاحب بھی مرزا غالب کے ممدوح ہیں۔ چنانچہ ان کی تعریف کا ۴۸ شعر کا ایک قصیدہ کلیات نظم فارسی (صفحہ ۲۷۳) میں موجود ہے۔

(۲۹) اخبار مذکور، جلد ۱۵ شمارہ ٤٦ میں مٹکف صاحب کے انتقال کی تفصیل درج کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی جگہ سائمس فریزر مقرر ہوئے۔

(۳۰) اخبار مذکور، جلد ۱۵ شمارہ ٤۸ میں علم مبارک کی تفصیلی خبر درج کی ہے۔

(۳۱) اخبارمذکور، جلد ۱۵، شمارہ ٤۹، مورخہ ٤ دسمبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۰ھ میں بادشاہ کے غسل صحت کی خبر دے کر لکھا ہے کہ غسل صحت کے دوسرے دن ۲۲ نومبر کو دوسرے شاعروں کے ساتھ غالب نے بھی قصیدۂ تہنیت پڑھا تھا۔

(۳۲) اخبار مذکور، جلد ۱۵، شمارہ ۵۱، مورخہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۳ء مطابق ۱٦ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۰ھ کے پرچے میں علم مبارک کی مفصل خبر دی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٦ ربیع الاول کو یہ علم صاحب عالم مرزا نور الدین بہادر نے درگاہ میں چڑھایا تھا۔

(۳۳) اخبار مذکور، جلد ۱٦، شمارہ ۲، مورخہ ۸ جنوری سنہ ۱۸۵٤ء مطابق ۸ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۰ھ کے صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ

« سنا گیا کہ ان دنوں میں متواتر شاہزادوں وغیرہم نے ہمارے حضور والا

سے عرض کی کہ جس روز مرزا نورالدین بہادر نے علم درگاہ شریف میں چڑھایا تھا تو معاذ اللہ یہ بیان کیا اور سنایا کہ جمیع مومنوں کو لازم ہے سب لوگ بہت خوشی کریں کہ میں نے بڑے ایسے اور ایسے شخص کو جو سب ایسوں کا بادشاہ تھا، شیعہ کیا، اور اسی مضمون کے خط اہل لکھنؤ کے اکثر حضور والا کو دکھائے اور رور دکھائے جاتے ہیں۔ سو جتنا کہ حضور والا اقدس علم بھیجنے اور چڑھانے سے درگاہ میں خوش تھے، اس سبب سے اتنا ہی صاحب عالم بہادر ممدوح سے خفا ہیں۔»

(۳٤) اخبار مذکور کی اشاعت مورخہ ۲۲ جنوری سنہ ۱۸۵٤ء میں لکھا ہے کہ لکھنؤ کے خطوں سے معلوم ہوا کہ چٹھی ایجنٹ دہلی کی ایجنٹ لکھنؤ کو اس معاملے کی تحقیق کےلئے گئی تھی، اس کے جواب میں تحریر جناب مجتہد صاحب بھیجی گئی۔

(۳۵) اخبار مذکور کی اشاعت مورخہ ۲۳ اپریل سنہ ۱۸۵٤ء مطابق ۲٤ رجب سنہ ۱۲۷۰ھ میں رسالہ «علم حیدری» کی خبر دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

«رسالۂ مذکور مع ایک مثنوی کے جس میں تمام منقول شقحات و کوائف وغیرہ بھی ہیں، بسبیل ڈاک اس ہفتے میں ہم نے پایا۔ مہر مشتۂ ڈاک سے واضح ہے کہ لکھنؤ سے آیا ہے۔ لیکن نام کسی بھیجنے والے کا مرقوم نہیں۔» (صفحہ ٤)

(۳٦) اخبار مذکور کی اشاعت مورخہ ۳۰ اپریل سنہ ۱۸۵٤ء مطابق یکم شعبان سنہ ۱۲۷۰ھ میں لکھا ہے کہ

«ایک خط لکھنؤ سے واضح ہے کہ رسالۂ علم حیدری و مثنوی جس کا ذکر پرچہ گذشتہ میں لکھا گیا تھا، کئی ہزار چھپے ہیں۔ جناب قبلہ وکعبہ سلطان العلما حضرت مجتہد العصر دامت برکاتہم و افاضاتہم نے اپنے دست مبارک سے تقسیم فرمائے۔ اس ہفتے میں اور بھی ہم کو آئے۔ اور دہلی میں اکثر صاحبوں کو آئے۔ تاتحریر خط ہمارے راقم صاحب کے ایک ہزار تقسیم ہوچکے ہیں۔ کلکتہ اور بمبئی اور کانپور و اکبر آباد و رام پور وغیرہ بہت شہروں میں اور مطابع میں بھیجے گئے ہیں۔ ایک سو نسخے کربلائے معلی میں اور ایک سو مشہد مقدس میں روانہ ہوئے اور باقی

تقسیم جاری ہے۔»

(۳۷) اخبار مذکور کی اشاعت مورخہ ۵ اکتوبر سنہ ۱۸۵٤ء مطابق ۱۵ محرم سنہ ۱۲۷۱ھ میں بعنوان «حضور اقدس اعلیٰ» شاہی تعزیہ داری کے ذکر میں لکھا ہے کہ

«اس دفعہ خواب کی ایک نئی اور بات سنی گئی۔ جس کے سبب سے حضور والا نے مرزا خضر سلطان بہادر مرشد زادۂ والا تبار کو حکم دیا کہ سلیم گڑھ سے پالکی میں تبرکات چوبی ضریح میں رکھ کے ساتھ مرثیہ خوانی اور علموں کے لاویں۔

ہمارے حضور والا اقدس پر بہت عنایت ہے جناب امامین و اہل بیت طاہرہ علیہم السلام کی۔ سابق بھی اکثر عالم رویا میں مظہر عنایت و کرامات ہوئے ہیں کہ یہ عقیدت رای العین اور عین الیقین کی کہا چاہئیے۔» (صفحہ ۱)

حقیر عرشی عرض کرتا ہے کہ بادشاہ کی اس عقیدت نے اُنہیں بہت بدنام کیا تاآنکہ رائے عامہ کے دباؤ سے مجبور ہوکر مذہب تشیع سے اپنی بریت ظاہر کرنے کے لئے مرزا غالب سے ایک فارسی مثنوی لکھوائی اور اُسے چھاپ کر تقسیم کرایا۔ اس کا منظوم جواب بھی اُسی زمانے میں ایک لکھنؤی شیعہ شاعر نے لکھا تھا۔ رضا لائبریری میں یہ دونوں محفوظ ہیں۔

(۳۸) اخبار مذکور، جلد ١٦، شمارہ ٤٧ مورخہ ۱۹ نومبر سنہ ۱۸۵٤ء مطابق ۲۷ صفر سنہ ۱۲۷۱ھ کے تتمے میں لکھا ہے کہ ۲۳ صفر شب آخری چہارشنبہ سنہ ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۵٤ء کو شیخ محمد ابراہیم ذوق نے عالم فانی سے سوے عالم جاودانی رحلت کی اور اُن کے حالات پر ایک مفصل نوٹ لکھ کر مرزا غالب کا یہ قطع تاریخ بھی درج کیا ہے:

تاریخ وفات ذوق، غالب   با خاطر دردمند مایوس
خون شد دل زار، تا نوشتم   خاقانی ہند مرد افسوس

یہ قطعہ سبد چین (صفحہ ٤۲ طبع دوم سنہ ۱۹۳۸ء) میں بھی چھپ چکا ہے۔

(۳۹) اخبار مذکور، جلد ١٦، شمارہ ۵۳ مورخہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۵٤ء مطابق ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ میں دو شاہزادوں، مرزا ابوسعید شاہ عرف مرزا حاجی اور مرزا امام بخش عرف مولوی کلو صاحب کے انتقال کی خبر درج کی گئی ہے۔

(۲) احسن الاخبار | مدرسۂ محمدیہ، جامع مسجد، بمبئی کے کتب خانے کے جن پرانے اخبارات و رسائل کے فائل میں نے دیکھے تھے ان میں فارسی زبان کا ہفتہ وار اخبار، احسن الاخبار، بھی تھا۔ یہ ہر جمعہ کو مرزا محمد علی شیرازی کی ادارت میں بمبئی سے نکلتا تھا۔ شروع میں بادشاہ کا روزنامچہ درج ہوتا تھا، اس لئے اس دور کی دہلی پر کام کرنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ مدرسے میں اس کی دوسری اور تیسری جلد محفوظ ہے۔ دوسری جلد کا پہلا پرچہ ۳ شعبان سنہ ۱۱۶۱ھ مطابق ۸ اگست سنہ ۱۸۴۵ء کا ہے۔ اس کی حسب ذیل خبریں قابل لحاظ ہیں۔

(الف) یکم اکتوبر سنہ ۱۸۴۵ء کے پرچے میں جیمس اسکنر کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مرحوم لکھا ہے۔ یہ کرنیل اسکنر کے بیٹے اور اس وقت کی دہلی کے ممتاز انگریز تھے۔

(ب) ۱۹ ذیحجہ سنہ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۹ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ء کے پرچے میں، جو جلد ۲ کا شمارہ ۵۱ ہے، لکھا ہے کہ گورنر جنرل نے دہلی میں ۱۷ کو دربار عام کیا تھا، اور اس میں غالب کو خلعت ہفت پارچہ و سہ رقم جواہر اور فیض الحسن کوتوال کو ایک شالی رومال عطا فرمایا تھا۔

یہ فیض الحسن وہی ہے جس نے مرزا غالب کو گرفتار کیا تھا۔

(ج) ۳ محرم سنہ ۱۲۶۳ھ مطابق ۲ جنوری سنہ ۱۸۴۶ء کے پرچے میں، جو جلد ۳ کا پہلا پرچہ ہے، لکھا ہے کہ سید محمد خان، مالک مطبع سید الاخبار، برادر سید احمد خان نے تپ میں مبتلا رہ کر ۱۳ ذیحجہ سنہ ۱۲۶۱ھ کو انتقال کیا۔

انہیں کے مطبع میں مرزا غالب کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۸۴۱ء میں چھپا تھا۔

(د) اسی اخبار کے ایک پرچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر راس جولائی سنہ ۱۸۴۶ء میں دہلی میں تھا۔ یہ وہی ڈاکٹر ہے جس نے غالب جیسے شخص کا جیل میں رہنا پسند نہیں کیا، اور ان کی سقیم حالت پر رحم کھا کے اپنی سفارش سے رہا کرادیا تھا۔

(٥) اخبار مذکور ج ١٣ شمارہ ١٦ کے آخر میں اس وقت کے تمام ہندوستانی اخباروں اور اڈیٹروں کے نام دیئے ہیں، یہ اطلاع پرانے اخباروں پر کام کرنے والوں کے لئے بڑے کام کی ہے۔

(٣) مجمع الاخبار | فارسی کا یہ ہفتہ وار اخبار ہر چہار شنبہ کو بمبئی سے نکلتا تھا۔ اس کی چھٹی جلد کے کئی شمارے مدرسے کے کتابخانے میں محفوظ ہیں جن میں سے پہلا پرچہ ٢٧ محرم سنہ ١٢٦٤ھ مطابق ٥ جنوری ١٨٤٨ء کا ہے۔

(٤) سلطان الاخبار | نستعلیق ٹائپ میں شہر کلکتہ متصل مسجد منشی غلام رحمٰن مرحوم بکار پردازی منشی سید محمد (؟) علی از طرف مہتمم طبع ہوا کرتا تھا۔

مدرسے میں اس کی ٢ جلدیں، ١٧و١٨، محفوظ ہیں، اس کی جلد ١٧ کے شمارہ ٧٨٧، مورخہ ٢٣ ذیحجہ سنہ ١٢٦٧ھ مطابق ١٩ اکتوبر سنہ ١٨٥١ء میں مولوی عبدالرحیم صفی پوری مترجم قاموس کی وفات کا قطعہ تاریخ چھپا ہے، جس سے سنہ ١٢٦٧ھ نکلتے ہیں۔

مولانائے صفی پوری نے سرکار انگریزی کی مالی مدد سے ایک عربی لغت فارسی زبان میں مرتب کر کے کلکتے کے عربی چھاپ خانے میں طبع کرانا شروع کیا تھا۔ سید کاظم علی بن سید امان اللہ نصیر آبادی ان کےشریک کار تھے۔ ٣٢٠ صفحوں تک کتاب چھپی تھی کہ باہم شکر رنجی ہوگئی، اور مولانا صفی پوری الگ ہوگئے۔ سید صاحب نے اس کتاب کی پہلی جلد بحرمحیط کے نام سے ٧٢٨ صفحوں پر چھاپ کر سنہ ١٢٤٧ھ (١٨٣٢ء) میں شائع کردی اور خاتمے میں اس قصے کا ذکر بھی کردیا۔ یہ پہلی جلد رضا لائبریری میں موجود ہے۔

مولانا صفی پوری نے اس کتاب کو منتہی الارب کے نام سے ٤ جلدوں میں چھاپ کر دوبارہ شائع کیا اور پہلی جلد کے (جوسنہ ١٢٥٢ھ(١٨٣٦ء) میں چھپی تھی) خاتمے میں لکھا کہ دراصل میں نے اس کتاب کو مرتب کیا تھا، اور سید صاحب کو اس لئے شریک کار کر لیا تھا کہ مقابلہ پروف وغیرہ میں میرے معین رہیں گے مگر میری ان سے نہ نبھ سکی اور میں مطبع ان کے سپرد کرکے الگ ہو گیا سید صاحب نے بقیہ حصہ چھپوا کر ایک جلد پوری کردی۔ مگر ان کا کام سرکار کو پسند نہ آیا، اور اس بنا پر انھوں نے کام روک دیا اور چند نسخوں کے سوا بقیہ

سارا ذخیرہ دریا میں ڈبو دیا ۔ اس کے بعد میں نے سرکار سے طباعت کی اجازت لی۔ اور اس کا نام منتہی الارب رکھ کر پہلی جلد شائع کررہا ہوں ۔ خدا توفیق اتمام عطا فرمائے ۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق عطا کی ، اور دوسری جلد سنہ ۱۲۵۵ ھ میں ، تیسری سنہ ۱۲۵۶ ھ میں اور چوتھی سنہ ۱۲۵۷ ھ میں ان کے اپنے مطبع میں چھپ کر شائع ہوگئیں ۔

چونکہ اس کتاب کی بنیاد قاموس کو بنایا گیا تھا ، اس لئے اخبار میں مولانا صفی پوری کو مرحوم قاموس کے لقب سے یاد کیا ہے ۔

(۵) برق خاطف | یہ اردو کا ہفتہ وار اخبار ہے ، جو سنیچر کے دن قاضی حسین کی ادارت میں بمبئی سے نکلتا تھا ۔ مدرسے میں اس کی پہلی اور دوسری جلد مکمل اور تیسری جلد شمارہ ۲۵ تک موجود ہے ۔

اس کے شمارۂ مورخہ ۲۴ شوال سنہ ۱۲۷۵ ھ مطابق ۲۸ مئی سنہ ۱۸۵۹ء میں نواب تفضل حسین خاں بہادر والئ فرخ آباد کا ذکر ہے ۔ یہ نواب صاحب بھائی تھے مرزا غالب کے ممدوح نواب تحمل حسین خاں بہادر کے ، جن کے متعلق انہوں نے کہا ہے :

دیا ہے اور کو بھی تا اسے نظر نہ لگے — بنا ہے عیش تحمل حسین خاں کے لئے
زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

(۶) جام جمشید | یہ فارسی زبان کا ہفتہ وار اخبار تھا ، جو ہر سہ شنبہ کو کلکتہ سے نکلتا تھا ۔ مدرسے میں اس کا شمارہ ۲۱۲ تا ۲۴۶، مورخہ ۲۹ اپریل سنہ ۱۸۵۱ء تا ۲۳ دسمبر سنہ ۱۸۵۱ء محفوظ ہے ۔

یہ اخبار جاشین ہو جام جہاں نما کا، یعنی موخر الذکر جب بند ہوگیا، تو اس کا مطبع جام جمشید کے مالک نے خرید کر اپنا اخبار جاری کیا تھا ۔ اس کی یہ دو باتیں میں نے نقل کرلی تھیں ۔

(الف) شمارہ ۲۴۰ مورخہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۵۱ء مطابق ۱۷ محرم سنہ ۱۲۶۸ ھ میں لکھا ہے کہ مولانا مملوک علی مدرس اول مدرسۂ عربی شہر دہلی نے ۱۱ ذیحجہ سنہ ۱۲۶۷ ھ کو انتقال کیا ۔

(ب) شمارہ ۲۴۳ مورخہ ۲ دسمبر سنہ ۱۵۸۱ء میں لکھا ہے کہ گورنر جنرل نے ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۵۱ء کو انبالے میں دربار کیا۔

(۷) تعلیم الاخبار | یہ اردو کا ہفتہ وار اخبار، مدراس سے ہر دو شنبہ کو منشی سید حسین کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس کی جلد ۲ کے چھ یا سات پرچے محفوظ ہیں، اور غالباً پہلا پرچہ ۲۳ محرم سنہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۵۱ء کا ہے۔

(۸) جامع اخبار | یہ بھی اُردو کا ہفتہ وار اخبار تھا، جو پیر کے دن (غالباً مدراس سے) نکلتا تھا۔ اس کی دسویں جلد کے ۹ پرچے محفوظ ہیں۔ پہلا پرچہ ۳ ربیع الاول سنہ ۱۲۶۷ھ مطابق ٦ جنوری سنہ ۱۸۵۱ء کا ہے۔

(۹) معدن الفیض | یہ اردو کا ہفتہ وار اخبار تھا، جو محمد اسمٰعیل کوکنی کی ادارت میں رتنا گیری میں چھپا کرتا تھا۔ اس کی پہلی جلد مدرسہ میں محفوظ ہے، اور پہلا پرچہ ۱۱ رمضان سنہ ۱۲۷۲ھ مطابق سنہ ۱۸۵٦ء کا ہے۔

(۱۰) نورٌ علیٰ نور | یہ ہفتے میں دو بار، ہفتے اور دو شنبہ، کو محمد حسین خاں کی ادارت میں لدھیانہ سے نکلتا تھا۔ اس کی پہلی جلد کا شمارہ ۲۲، ۱٤ صفر سنہ ۱۲٦۸ھ مطابق ۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۱ء کا ہے۔

(۱۱) ریاض نور | یہ ہفتہ وار اخبار شنبے کو مہدی حسین خاں کی ادارت میں ملتان سے نکلتا تھا۔ اس کی پہلی جلد مدرسے میں محفوظ ہے، اور پہلا پرچہ ۷ جنوری سنہ ۱۸۵٤ء مطابق ۷ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۰ھ کا ہے۔

(۱۲) کوہ نور | یہ اخبار لاہور سے نکلتا تھا، اس کی چھٹی جلد کا شمارہ ۱٤ مورخہ سہ شنبہ ۳ اپریل سنہ ۱۸۵۵ء مدرسے میں محفوظ ہے۔

(۱۳) زبدۃ الاخبار | یہ اخبار منشی واجد علی خاں کے اہتمام میں آگرے سے نکلتا تھا۔ اس میں گورنمنٹ گزٹ بھی شائع ہوتا تھا، اس لئے اہم اخبار شمار کیا جاتا تھا۔

اس کا ۱۸ اگست سنہ ۱۸۵۱ء مطابق ۹ شوال سنہ ۱۲٦۷ھ کا پرچہ مدرسے میں محفوظ ہے۔

(١٤) سفیر کرناٹک یہ اخبار کرناٹک سے نکلتا تھا - اردو تھا یا فارسی، یہ نوٹ کرنا میں بھول گیا - بظاہر اردو کا یاد پڑتا ہے - اس کی پہلی جلد کا شمارۂ ١٨ مدرسہ کے کتاب خانے میں محفوظ ہے - اس پرچے کی تاریخ ٩ شعبان سنہ ١٢٧٦ھ مطابق ٣ مارچ سنہ ١٨٦٠ء ہے -

(١٥) قران السعدین یہ اردو کا ہفتہ وار اخبار تھا، جو پنڈت دھرم نارائن کے اہتمام سے مطبع العلوم مدرسۂ دہلی میں چھپ کر شائع ہوتا تھا - اس کی تیسری جلد بابت سنہ ١٨٤٨ء مدرسے کے کتاب خانے میں محفوظ ہے -

(١) اس کے پہلے شمارے مورخہ ٤ جنوری سنہ ١٨٤٨ء میں بیل کی مفتاح التواریخ کا اشتہار ہے - کہ مطبع اکبری واقع اکبر آباد میں اس کا چھاپا شروع ہو گیا ہے - جو پہلے قیمت ادا کرے گا اُسے آٹھ روپے میں ورنہ دس روپے میں ملے گی -

(٢) شمارۂ ٣ مورخہ ١٧ جنوری سنہ ١٨٤٨ء میں لکھا ہے کہ دہلی کے ایک نامی رئیس نواب محمد میر خان نے ١٣ جنوری کو انتقال کیا -

(٣) ساتویں شمارے مورخہ ١٤ فروری سنہ ١٨٤٨ء میں لکھا ہے کہ

" اس ہفتے میں یہاں رئیسوں کی ملاقات لفٹنٹ گورنر بہادر سے ہوئی - اکثروں نے نذریں دکھائیں، لیکن صاحب موصوف نے انھیں نہیں لیا - جناب ولی عہد بھی خیمۂ گورنری میں رونق افروز ہوئے - اور ملاقات نواب محتشم الیہ کی کی - چنانچہ بدلے میں نواب موصوف نے بھی قطب صاحب میں ان سے ملاقات کی -

نواب صاحب جھجر بموجب ارشاد جناب طامس صاحب ایجنٹ دہلی کے واسطے استقبال لفٹنٹ گورنر کے دریائے جمنا پر مثل اور رئیسوں کے نہ گئے، بلکہ بعد داخل ہونے صاحب موصوف کے دہلی میں نواب صاحب شہر تشریف لائے، سنتے ہیں کہ اس باعث سے صاحب ایجنٹ ان سے ناراض تھے، اور شاید ملاقات نہ ہوئی - لیکن سنا جاتا ہے کہ بعد بہت قیل و قال کے ملاقات ہوئی - لیکن لفٹنٹ گورنر بہادر ضیافت کے واسطے نواب موصوف کے مکان پر تشریف نہ لے گئے -

اور سنا جاتا ہے کہ راجہ صاحب بلب گڈھ سے صاحب موصوف بہت راضی رہے - اور دورے کے اندر بلب گڈھ میں تشریف لے جاویں گے تو راجہ صاحب

کی ضیافت بھی قبول کریں گے۔ »

اسی اخبار کے صفحۂ ۱۰۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنر ۵ فروری کو دہلی آئے تھے، اور طامسن صاحب ان کا نام تھا۔

(۴) بارھویں شمارے مورخہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۴۸ء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷ مارچ کو گوڑگاویں کے مجسٹریٹ اور کلکٹر الگزینڈر فریزر نے انتقال کیا، یہ غالب کے دوست ولیم فریزر کے شاید بھائی تھے۔

(۵) تیرھویں شمارے مورخہ ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۴۸ء میں مفتی صدر الدین خاں آزردہ کا دو غزلہ «نظر ملے» «سفر ملے» زمین میں چھپا ہے۔

(۱۶) رسالہ محب ہند | کتاب خانۂ آصفیہ حیدرآباد میں جو رسائل دیکھے، ان میں محب ہند نام کا رسالہ رام چندر، مدرس علوم انگریزی، مدرسۂ دہلی کے اہتمام سے مدرسہ دہلی میں چھپا کرتا تھا۔ آصفیہ میں اس کی جلد پنجم بابت سنہ ۱۸۴۸ء محفوظ ہے۔

(۱) اس رسالے کی یکم مارچ کی اشاعت میں حکیم مومن خاں دہلوی کا ۳۰ بند کا یہ مثمن چھپا ہے:

اے چارہ گر، آ رُک کہ دم چارہ گری ہے

یہ نظم مومن مرحوم کے دیوان میں شائع ہوچکی ہے ملاحظہ ہو، نولکشور ایڈیشن، صفحہ ۲۵۸ مطبوعہ سنہ ۱۲۸۴ھ

(۲) اسی میں میر حسن کی مثنوی بدر منیر کے مصور مطبوعہ نسخے کا اشتہار ہے، جس میں اُس کی قیمت ۱ روپیہ ۴ آنے بتائی گئی ہے۔

(۱۷) اعظم الاخبار | یہ اخبار مدراس سے شائع ہوتا تھا، آصفیہ میں اس کی چھٹی جلد بابت سنہ ۱۸۵۳ء محفوظ ہے۔

(۱) اس کی ۱۶ جون سنہ ۱۸۵۳ء کی اشاعت میں نواب روشن الدولہ بہادر، وزیر اعظم اودھ، کے ۵۷ سال کی عمر میں انتقال کی خبر درج ہے۔

(۲) شمارہ ۳۸، مورخہ ۲۹ رمضان سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۷ جولائی سنہ ۱۸۵۳ء میں دہلی کی خبروں کے تحت لکھا ہے کہ

« شعبان کی پندرھویں تاریخ یہاں کے قلعہ میں مجلس مشاعرے کی ترتیب

پائی تھی ۔ سارے شعراء اس وقت نازک تلاش کی داد دیے، بادشاہ جہاں
پناہ کی غزل جو گلشن نوبہار میں مرقوم تھی ، سو یہ ہے :

«ہرجائی ہے قدرت کا تماشا مرے آگے لیکن مری غفلت کا ہے پردا مرے آگے»

اخبار میں یہ غزل ۱۰ شعر کی ہے۔ دہلی اُردو اخبار کے ۱۳ شعبان سنہ ۱۲۶۹ھ کے پرچے میں بھی یہ غزل چھپی ہے ، اگر میں نے نقل کرتے وقت غلطی نہیں کی ہے تو پھر اعظم الاخبار کی یہ اطلاع کہ مشاعرہ ۱۵ شعبان کو ہوا درست نہیں۔

اخبار نے یہ غزل گلشن نوبہار سے نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کا رسالہ یا اخبار بھی اُس زمانے میں دہلی یا کسی اور مقام سے نکلا کرتا تھا ۔

(۳) شمارہ ۴۳ مورخہ ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۱ اگست سنہ ۱۸۵۳ء میں دہلی کی خبروں میں لکھا ہے کہ «یہاں کے بادشاہ جولائی کی ۷ ویں تاریخ قریب المرگ تھے، سارے اطبا اُن کی زندگی سے مایوس ہو بیٹھے»

(۴) شمارہ ۴۴ مورخہ ۱۲ ذیقعدہ مطابق ۱۸ اگست میں لکھا ہے کہ بادشاہ کو اب صحت ہے۔ مگر ضعف بیحد ہے ۔ اور اخبار کے آخر میں بادشاہ کی ۱۲ شعر کی یہ غزل درج کی ہے

وہ سو اٹھکھیلیوں سے گھر کے باہر دو قدم نکلے
بلا سے اُس کی گر اس میں کسی مضطر کا دم نکلے

(۱۸) فوائد الناظرین یہ پندرہ روزہ اُردو اخبار تھا ۔ اس کی کئی جلدیں آصفیہ میں محفوظ ہیں ۔

(۱) دوسری جلد کے چھٹے شمارے مورخہ دوشنبہ ۱۵ اپریل سنہ ۱۸۴۷ء میں لکھا ہے کہ مرزا محمد شاہرخ بہادر نے ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۴۷ء کو انتقال کیا ۔

(۲) شمارہ ۱۰ ، مورخہ ۳۱ مئی، سنہ ۱۸۴۷ء صفحہ ۸۰ میں خبر دہلی کے تحت لکھا ہے کہ

«۲۵ ماہ مئی کو بیچ مکان جناب مرزا نوشہ اسد اللہ خاں صاحب کے قمار بازی ہورہی تھی، چنانچہ کوتوال صاحب خبر پاکر وہاں گئے ، اور جناب مرزا صاحب کو مع چند اور قمار بازوں کے گرفتار کرکر کوتوالی میں لئے آئے ۔ اب دیکھا چاہئے کہ صاحب مجسٹریٹ اُن کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں

(۳) شمارہ ۱۷ مورخہ ۶ ستمبر سنہ ۱۸۴۷ء میں ماسٹر رام چندر صاحب کی طرف سے یہ اطلاع شائع ہوئی کہ میرے رسالۂ ماہانہ «خیر خواہ ہند» کا پہلا پرچہ یکم ستمبر سنہ ۱۸۴۷ء کو جاری ہوگیا۔ اس کی فہرست مضامین میں نمبر ۵ پر «حال مشاعرہ کا معہ تصویر مجلس مشاعرہ» درج ہے۔ اگر خیر خواہ ہند کا یہ پرچہ دستیاب ہوجائے، تو ادبی لحاظ سے بڑا دلچسپ انکشاف ہوگا۔

(۴) اسی کے ۲۱ویں شمارے مورخہ یکم نومبر سنہ ۱۸۴۷ء صفحہ ۱۶۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر خواہ ہند کا نام بدل کر محب ہند رکھ دیا گیا تھا۔

(۵) تیسری جلد کے شمارہ ۳ مورخہ ۷ فروری سنہ ۱۸۴۸ء میں (صفحہ ۲۳) خبر دہلی کے تحت لکھا ہے کہ ۵ فروری کو ۹ بجے کے قریب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر داخل دہلی ہوے، ارد گرد کے راجے اور نواب واسطے ملاقات کے آئے۔ اور خبر کلکتہ کے تحت درج کیا ہے کہ جناب ڈلہوسی صاحب گورنر جنرل ہند جدید ہندوستان کلکتے میں داخل ہوئے، اور جناب ہورڈنج صاحب گورنر جنرل سابق نے طرف ولایت کے کوچ کیا۔

(۶) شمارہ ۱۷ مورخہ ۲۱ اگسٹ سنہ ۱۸۴۸ء میں نواب عنایت علی خاں بہادر پسر نواب عبد العلی خاں بہادر بھتیجے نواب مستطاب محمد سعید خاں بہادر والی رام پور کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں اُن کے باورچی نے جو دس بارہ دن کا ملازم تھا، (رمضان میں) کھانے میں زہر کھلا کر مار ڈالا۔ یہ رام پور سے آئے تھے، پھولوں والوں کی سیر کے بعد واپسی کا ارادہ تھا۔ نظم و نثر متین لکھتے تھے، اور اچھی فکر والے تھے۔

یہ بھی لکھا ہے کہ پیش از مسند آرائی نواب معلی القاب والی رام پور کے معہ اپنے کنبے کے یہاں اقامت اختیار کی تھی۔ اس سبب ہر ایک امیر و فقیر سے ملاقات تھی۔ اور ہر ایک ان کے اخلاق پسندیدہ سے خوش تھا۔ شعر خوب کہتے تھے اور طبیعت رسا تھی، عقب جامع مسجد چاوڑی میں ایک کمرہ کرایہ پر لے کر ٹھہرے تھے' (صفحہ ۱۷۶)

عرشی عرض کرتا ہے کہ اُن کا ۱۲ ورقوں کا ایک چھوٹا سا دیوان رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عنایت تخلص کرتے تھے۔

(۷) شمارہ ۲۲ مورخہ ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۸۴۸ء میں لکھا ہے کہ لارڈ ڈلہوسی بارھویں نومبر کو دہلی آئیں گے۔

(۸) شمارہ ۲۳ نومبر سنہ ۱۸۴۸ء میں لکھا ہے کہ

"کل کے دن اکیسویں تاریخ ماہ نومبر کو گورنر جنرل لارڈ ڈلہوسی صاحب دام اقبالہ قریب گیارہ بجے دہلی میں داخل ہوئے۔ اور سلامی ہوئی۔ اور کوٹھی سرطامس منکف صاحب بہادر میں اترے۔ خبر ہے کہ لاٹھ صاحب موصوف بائیسویں تاریخ ماہ حال کو بھی آج وقت شام کے دہلی سے روانہ ہوں گے۔"

یہاں بھی خبر میں ۲۱ اور ۲۲ تاریخیں حیرت انگیز ہیں۔ بظاہر کاتب نے بارھویں اور تیرھویں کی جگہ اکیسویں اور بائیسویں لکھا ہے۔

(۹) شمارہ ۲ جلد ۵ مورخہ ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۵۰ء میں اخبار مقامات مختلفہ کے تحت لکھا ہے کہ خبر ہے کہ مدرس گبسن صاحب جو بعدالقصائے مدت رخصت ولایت سے تشریف لائے ہیں، بجائے مسٹر ایڈمنسٹن کے منصب رجسٹرار صدر دیوانی آگرہ پر مقرر ہوئے۔ اور اڈمنسٹن صاحب کمشنری الہ آباد وغیرہ پر مامور ہوئے ہیں۔

یہ اڈمنسٹن صاحب بھی ممدوح ہیں مرزا غالب کے۔ ان کی مدح میں ایک قطعہ ۱۷ بیت کا اور ایک قصیدہ ۴۶ بیت کا غالب نے لکھا تھا، جو کلیات نظم فارسی کے نولکشور ایڈیشن میں صفحہ ۲۷ و ۲۹۳ پر موجود ہے۔

(۱۰) شمارہ ۴، مورخہ ۱۸ فروری سنہ ۱۸۵۰ء (صفحہ ۳۱) میں لکھا ہے کہ

"ہم سنتے ہیں کہ ایم۔ ی۔ گبسن صاحب بہادر مجسٹریٹ اور کلکٹر دہلی قائمقام کالون صاحب کے مقرر ہوئے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ کالون صاحب ممدوح کو باعث بیماری کے لاچار اس مقام کو چھوڑنا پڑا۔"

یہ کالون صاحب بھی جب فرمانروائے غرب و شمال ہوئے تو غالب نے ان کی مدح میں ایک ۵۸ بیت کا فارسی قصیدہ لکھا تھا، جو کلیات فارسی (صفحہ ۲۸۷) میں چھپ بھی گیا ہے۔

(۱۱) شمارہ ۱۱، مورخہ ۷ مئی، سنہ ۱۸۵۰ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں گبسن صاحب آگرے کے کلکٹر اور مجسٹریٹ تھے۔

ڈاکٹر گیان چند

مرزا ہوس کی ایک نادر مثنوی

نواب مرزا محمد تقی خاں ہوس، شجاع الدولہ کی نامور ملکہ بہو بیگم کے بھتیجے تھے۔ آصف الدولہ کے عہد میں فیض آباد چھوڑکر لکھنؤ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ انھوں نے ابتدا میں میر حسن سے مشورۂ سخن کیا اور اُن کی وفات کے بعد مصحفی کے شاگرد ہوگئے۔ اُن کی شہرت اُن کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کی وجہ سے ہے جو سعادت علی خاں کے عہد میں سنہ ۱۲۱۲ھ اور ۱۲۲۲ھ کے درمیان معرض وجود میں آئی۔ یہ مثنوی متعدد بار شائع ہوئی۔ اُن کا دیوان مصطفیٰ پریس لکھنؤ سے سنہ ۱۲۶۱ھ میں شائع ہوا۔ مطبوعہ نسخے اب نایاب ہیں۔ بیسویں صدی کے اوائل میں عماد الملک ڈاکٹر سید حسین بلگرامی نے مدراس سے اُردو شاعری کے انتخابات شائع کئے۔ مختار اشعار ان کا عجب سا نام تھا۔ جلد چہارم میں افسوس، تاباں، ممنوں دہلوی، نظیر، ہوس اور قائم کے دواوین کا انتخاب ہے۔ یہ انتخاب دوسری بار سنہ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا۔

میرے مقالے کا موضوع ہوس کی ایک غیر معروف غیر مطبوعہ مثنوی ہے جو میری رائے میں لیلیٰ مجنوں سے زیادہ شاعرانہ ہے۔ دیوان ہوس کے چار مخطوطے میری نظر سے گزرے۔ ایک ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری رام پور، انجمن ترقی اُردو علیگڑھ اور حمیدیہ کالج بھوپال کے کتب خانے میں ہے اور چوتھا نسخہ مولوی محمد حسین محوی صدیقی لکھنوی مقیم بھوپال کے کتب خانے کی ملکیت ہے۔ آخر الذکر نسخے میں غزلیات وغیرہ کے بعد عنوان ہے «آغاز مثنویات»۔ اس کے بعد ۳۹ صفحوں میں زیر بحث مثنوی ہے جہاں نسخہ نامکمل رہ جاتا ہے۔ قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نصف کے قریب مثنوی اور باقی ہوگی۔ فی الوقت مثنوی میں ۶۷۴ اشعار ہیں، اس کا کوئی عنوان نہیں۔ اسپرنگر نے کتب خانۂ شاہان اودھ میں دیوان ہوس کا ایک مخطوطہ دیکھا تھا جس میں ایک طویل مثنوی شامل تھی۔ غالباً یہی مثنوی ہوگی۔

اس مثنوی کے گمنام رہنے کی بظاہر یہی وجہ ہے کہ یہ دیوان کا جزو ہے اور ہوس غزل گو کی حیثیت سے کسی ممتاز مرتبے کا مالک نہیں۔ مثنوی میں چونکہ نصیر الدین حیدر کی مدح ہے اس لئے یہ سنہ ۱۸۲۷ء اور ۱۸۳۷ء کے درمیاں کی تصنیف ہے یعنی لیلی مجنوں کے مقدمات میں دور پختگی کی یادگار ہے۔ ہوس اودھ کے ابتدائی مثنوی نگاروں میں ہیں۔ دلی کے شعراء نے کثرت سے لکھنؤ کی سرزمین میں مثنویاں لکھیں لیکن فرزندان اودھ میں ہوس سے پہلے آصف الدولہ کی ایک مثنوی اور سمل فیض آبادی کی دو مثنویاں ملتی ہیں۔ یہ مثنویاں ہوس کے مرتبے کی نہیں۔ ہوس کے زمانے تک ادب میں دلی اور لکھنؤ کی تفریق واضح نہیں ہوئی تھی چنانچہ ان کی مثنویوں میں دبستان لکھنؤ کی خصوصیات ہیں۔

اس مثنوی میں حمد و نعت و منقبت کے بعد والی ملک نصیر الدین حیدر کی مدح ہے اور اس کے بعد میر کے اشعار میں توصیف عشق۔ اس کے بعد قصہ شروع ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

شہ روم شمشاد شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک روز شدت یاس میں محل سے صحرا کی طرف نکل گیا۔ وہاں خواب میں ایک شخص نے خبر دی کہ شام میں ایک کامل درویش ہے اس کے پاس جاکر اپنے درد کا درماں تلاش کر۔ بیدار ہونے پر بادشاہ درویش کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے سیوتی کا ایک پھول دیا جسے بیگم کو سنگھانے کے بعد ہم بستری کرنے سے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام گل بادشاہ رکھا۔ جوان ہو کر وہ ایک دن شکار کھیلنے گیا۔ دوپہر کی دھوپ سے پناہ لینے کے لئے یہ ایک باغ میں جا گیا۔ باغ کے اوپر سے کوہ قاف کے ایک بادشاہ دیو سیاہ کا گزر ہوا۔ وہ شہزادے پر عاشق ہوگیا اور اسے اٹھا کر قاف میں لے گیا۔ شہزادے نے خدا کو یاد کیا۔ حضرت خضر نے ظاہر ہو کر اسے ایک کماں اور تین تیر دئے اور اسم اعظم سکھا دیا۔ اتنے میں دیو اپنی فوج کے ساتھ شہزادے کے روبرو آیا۔ شہزادے نے ایک تیر سے اسے ہلاک کردیا۔ دوسرے تیر سے اس کے بیٹے دیو سعید کے ہاتھ بیکار کردئیے۔ وہ فرار ہوگیا۔ دیووں کی فوج نے گل کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا۔

ایک دوسرے مقام پر کوئی شہ پری فرماں روا تھی۔ اس کی سپاہ میں بارہ ہزار پریاں تھیں۔ اس کی بیٹی صنوبر پر دیو سعید عاشق تھا۔ دیو کے ڈر سے شہ پری نے بیٹی

کو جزیرہ راحت آباد میں ایک باغ میں پوشیدہ مقیم کیا ہوا تھا۔ ہفتہ میں ایک دن خود وہاں جاتی تھی۔ سفید دیو کے رفیقوں میں سے چند دیو اس طرف گزرے۔ دو پریوں کی معرفت صنوبر پری کو سفید دیو کے حال سے مطلع کیا صنوبر نے خوش ہوکر دیو سفید کو بلوا لیا اور داد عیش دینے لگی۔ شہ پری کو خبر ہوئی تو وہ صنوبر کو وہاں سے لے گئی اور اپنے مکان کے پاس افسانہ باغ میں ٹھہرا دیا۔ ساتھ ہی دیو کی مشاطگی کرنے والی دونوں پریوں کو اندھا کرکے کنویں میں اُلٹا لٹکا دیا۔

ایک دن اس کنویں پر شہزادہ گل کا گزر ہوا۔ اس نے ان پریوں کو نکالا اور اپنے شہر کو لے گیا۔ پریوں نے عرض کیا کہ بحر شور میں ایک بڑی شورہ پشت گاؤ رہتی ہے۔ اس کے منھ کا کف ہماری آنکھ میں لگایا جائے تو بینائی عود کر آئے لیکن اس گاؤ کو دیو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ شہزادہ دیوؤں کی مدد سے اس کا کف لے آیا اور پریوں کو بینائی عطا کی۔ پریوں نے شہزادہ کے روبرو صنوبر پری کے حسن کی بڑی تعریف کی۔ شہزادہ یہ سن کر دیوانہ ہو گیا اور ان پریوں کی مدد سے اس کے باغ میں پہنچا۔ وہاں بہت سی پریاں چہلیں کر رہی تھیں۔ انھیں میں صنوبر پری تھی۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ شہزادہ غش کر گیا۔ پری کی حالت بھی غیر ہوگئی کنیزوں کے اصرار پر محبوبہ شہزادے کے پاس آئی اور اس کو دلاسا دیا۔ شہزادے نے دنیا کی نیرنگیوں اور حرماں سامانیوں کا تذکرہ کیا۔

(اس کے بعد چھ صفحے غائب ہیں)

شہزادہ اور شہزادی باغ کے مکاں میں ایک ساتھ رات بسر کرتے ہیں تمام رات محض باتوں میں گزار دی جاتی ہے۔

اسی مقام پر نسخہ ختم ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کم از کم نصف قصہ ابھی باقی ہے۔ قصے میں کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ پلاٹ رائج الوقت داستانوں کے انداز پر ہے۔

ہوس نے ابتداء میں میر حسن سے مشورۂ کلام کیا۔ اس مثنوی میں چند اشعار میر حسن کی آوازِ بازگشت ہیں۔ ملاحظہ ہو

ہوس	حسن
کناروں پہ سرسوں کے کھیتوں کا روپ	درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ

وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا روپ ملائم ملائم وہ دھانوں پہ دھوپ
کہ رنگ چمن پر نہیں اعتبار کسی شے کو یاں کی نہیں اعتبار
یہاں چرخ میں ہے خزان و بہار خزاں کے تصرف میں ہے یہ بہار

باغ میں صنوبر پری کی رفیقوں کے دلچسپ مشاغل دیکھ کر میر حسن کی سحر البیان اور گلزار ارم کے بیانات کی یاد آ جاتی ہے۔ اس قسم کے بیانات سب سے پہلے فضائل علی خاں کی مثنوی میں پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں میر حسن اور ہوس کے چند مماثلات درج کرتا ہوں

سحر البیان	مثنوی ہوس
کوئی حوض میں جا کے غوطہ لگائے	کوئی حوض میں بیٹھی لٹکائے پاؤں
کوئی نہر پر پاؤں بیٹھی ہلائے	کوئی نہر پر پاؤں دھونے لگی
کوئی آرسی اپنے آگے دھرے ادا سے کہیں بیٹھی کنگھی کرے مقابہ کوئی کھول مسی لگائے لبوں پر دھڑی کوئی اپنے جمائے	کوئی مسی کی وہاں جما کر دھڑی کھڑی دیکھتی ہاتھ کی آرسی
گلزار ارم	
کوئی پھول اپنی انگیا میں دھرے ہے	کوئی پھول انگیا میں رکھ کر دکھائے
روش پر دوڑتی پھرتی ہے کوئی سبھلتی ہے کوئی گرتی ہے کوئی	روش پر کوئی گر کے رونے لگی
رکھے ہے کان پر کوئی گلوں کو	کوئی پھول کانوں پہ دھرنے لگی
کوئی ہے سوچ میں ٹہنی کو پکڑے	کوئی ٹہنی پکڑے ہوئے بید کی کسی سوچ میں محو حیراں کھڑی

اس مثنوی میں شاعرانہ بیانات کی افراط ہے۔ یہ بیانات مفصل ہیں اور ان میں ہوس نے مرقع کشی کی پوری کوشش کی ہے۔ ان مرقعوں میں جذبات کا

بھی بیان ہے اور مناظر کا بھی۔ جہاں اُنھوں نے آفتاب کی تمازت، شہزادی کا سراپا یا غش فراق کا بیان کیا ہے وہاں میر حسن کی سی معصوم سادگی تو نہیں لیکن نسیم یا قلق کا سا تصنع بھی نہیں۔ استعاروں اور مبالغہ کی رنگ آمیزی سے ایکن اسی حد تک کہ وضاحت میں مدد دے۔ پھر بھی ان بیانات میں کوئی امتیازی وصف، کوئی دلکش کرشمہ نہیں۔ لیکن بعد کے بیانات بےنظیر ہیں۔ ان میں عام طور سے میرحسن کی سادگی اور خلوص کی تقلید کی ہے۔ بعض بیانات کا موضوع ایسا ہے جو عام طور پر مثنویوں میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ ہوس نے کئی جگہ نازک نفسیاتی کیفیات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

صنوبر پری اپنے باغ میں شہزادے سے دوچار ہوتی ہے اور نسوانی فطرت کی حیا سے پسینہ پسینہ ہوجاتی ہے۔ ہوس نے اس کی حیا و حیرت کو الفاظ میں محصور کرنے کی کوشش کی ہے۔

جبیں سے پسینہ ہوا قطرہ زن   حیا نے جُھلایا وہ سب بانکپن
جھجک کر ٹھٹک رہ گئی ایک بار   ہوئیں لاکھ ادائیں جھجک پر نثار
پسینے میں اپنے نہائے ہوئے   کھڑی شرم سے سر جھکائے ہوئے
حیا آنکھ میں رعشہ اندام میں   مشوّش محبت کے انجام میں
ہزاروں ہوئے سوچ لاکھوں خیال   حیا پر ہوا حسن اپنا وبال

شہزادے کو غش آجاتا ہے۔ شہزادی موقع کو غنیمت جان کر وہاں سے مکاں میں چلی جاتی ہے۔ کنیزیں اصرار کرتی ہیں کہ اس خستہ تن کے پاس چل کر بےنقاب ہوکر اس کی مسیحائی کرے۔ شہزادی آتی ہے۔ شاعر نے اس کی نفسیات کو اس طرح بیان کیا ہے:

نہ بار لغزش تھی رفتار پا   حیا سدّ رہ شرم تھی خار پا
بظاہر اگر اُٹھ گیا تھا نقاب   لجائی ہوئی آنکھ میں تھا حجاب
پسینے کے قطروں سے بھر حجاب   ملا حسن کو موتیوں کا نقاب
دھڑک دل کی پیدا تھی آواز سے   ہزاروں گِلے شرم کو ناز سے
غضب دل میں ہیبت سمائی ہوئی   عروسانہ چتون لجائی ہوئی

شہزادہ غش ہے۔ پری دل سے گفتگو کرتی ہے کہ عشاق کی زندگی بھی کتنی

پُردرد ہوتی ہے۔ شاعر نے اس سلسلے میں عشاق کی خستہ حالی پر ۳۳ اشعار لکھے ہیں۔ فراق زدہ عشق کی خستہ حالی کا بیان مثنویوں میں اکثر ملتا ہے لیکن ہوس نے ایک نئے زاویے سے غور کیا ہے۔ شہزادی کمال سادہ دلی سے دل ہی دل میں گفتگو کرتی ہے۔

حقیقت میں وہی تو انسان ہے　　یہی جسم ہے اور یہی جان ہے
جدا جس سے دل کرتی ہے کسا　　جو رہتا نہیں پاس ناموس کا
نہ ژولیدہ موئی سے اس کو ضرر　　نہ کچھ سنگ طفلاں سے خوف و خطر
جہے گالی کس ر نہ جانے ذرا　　جو دے کوئی گالی تو دے مسکرا
نہ سردی نہ گرمی سے شکوہ اسے　　نہ کچھ کھانے پینے کی پروا اسے
نہیں خواب سے اس کی چشم آشنا　　یہ کیوں نیند کا چین جاتا رہا
نہیں پوس لگنے سے ہوتا ہے درد　　یہ ہرگز سمجھتا نہیں کیا ہے درد
نہ جاڑے میں ہی دھوپ کی تلاش　　نہ خواہاں راحت نہ فکر معاش
اسے کیا نہیں بھوک لگتی کبھی　　ہماری طرح یہ بھی رکھتا ہے جی
بھلا اس نے کیا زندگانی کا لطف　　نہ ہو پیاس میں جس کو پانی کا لطف
نہ جانے سبب کیا یہ دیوانہ ہے　　کسی شمع محفل کا پروانہ ہے

اس سے زیادہ فطری طرز فکر و طرز بیان نہیں ہوسکتا۔ یہ حقیقت نگاری مبالغہ کے مضمون آفریں شعروں کی وسیع پیمائی سے زیادہ پُر اثر ہے۔

شہزادی کو پہلی مرتبہ اپنے پاس دیکھ کر شہزادہ اپنے احساسات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اول جنگلی دنیا پر تبصرہ کرتا ہے۔ تقریر طویل ہے لیکن یہ حکایت لذیذ کی مصداق ہے۔ جنگل کی نیرنگیوں کے پردے میں شاعر منظر نگاری کی داد دیتا ہے:

کبھی کونپلیں سبز پتے ہرے　　کبھی پت جھڑ اور ڈنڈ سو کھے کھڑے
گھٹائیں کبھی آتی ہیں جھوم جھوم　　کبھی مور کرتے ہیں پانی کی دھوم
کبھی مینہ برستے ہیں یک شور سے　　کبھی آندھیاں چلتی ہیں زور سے
کبھی ٹہنیوں میں ہے پانی کی بہار　　کبھی خشک پتے ہیں اور خشک خار
نہ گل کو بقا نہ ثمر کو ثبات　　کبھی رات سے دن کبھی دن سے رات
کسی شے کو یاں کی نہیں اعتبار　　خزاں کے تصرف میں ہے یہ بہار

سحر البیان کا انداز ہے لیکن زبان اس سے بدرجہا صاف ہے۔ متروکات گویا بالکل نہیں۔ ہوس نے عموماً لکھنؤ کا تخئیلی اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ قرار واقعی مرقع کشی کی کوشش کی اور لطف پیدا کردیا۔

بےثباتی دنیا کی گفتگو کے بعد شہزادہ گزر کرکے شام کے پس منظر میں سیر دریا کے حسن کی تصویر کھینچتا ہے۔ یہ بیان حاصل مثنوی ہے۔ یہ اُردو کی کسی بھی مثنوی کے لئے باعث فخر ہوسکتا تھا۔ میں اس کا ایک طویل اقتباس پیش کرتا ہوں:

مگر سیر دریا میں ہے ایک مزا　　بھلی لگتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
بھنور روکش ساغر و بادہ ہے　　ہر اک موج متوالوں کا جادہ ہے
کناروں پہ سرسوں کے کھیتوں کا روپ　　ملایم ملایم وہ دھانوں پہ دھوپ
وہ سبزے پہ تحریک موج نسیم　　کنول پر وہ بھونروں کا کسب شمیم
کناروں پہ سبزہ وہ پرتو فگن　　وہ سورج کے گرد ایک سنہری کرن
خوشی سے وہ مرغولۂ طائراں　　وہ پانی کو پی پی کے ہونا رواں
سناتے ہوئے سب کو اپنی دُھنیں،　　درختوں پہ جا جا بسیرے کریں
شفق پھولنے کا کروں کیا بیاں　　گل و لالہ پہ خندہ زن آسماں
تل رنگ سرخی میں سب بےمثال　　صبا کھیلے ہولی اُڑاوے گلال
حبابوں کے تن پر لباس عروس　　کنول کی کلی رشک تاج خروس
لڑے کوئی پانی میں چھینٹے اگر　　سماں آوے پچکاریوں کا نظر
جزائر میں بھی ہر شام نگلوں کےپر　　بہ پیش نظر رشک گُلبرگ تر
شط جوں بہ پیش نظر رود نیل　　فضائے فلک صحن باغ خلیل
اُڑاتا ہے عکس شفق شال سرخ　　خوشی سے حبابوں کے ہیں گال سرخ
سے پنجۂ مہر دست نگار　　ہر اک مور طاؤس آتش بہار
خس و خار بہتے ہیں جو بحر پر　　تو جوں شاخ مرجاں ہیں پیش نظر

جیسے نظر کے سامنے ایک منظری فلم گزاردی گئی ہو۔

ایک اور اقتباس پیش کرکے اس مثنوی کا تعارف ختم کرونگا۔ گل اور صنوبر پری شب وصل باتوں میں ختم کردیتے ہیں۔ رات کو نہ سونے کی وجہ سے ان کی

اور ان کے رعنا کی تمتمائی ہوئی صورت اور سرخ آنکھوں کی کیفیت ملاحظہ ہو:

حسینوں کی آنکھوں میں خوابِ گراں — وہ خمیازہ لینے وہ انگڑائیاں
وہ آنکھوں کے ڈورے رگِ لعلِ ناب — ہر اک کو نشہ نیند کا بے شراب
منھ اُترے ہوئے آنکھیں جاگی ہوئی — نشہ سے فزوں نیند کی بےخودی
ہر اک شخص کو بے ملال اک ملال — اُٹھانے وہ جھنجھلا کے منھ پر سے بال
[illegible] کی گرمی سے سب بےحواس — وہ رنگوں کی زردی وہ چہرے اُداس
اُداسی میں بھی رنگ نکھرے ہوئے — لبیں ڈھیلیں اور بال بکھرے ہوئے
جھپکتی آنکھیں اب خشک اور رنگ فق — یہی محمل عیش غم کا ورق
وہ منھ تمتمائے ہوئے لال لال — کھٹک آنکھوں میں نیند کی جی نڈھال
وہ کنپٹیوں میں جگنے کی لپک — سیاہ مژہ میں چھپی گرد مک
وہ پیش نظر زمرے چھوٹنا — وہ انگڑائیوں کے مزے لوٹنا
اُچھل پڑنا گہ یک بیک اونگھ کر — کبھی ہار پھینکا تلے سونگھ کر
جماہی کبھی لے کے کرنا وہ آہ — چھپر کھٹ پہ ایک آرزو کی نگاہ

چہرے سے بکھرے ہوئے بال ہٹانا، کنپٹیوں میں جاگنے سے سوزش، آنکھوں کے آگے مزے چھوٹنا، اونگھ اونگھ کر چونک پڑنا، جماہی لینا، یہ سب کسی ژرف نگاہ کا حصہ ہے اور عمیق مشاہدہ ہی قلمبند کرسکتا تھا۔ ان موضوعات کی جدت اور تازگی قابلِ توجہ ہے۔

اقتباسات کا سلسلہ طویل ہوگیا۔ چونکہ یہ نادر مثنوی اُردو کی حسین مثنویوں میں شمار کی جاسکتی ہے اس لئے میں نے اس کا تعارف پیش کیا۔ چونکہ مثنوی کا قصہ نامکمل ہے اس لئے اس کے پلاٹ یا کردار نگاری کے بارے میں کوئی رائے نہیں ظاہر کی گئی۔ شعر کے سماجی اور نفسیاتی پس منظر کو پیش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی گئی کیونکہ یہ مثنوی اپنے عصر کی دوسری داستانی مثنویوں ہی کی طرح ہے۔ اُردو مثنوی کے پس منظر کا بیان ایک مثنوی کے تعارف کے دائرے سے کہیں وسیع تر ہے۔ اس کی ایک جھلک بھی طول بےجا کا باعث ہوتی۔ ظاہر ہے کہ زیر بحث مثنوی ان کی مشہور مثنوی «لیلیٰ مجنوں» سے کہیں بہتر اور خوشتر ہے۔ اس میں جو صناعی ہے جو جمال آفرینی ہے وہ لیلیٰ مجنوں میں کہاں! کاش اس مثنوی کا مکمل نسخہ دستیاب ہوسکتا۔

ڈاکٹر نعیم الدین

حضرت شاہ غلام حسین رح ایلچ پوری کی ایک نایاب مثنوی

امراوتی ضلع (بمبئی پردیش) میں ایلچ پور ایک قدیم شہر ہے۔ عہد عماد شاہی میں یہ برار کا دار الخلافہ اور اہل علم و ادب کا مرکز رہ چکا ہے۔ افسوس کہ یہاں کے اصحاب علم و فضل کے کارنامے ہماری غفلت کے نذر ہوگئے جو اس وقت بچ سکے ہیں انہیں وقتاً فوقتاً منظر عام پر لانے کا ارادہ ہے۔ اس سلسلے میں ہم ایلچ پور کے اٹھارویں صدی کے مشہور عالم اور صوفی حضرت شاہ غلام حسین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء) کے "لگن نامہ" کا تعارف نوائے ادب (جولائی سنہ ۱۹۵۷ء) میں کراچکے ہیں۔

موصوف کے آبا و اجداد کا وطن حایس ہے۔ والد ماجد حضرت سید غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ عہد جوانی ہی میں برار چلے آئے۔ حضرت غلام حسین رحمۃ اللہ علیہ یہیں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں ایلچ پور میں حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کے مرید حضرت شاہ اسمعیل چشتی (المتوفی سنہ ۱۱۶۶ھ) مسند رشد و ہدایت پر متمکن تھے۔ شاہ غلام حسین رحمۃ اللہ علیہ ان ہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ حافظ اور خطاط ہونے کے علاوہ سلوک و معرفت میں فرد تھے۔ تمام زندگی درویشانہ استغنا کے ساتھ گزاری۔ ایلچ پور میں خاص و عام سب اس شمع معرفت کے پروانے تھے۔ نواب ایلچ پور اسمعیل خاں بہادر ہر پنجشنبہ قدمبوسی کے لئے آتے تھے۔ تاریخ امجدی کے مولف کا بیان ہے کہ ایلچ پور کے قیام میں نظام علی خاں بہادر آصف جاہ ثانی بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جاگیر پیش کی لیکن شاہ صاحب نے قبول کرنے سے انکار کردیا[1]۔

---

[1] تاریخ امجدی صفحہ ۶۲۹، شاہ صاحب کے حالات کا تنہا ماخذ ایلچ پور کے خطیب حضرت سید امجد حسین رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ امجدی (مطبع خورشیدیہ، حیدر آباد سنہ ۱۲۹۳ھ) ہے۔

شاہ صاحب شاعر بھی تھے۔ بقول تاریخ احمدی (صفحہ ۶۲۲)

"شعر حقانی بصنعت صوفیانہ و عارفانہ خوب میگفتند۔ در فارسی و اردو دیوان نوشتہ اند"

افسوس کہ یہ دیوان اب ناپید ہیں۔ بہرحال آپ کی مثنوی "لگن نامہ" جو حال میں خاکسار نے طبع عام پر لایا ہے آپ کے عارفانہ کلام کی بڑی عمدہ مثال ہے۔ دکنی زبان میں شادی نامہ کی طرز میں لکھی ہوئی صوفیانہ نظموں میں خوبی ادا کے لحاظ سے یہ اپنی مثال آپ ہے[1]۔

موصوف کی ایک اور مختصر مثنوی کا پتہ چلا ہے جس کا عنوان یکرنگ نامہ ہے اس کا ایک مخطوطہ راقم الحروف کے پاس ہے اور ایک قاضی کرم محی الدین صاحب ایلچپوری کے کتب خانے میں، یہ دونوں اسی صدی کے اوائل کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اغلب ہے کہ ایک ہی قدیم نسخہ کی نقلیں ہوں۔ اس کا کوئی قدیم نسخہ ابھی تک دستیاب نہ ہوسکا۔ دونوں نسخوں میں اسے حضرت شاہ غلام حسین رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کیا گیا ہے۔ بعض ابیات مثلاً

نحن اقرب الیہ من حبل الورید

لگن نامہ اور یکرنگ نامہ دونوں میں مشترک ہیں۔ مزید برآں ان دونوں نظموں کے بعض اشعار میں زبان و مضمون کی مماثلت بھی نمایاں ہے

یکرنگ نامہ

بھی اندھے رہیں گے جو کوئی اس جگت میں
اونھیں گے وہ اندھیچ سو آخرت میں
اسے جگ میں آنا نہیں پھر دوبارا
چلا جائے گا جانیو جانے ہارا

لگن نامہ

اندھی رہے گی جو کوئی غفلت سوں اس جگت میں
اندھیچہ او اٹھے گی آخر کوں آخرت میں
پھر پیجرے کے بھیتر آتا نہیں دوبارا
ست پنجرے کوں خالی جاتا ہے جانے ہارا

ایک ہی مصنف کی دو نظموں میں یہ مماثلت بالکل فطری ہے۔

---

[1] راقم الحروف اس قسم کے شادی ناموں کے تقابلی مطالعہ پر ایک مقالہ ترتیب دے رہا ہے

یکرنگ نامہ میں مندرجہ ذیل قدیم متروک ہندی الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

یو ، جھے ، اپس ، پرگھٹ (پرگٹ) ، براکر ، اندھیچ ، ساچا ، حسابھارا ،

شاہ صاحب تجنیس کے دلدادہ ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے

اپس من کا مکا نہ پھیریں براکر

پوری نظم کی زبان قدیم ہونے کے باوجود صاف اور سلیس ہے۔ شاہ صاحب صوفی بھی ہیں اور واقعی شاعر بھی۔ بعض صوفیانہ مسائل کو بڑی لطافت کے ساتھ نظم کردیا ہے۔ کبیر کے انداز میں کہتے ہیں کہ

ہندو مسلم ایک ہیں۔ دونوں ایک مقام سے آئے ہیں۔ کمہار نے ایک ہی مٹی سے سب برتنوں کو بنایا ہے۔ اختلاف نام اور شکل میں ہے۔ دونوں کے عبادت کے طریقے الگ الگ ہیں لیکن بات وہی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دونوں کے ہاں ظاہر ہی ظاہر ہے تسبیح یا مالا پھیرنے والے اپنے من کا مکا پھیرنے کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ دونوں کے پاس دفتر اور پوتھی موجود ہے لیکن پریت کے پنتھ کا ایک اکشر بھی کسی کو یاد نہیں۔ ہم سب کا اصل کام پچھانت یعنی معرفت ہے اور یہ اپنے قلب کی طرف متوجہ ہونے اور خود کو پہچاننے سے حاصل ہوگی۔

شاعر نے جس طریقے سے ہندو مسلمان دونوں کی خبر لی ہے اس کی مثال ہماری قدیم شاعری میں مشکل سے ملتی ہے بات یہ ہے کہ حضرت وحدت الوجود اور صلح کل کے قائل تھے۔ چشتیہ سلسلہ کے عظیم ترین نمایندہ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ « ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاھے» کہہ گئے تھے۔ حضرت علام حسین رحمۃ اللہ علیہ اسی وسیع المشرب سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ یہ دونوں قومیں "یہاں آکر دوئی کا جھگڑا مچائیں" اس لحاظ سے یکرنگ نامہ پوری قدیم اردو شاعری میں اپنے رنگ میں واقعی منفرد ہے۔

نظم کا متن درج ذیل ہے:

جگت میں مسلمان ہندو کہائے   یو دونوں جھے ایک جاگہ سُوں آئے
ہوا کوئی مُلا ہوا کوئی پانڈے   گھڑا ہے کمہار ایک ماٹی کے بھانڈے
کدھر سُوں کدھر کو بھکتے چلے ہیں   یہ دونوں جھے کیوں بھٹکتے چلے ہیں
وہ ہندو بھی پوجا کو دیول میں جاویں   مسلمان مسجد میں سجدہ یکو جاویں

وہاں جاکے ماٹی کی دیوار دیکھیں اپس گھٹ کو جھانے تو دیوار دیکھیں
مسلماں تسبیح لمی پھرا ویں وہ ہندو بھی مالا بھکل کے دکھاوین
دکھاتے ہیں لوگوں کو دانے پھرا کر اپس مکا مکا نہ پھیریں براکر
مسلماں اللہ کا نام بولیں وہ ہندو بھی ہر ہر جپیں رام بولیں
زباں سوں کہیں دل سوں اپنے ساریں وہ حاضر کو غائب سمجھکر پکاریں
مسلماں جاہویں مکے کے حاجی وہ ہندو بھی جاہویں کاسی میں باسی
گھرو گھر پھریں ڈھونڈے اپنو دیوانے اپس گھر میں دیکھیں تو جانے پچھانے
مسلماں سب غسل کر پاک ہویں وہ ہندو بھی اشناں کر تن کو دھوین
اپس کو نہ کر پھریں ہوکے جھیلا کریں تن کو اُجلا رکھیں دل کو میلا
مسلماں پڑھے ہیں مسلماں کتاباں وہ ہندو کریں بید پوتھی کی باتاں
نقل میں پھریں مکر کا لیکے دفتر نہ سمجھیں پرت پتھ کا ایک اچھر
مسلماں سُنت کرا گوشت کھاویں وہ ہندو چھدا کاں چوبی رکھاویں
بڑی دہیہ ماتی نقل جو کیا ہے دنا کیا دیا اور جلا کیا دیا ہے
وہیں سوں اسے بھات کیوں ہو نہ آئے نہیں آ کے جھگڑا دوئی کا بجھائے
دوئی عشق کے پنتھ میں نئیں ہے یارو مسلماں ہندوؤں اچھر بچارو
جہاں کفر و اسلام کی بات سمجھو اندھیاری اجالی کو دن رات سمجھو
اسی رات میں دن ہے اور دن میں ہے رات میری بات سمجھو تو ہے بات میں بات
مسلماں ہندوؤں میں فرض جانو پچھانت کون دنیا میں جوں فرض جانو
بھی اندھے رہنگے جو کوئی اس جگت میں او تھینگے وہ اندھیچ ہو آخرت میں
اسے جگ میں آنا نہیں پھر دوبارا چلا جائیگا جا ہو جانے پیارا
اس گھٹ میں اللہ کو پہچان لینا بھروسا نہیں جان کا جان لینا
وہی ذات میں سب کے ہر گھٹ ہوا ہے اسی نور سوں پور گھٹ گھٹ ہوا ہے
وہی کل سے محیط ایک ہیگا اسی ایک کا سب طرف ٹھیک ہیگا
تیرے گھٹ میں شہ رگ سوں نزدیک ہے رب کہا اس نے قرآں میں نحن اقرب
تیری ذات میں اپی وہ ذات ہیگا سمجھ رہو معلم تیرے ساتھ ہیگا
اپس گھٹ میں تحقیق کر من عرف کو یہ دفتر کو ست دھو کے لے یک حرف کو
عجب کست کسرا کا ساچا رتن ہے علام حسین و حسن کا بچن ہے

تبصرے

(۱) اُردو رسم خط اور طباعت

مصنف : پروفیسر ہارون خاں شیروانی۔
ناشر : مہتمم مطبوعات، سعود منزل، حمایت نگر۔ حیدر آباد (دکن)،
قیمت : (درج نہیں ہے) صفحات ۸٤

اردو میں جتنا بھی تحقیقی کام ہورہا ہے اس کا زیادہ تر حصہ تنقید یا تاریخی تحقیقات پر مشتمل ہے۔ اردو رسم خط اور اس کی طباعت کے مسائل کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ غالباً یہ غلط فہمی ہے کہ ان مسائل کا تعلق چھاپے خانوں سے ہے۔ شعراء کے بیسیوں تذکرے نکلے، تاریخ اردو پر بیسیوں کتابیں چھپیں، ادیبوں اور صحافیوں کے متعدد تذکرے شائع ہوئے لیکن کسی نے اردو کے خطاطوں کا بھی تذکرہ مرتب کیا یا ان کے نمونے جمع کئے؟ حالانکہ ہم نستعلیق رسم خط ہی استعمال کرتے آ رہے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے رہے ہیں۔

پروفیسر ہارون خاں شیروانی نے زیر تبصرہ کتاب میں اردو رسم خط اور طباعت کے سلسلے میں بہت کچھ مفید مواد پیش کیا ہے دراصل یہ کتاب مصنف کے ان مضامین پر مبنی ہے جو «اردو ادب» میں چھپ چکے ہیں۔

پروفیسر شیروانی نے طباعت کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس کے بعد یہ مشورہ دیا ہے کہ لیتھو کی چھپائی یعنی کتابت کے طریقے کو فوراً چھوڑ دیا جائے اور نسخ ٹائپ کو رواج دیا جائے۔ یہاں تک تو ایک بہت بڑا اردو داں طبقہ ان کا ساتھ دے گا لیکن وہ جن دو اور نتیجوں پر پہونچے ہیں وہ البتہ غور طلب ہیں۔ پروفیسر صاحب کو خطرہ ہے کہ اردو اگر دیوناگری لپی میں «بھی» لکھی جانے لگی تو اس سے اردو، ہندی میں مدغم ہو جائے گی۔ اس کے جواز میں انہوں نے کنہیا لال منشی کا اقتباس پیش کیا ہے۔ لیکن منشی کی شرط صرف لپی کی نہیں بلکہ عربی، فارسی لفظوں کے بجائے سنسکرت شبدوں کو

رواج دینے کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب کا یہ خیال کہ صرف دیوناگری لپی ہی اردو کو ہندی میں مدغم کردے گی صحیح نہیں۔ فرانسیسی انگریزی اور کئی دوسری زبانیں رومن لپی میں لکھی جانے کے باوجود الگ الگ زبانوں کی حیثیت سے قائم رہی ہیں۔ اردو والے یہ تو کبھی منظور نہیں کریں گے کہ اردو رسم خط چھوڑ دیا جائے لیکن ان ہی مصلحتوں کی بنیاد پر جن کے پیش نظر پروفیسر صاحب اردو کی کتابیں رومن لپی میں « بھی » چھاپنے کا مشورہ دیتے ہیں، دیوناگری لپی میں بھی کیوں نہ چھاپی جائیں؟ غیر ملکیوں کی سہولت اگر ملحوظ خاطر ہوتی ہے تو اس سے زیادہ ہم وطنوں کی سہولت کا خیال ضروری ہے۔ پچھلے چند برسوں میں اردو کی بہت سی کتابیں دیوناگری میں مختلف ناشروں نے شائع کی ہیں اور ان میں سے اکثر بے حد مقبول ہوئی ہیں۔ ان میں شعراء کا کلام بھی ہے، ناول بھی اور افسانے بھی۔ ان کتابوں نے اردو کے خلاف بے جا تعصب کو دور کرنے میں مدد دی ہے اور ممکن ہے کہ اردو اس طرح سرکاری زبان ہندی پر اثر انداز ہوتی ہو۔

رومن لپی کا محدود طریقے پر اردو کے لئے استعمال کیا جانا قابل غور مسئلہ ہے۔ پروفیسر صاحب کا مشورہ ہے کہ « سائنس اور اعلیٰ ادب کی کتابوں کی طباعت اصلاح شدہ رومن اردو خط میں کی جائے » (صفحہ ۳۸)۔ یہ خیال مناسب ہے لیکن یہ اسی حالت میں مفید ہوگا جبکہ ہم (الف) یہ طے کر لیں کہ ہندوستان میں کسی نہ کسی شکل میں رومن لپی کا وجود عام طور سے ہمیشہ باقی رہے گا (ب) جبکہ دوسری زبانیں بھی اپنی کتابیں اس لپی میں چھاپنے کا فیصلہ کریں بالخصوص ہندی (ج) جبکہ رومن لپی کی اصلاح شدہ شکل متفقہ طور پر ہندوستان کی ساری زبانوں کے لئے تسلیم کرلی جائے۔

نسخ ٹائپ کے سلسلے میں پروفیسر شیروانی نے حیدر آباد سنٹرل پریس کے ٹائپ کے روپ کی تعداد درج کی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پوائنٹ کے بڑھنے سے روپ کی تعداد کیوں بڑھتی جاتی ہے مثلاً ۱۰ پوائنٹ کے ۱۶۷ روپ (علاوہ اعراب و اوقاف) ہیں تو ۱۶ پوائنٹ میں ۳۴۶ اور ۳۰ پوائنٹ میں ۴۰۰۔ بمبئی کے « ادبی سیریز » نسخ ٹائپ میں جس میں یہ رسالہ « نوائے ادب » چھپتا ہے ۱۲، ۱۸، اور ۲۴ پوائنٹ ٹائپ میں یکساں طور پر اعراب و اوقاف وغیرہ ملا کر کل ۲۷۸ روپ ہیں اور

بمعہ انگلش کے کیس میں سما جاتے ہیں۔

مجموعیٗ طور پر پروفیسر صاحب کا یہ رسالہ اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ نہایت غور سے کیا جائے۔

(ش. د.)

(۲) **باغ و بہار** - مصنف. میر امن، ناشر . نیا ادارہ، ۱۵ سرکلر روڈ، لاہور
ضخامت : ۳۰۰ صفحات		قیمت : پانچ روپے

نیا ادارہ لاہور نے نئی لائبریری کے نام سے اردو ادب کی بہترین کتابوں کو خوبصورت نسخ ٹائپ میں شائع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے یہ اس کی دوسری کڑی ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی مرزا رسوا کی امراؤ جان ادا تھی جو اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر اردو ادب میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

امراؤ جان ادا کی طرح باغ و بہار بھی اردو ادب میں ایک ممتاز مقام کی مستحق ہے۔ پہلی اگر لکھنؤ کی زبان اور وہاں کی تہذیب کی آئینہ دار ہے تو دوسری دلی کی زبان اور وہاں کی تہذیب کا عکس ہے، مختلف اداروں کی طرف سے اس کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

باغ و بہار کا زیر تبصرہ نسخہ فوربس کے نسخہ کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء میں ادارہ کی طرف سے پانچ صفحات کا ایک پیش لفظ ہے جس میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ فوربس کا نسخہ سامنے رکھنے کے باوجود اس میں کیا کیا تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہیں۔ اور آخر میں باغ و بہار کی زندہ نثر کے عنوان سے ڈاکٹر سید عبداللہ کا ایک اختتامی مضمون ہے جس میں وہ تمام اسباب بیان کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے باغ و بہار کی نثر زندہ جاوید ہو گئی ہے۔

کتاب بڑے اہتمام کے ساتھ خوبصورت ٹائپ میں شائع ہوئی ہے اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری کی زینت بنے۔

(۳) **کپتان کا گڈا** - مترجم : حنیف رامے ناشر : نیا ادارہ، ۱۵ سرکلر روڈ لاہور،
ضخامت : ۲۷۲ صفحات		قیمت : دو روپے آٹھ آنے

ڈی ایچ لارنس (۱۸۸۵ـ۱۹۳۰) انگریزی زبان کا ایک بہترین شاعر، افسانہ نویس

اور ناول نگار ہے، اس کی ادبی زندگی کی مدت بیس سال سے زیادہ نہیں لیکن اس مختصر سے عرصہ میں اس نے تقریباً ۷۵ مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف یادگار چھوڑیں، زندگی میں اس کے کارناموں کی کوئی قدر نہ ہوئی لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کی تصانیف نے قبول عام حاصل کیا اس کی ان مقبول عام تصانیف میں «The Captain's Doll» نامی ناول بھی ہے، یہ انسانی معاشرہ میں عورت کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اسی ناول کا ترجمہ ہے۔ اس میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اصل تاثر کسی طرح ضائع نہ ہونے پائے اور زبان و بیان کی خوبیاں بھی باقی رہیں۔ اردو ادب کے خزانے کو مالا مال کرنے کے لئے اس قسم کی کوششوں کی سخت ضرورت ہے، امید ہے کہ اردو داں اصحاب اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

(٤) حضرت عثمان صرف تاریخ کی روشنی میں مترجم عبدالحمید نعمانی

صفحات ۔ ۳٤٤ صفحات قیمت درج نہیں

ملنے کا پتہ جامع اوفس محمد علی روڈ بمبئی۳

حضرت عثمان کی شہادت اسلامی تاریخ کا ایک بڑا المیہ ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں میں ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ بلکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے جس حسن سے خلافت کے حسین پودے کو سینچا تھا وہ تناور درخت سے کے بعد جڑ پیڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔

اس تاریخی المیہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے پھر بھی ضرورت تھی کہ جذبات سے الگ ہو کر صرف تاریخ اور سیاسیات کی روشنی میں کوئی اس کے پس منظر پر روشنی ڈالتا۔ نہ حضرت مصر کے نامور ادیب اور مورخ ڈاکٹر طٰہ حسین نے «الفتنة الکبری» کے عنوان سے عثمان نامی کتاب لکھ کر انجام دی اس میں انھوں نے اسلامی نظام سیاست کا تعارف کرانے کے بعد شہادت عثمان کا منظر و پس منظر نہایت بصیرت افروز طریقہ پر بیان کیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اسی کا ترجمہ ہے۔ ایک زمانہ تک یہ قسط وار برہان دہلی میں شائع ہوتا رہا ہے اور اب کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ زبان آسان ترجمہ صاف اور طرز بیان بہت واضح ہے۔ کتابت و طباعت بھی معیاری ہے۔ جو لوگ محض عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے اس قسم کی اہم کتابوں کا مطالعة

نہیں کر سکتے ان کے لئے یہ اچھا موقع ہے۔ امید ہے کہ تاریخ اسلامی سے سے دلچسپی رکھنے والے احباب اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

(۵) ہندوستانی لسانیات کا خاکہ ۔ مترجم: پروفیسر سید احتشام حسین

ناشر: دانش محل، امین الدولہ پارک لکھنؤ،

ضخامت: ۱۵۰ صفحات، قیمت: دو روپے،

یہ جان بیمز کی کتاب An Outline of Indian Philology کا اُردو ترجمہ ہے، اس کا پہلا ایڈیشن مترجم کے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ سنہ ۱۹۴۸ء میں شائع ہوا تھا، دس سال بعد اب اس کا دوسرا ایڈیشن ہمارے سامنے آیا ہے۔

جب اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا تو اُس وقت اُردو میں لسانیات کے موضوع پر دو ایک مختصر کتابوں سے زیادہ موجود نہیں تھیں اور اُردو ہندی کا جھگڑا بھی کسی واضح نتیجہ پر نہیں پہنچا تھا۔ اب یہ صورت حال نہیں ہے، ایک طرف اگر لسانیات پر اُردو میں متعدد کتابیں موجود ہیں تو دوسری طرف ہندی نے بھی سرکاری زبان کا درجہ حاصل کرکے اُردو کے موقف کو ایک عجیب کس مپرسی کی حالت میں ڈال دیا ہے۔

زیر تبصرہ ایڈیشن کے مقدمہ میں مترجم نے مذکورہ حالات کو سامنے رکھ کر کچھ تبدیلیاں کی ہیں، چنانچہ اس میں اُردو زبان کی ابتدا سے متعلق پروفیسر محمود شیرانی اور پروفیسر شوکت سبزواری کے بعض جدید نظریوں پر تنقید، اور اُردو کی حفاظت کی خاطر متعدد تجاویز کا موجود ہونا، اسی کا نتیجہ ہے۔ لسانیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک اہم کتاب ہے۔

(۶) نقوش، مکاتیب نمبر ۔ مرتب: محمد طفیل

ناشر: ادارۂ فروغ اردو، ایبک روڈ، لاہور

ضخامت: ۱۰۵۰ صفحات، قیمت: دس روپے

ویسے جب نقوش دو ماہی تھا تب بھی اس کی ایک امتیازی شان تھی، لیکن جب سے اس نے نمبروں کی شکل اختیار کی ہے اُردو دوست احباب کی توجہات کا مرکز بنا ہوا ہے، اب تک اس کے چار اہم نمبر، شخصیات، افسانہ، غزل اور منٹو

پر شائع ہوچکے ہیں، اور اب اس کا پانچواں نمبر «مکاتیب نمبر» کے نام سے ہمارے سامنے ہے۔

یہ نمبر تقریباً ڈیڑھ سو ادیبوں کے، جن میں سے اکثر ہم سے جدا ہوچکے ہیں، غیر مطبوعہ خطوں کا مجموعہ ہے جس کو صفحات کی زیادتی کی وجہ سے دو جلدوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔

ابتدا میں خطوط، خطوط نگاری اور خطوط نگاروں سے متعلق غلام رسول مہر، ڈاکٹر سید عبداللہ اور مالک رام کے تین اہم مقالے ہیں اور آخر میں محمد عبداللہ قریشی کا مضمون مشاہیر ادب ہے جو مکتوب نگاروں کے حالات پر روشنی ڈالتا ہے۔ علاوہ ازیں کچھ موجودہ ادیبوں کے خط بھی بڑھا دئیے گئے ہیں۔

اس طرح مجموعی طور پر اس نمبر نے مکاتیب کے سلسلے میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت اختیار کرلی ہے جو تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے سنگ میل کا کام دے گا۔ اُمید ہے کہ سابقہ نمبروں کی طرح یہ نمبر بھی اُردو داں طبقہ میں کافی مقبول ہوگا۔

(۷) لکھنؤ اور جنگ آزادی ۔ مرتب و ناشر۔ ادبی اکیڈیمی، نیا گاؤں، لکھنؤ

ضخامت: ۱۳۶ صفحات، قیمت۔ ایک روپیہ آٹھ آنے

۱۸۵۷ء اس برصغیر ہند و پاک کے باشندوں کے لئے ایک اہم سال ہے، یہی وہ سال تھا جس میں ہمارے بزرگوں نے ملک کو انگریزوں کی غلامی سے نکالنے کے لئے اپنے جان و مال کی بازی لگائی تھی اور اپنے خون سے آنے والی نسلوں کے لئے آزادی کا بیج بو گئے تھے۔

۱۹۵۷ء آیا تو اس انقلابی سال کی یادوں کو اپنے ساتھ لایا، برصغیر کے کونے کونے میں ان سرفروشان جنگ آزادی کو خراج عقیدت پیش کیا گیا، حکومتوں نے یادگاریں قائم کیں، مصنفوں نے ان کے چہروں پر پڑے ہوئے گرد و غبار کو دھویا ادیبوں اور شاعروں نے اپنے مضامین اور اشعار کے ذریعہ ان کی یاد کو تازہ کرکے ہمارے دلوں کو گرمایا۔ اس طرح سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق اچھا خاصا ادب جمع ہوگیا اور ایک سو سال کی وسعت ایک سال میں سمیٹ لی گئی۔

۔ ۔ زیر تبصرہ کتاب اسی جہادی ادب کی ایک کڑی ہے ۔ اس میں آٹھ ایسے مضمون جمع کئے گئے ہیں جو اس تحریک آزادی میں لکھنؤ کے حصہ کو متعین کرتے ہیں ۔ مضامین بڑی محنت سے لکھے گئے ہیں اور انہیں سلیقہ سے مرتب کیا گیا ہے ۔ تحریک آزادی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ بڑے کام کی چیز ہے اُمید ہے کہ لوگ اسے شوق سے پڑھیں گے ۔

(٨) **اے ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ، جلد ١** ۔ مرتب و ناشر : دی بورڈ آف ایڈیٹرز، نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی

ضخامت : ٦٣٠ صفحات، قیمت : پچیس روپے

سنہ ١٩٥٢ء میں حکومت پاکستان نے طے کیا تھا کہ چار جلدوں میں برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کی تحریک آزادی کی تاریخ تیار کی جائے ۔ اس مقصد کے لئے ایک بورڈ آف ایڈیٹرز مقرر کیا گیا جو ملک کے سربرآوردہ اہل علم اور تاریخ دانوں پر مشتمل تھا ۔ بورڈ نے نامساعد حالات کے باوجود اپنے کام کو جاری رکھا اور چار سال کی محنت کے بعد مجوزہ تاریخ کی پہلی جلد تیار کرلی ۔

یہ جلد ١٧٠٧ء سے ١٨٣١ء تک کے تاریخی واقعات پر مشتمل ہے اور بیس ابواب میں تقسیم کردی گئی ہے ۔ پہلا باب تعارفی ہے جس میں ہند و پاک کی جغرافیائی حالت بیان کرنے کے بعد ہند میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر اورنگ زیب کی وفات تک کے واقعات کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے، اور باقی ابواب میں عالمگیر کے جانشینوں سے لےکر سید احمد شہید کی تحریک جہاد تک پورے واقعات کو علحدہ علحدہ طور پر نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ چونکہ بورڈ کا مقصد تحریک آزادی میں مسلمانوں کا حصہ اور ان کے مقاصد پر روشنی ڈالنا تھا، اس لئے اس میں مغلوں مرہٹوں اور سکھوں کے عروج و زوال کی داستان محض تاریخی تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے بیان کی گئی ہے، اور پوری توجہات کو شاہ ولی اللہ، شاہ ابدالی، ٹیپو سلطان اور سید احمد شہید وغیرہ کے کارناموں پر مرکوز کردیا گیا ہے ۔

کتاب انگریزی میں ہے ۔ انگریزی میں ہندوستان کی تاریخیں عام طور پر غیر مسلموں کی مرتب کی ہوئی ہیں ان میں مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں کے ساتھ بہت

کم انصاف کیا گیا ہے ۔ زیر تبصرہ کتاب اس کی کسی حد تک تلافی کرتی ہے ۔ اُمید ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب اس سے فائدہ اُٹھائیں گے ۔

(۹) تذکرۂ مرشدی ۔ مرتب : محبوب علی چیتا پوری

ناشر : معتمد زمرۂ صوفیائے قطب زماں ، کڑپہ شریف ، آندھرا پردیش

ضخامت ۸۰ صفحات ، قیمت درج نہیں

اس میں کڑپہ کے ایک بزرگ شاہ امین اللہ قادری کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں اور اُن تمام اشعار کو جمع کردیا گیا ہے جو ان کے عرس کے موقع پر جنوبی ہند کے متعدد شاعروں نے ایک مشاعرہ میں پڑھے تھے ۔

پبلکیشنز ڈویژن، اولڈ سکریٹریٹ، دہلی ۸ کی مطبوعات

(۱) دیس دیس کی لوک کہانیاں ۔ سولہ لوک کہانیوں کا ایک دلچسپ مجموعہ
ضخامت ۱٤۰ صفحات ، قیمت ۷۵ نئے پیسے

(۲) تصویر کشمیر ۔ کشمیر ہند اتصال سے متعلق متعدد نامور مسلمانوں کے تاثرات
ضخامت ۸۰ صفحات ، قیمت ۲۵ نئے پیسے

(۳) کیلنڈر کی اصلاح ۔ سنہ عیسوی کو ٹھیک سمت میں بدلنے والا کتابچہ
ضخامت ٥٦ صفحات ، قیمت ٤۰ نئے پیسے

(٤) خوشحالی کے لئے منصوبہ بندی ۔ منصوبہ بندی اور اس کے فوائد کی تفصیلات
ضخامت ۱٥۲ صفحات ، قیمت ۷۵ نئے پیسے

(٥) METRIC MEASURES : اعشاری اوزان سے متعلق ضروری معلومات پیش کرنے والا رسالہ ، انگریزی میں ، ضخامت ۳۲ صفحات ، قیمت فی کاپی ٤۰ نئے پیسے
سالانہ چندہ دو روپے

ضمیمہ

مَقالم نُما

مرتبین

عالم جعفری - ابوالفضل محمود قادری - حامد اللہ ندوی

فہرست عنوانات

مذہبیات

۲۱۱ اصلاحی امین احسن :

نبی کے ساتھ ہمارے تعلقات کی صحیح نوعیت

(مقام رسالت کراچی ۵۷ء دسمبر ۱۷-۲۵)

رسالت کے بنیادی تصور کو واضح کرنے کے بعد بتایا ہے کہ نبی صلعم کے ساتھ ہمارا تعلق چار بنیادوں پر قائم ہے ۔ اور وہ چار بنیادیں یہ ہیں (۱) ایمان (۲) اطاعت (۳) اتباع (٤) محبت ۔

۲۱۲ اصلاحی امین احسن :

تزکیۂ نفس ۔ نماز اور آفات نماز

(ترجمان القران لاہور ۵۷ء اکتوبر نومبر)

نماز کے شرائط، اوقات، صورت و ہیئت اور دعاؤں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنے کے بعد بتایا ہے کہ کسل، وسوسہ، چوری، اور ریا وغیرہ نماز کی آفتیں ہیں، نماز کو روح پرور بنانے کے لئے ان سے بچنے کی ضرورت ہے۔

۲۱۳ اصلاحی عبدالحمید (مترجم)

اسلام کی حقیقت

(فاران کراچی ۵۷ء نومبر ۲٤ ـ ۲۹)

شام کے ایک پروفیسر مصطفٰے احمد زرقا کا مقالہ ماہوالاسلام کا ترجمہ۔ اس میں عقلی، علمی، عبادتی، احتماعی، تشریعی اور اخلاقی ہر اعتبار سے اسلام کو ایک فطری دین ثابت کیا گیا ہے۔

۲۱٤ امینی محمد تقی :

قائدین کی تربیت اور اوصاف و خصائص

(برہان دہلی ۵۷ء اکتوبر ۲۳۱-۲٤۰)

یہ مضمون کی دوسری قسط ہے ۔ موضوع سے متعلق اس میں کچھ مزید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

۲۱۵ ملحی افتخار احمد :

منکرین حدیث کا ایک دلچسپ مغالطه

(مقام رسالت کراچی ۵۷ء دسمبر ۹-۱۳)

«مثله معه» کے ایک فقرہ پر منکرین حدیث نے بہت لے دے کی ہے، مضمون میں اسی کا جواب دیا گیا ہے ۔

۲۱٦ بلگرامی قاضی مظہرالدین :

قرآن و حدیث

(مقام رسالت کراچی ۵۷ء اکتوبر ۳٤-٤۵)

قرآن و حدیث کی دینی اور تاریخی اہمیت پر ایک تفصیلی بحث

۲۱۷ چترویدی، پنڈت بنواری لعل :

اسلام

(فاران کراچی ۵۷ء نومبر ۹-۲۳)

اسلام سے متعلق پنڈت جی کے تاثرات۔ اس میں اسلام کی انسان دوستی، جمہوریت پسندی اور رواداری کو مختلف دلائل سے واضح کرنے کے بعد بتایا ہے کہ اسلام کی کامیابی کی وجہ مسلمانوں کا عدل، مہربانی خدا ترسی اور جذبۂ شہادت ہے۔

۲۱۸ خان قمرالدین

مسئلۂ خلق قرآن اور اس کی تاریخ

(اقبال لاہور ۵۷ء اکتوبر ۶۷-۹۴)

فرقہ معتزلہ کا پس منظر بیان کرنے کے بعد قرآن کے حادث اور قدیم ہونے سے متعلق اس کے اور اشاعرہ کے معتقدات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

۲۱۹ خلیفہ عبدالحکیم.

تجدید و احیاء

(ثقافت لاہور ۵۷ء نومبر، دسمبر)

۱۔ زندگی کے بنیادی اقدار ابدی اور کائناتی اہمیت کے مالک ہیں، تاہم کسی ملک وقوم کے سنورنے اور ابھرنے کے لئے بعض امور میں تجدید و احیا کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کا مقصد زندگی کی مذکورہ اقدار میں ترمیم نہیں ہے۔ اسلام، جو زندگی کی ان اقدار کا حامل ہے، اپنی حقیقی روح کے سبب اس قابل ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں ملت بیضا کی رہنمائی کرے۔ چنانچہ ملت بیضا کا احیا اور اس کی تجدید خذما صفا کے اصولوں پر ہونی چاہئے کہ وہ پھر آگے بڑھے۔ (باقی)

۲۲۰ زراقی

عیسائیت پر اسلام کا اثر

(ثقافت لاہور ۵۷ء دسمبر ۲۹-۴۸)

تعلیمی، طبی، سائنسی، عمرانی، ادبی، فکری اور دیگر حیثیتوں سے اسلامی تمدن کے جو اثرات عیسائیوں اور عیسائی ممالک پر رونما ہوئے ان کا تفصیلی جائزہ۔

۲۲۱ محمد حسین خاں.

سرسید کی دینی خدمات

(العلم کراچی ۵۷ء جولائی تا ستمبر ۱۰۷-۱۲۱)

سرسید کی دینی خدمات پر بحث، ان کے خطوط اور ان کی تصانیف کی روشنی میں۔

۲۲۲ عبد الحمید :

عقلیت پرستوں کی خام خیالیاں

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ء اکتوبر نومبر)

ارنلڈ لون (Arnold Lunn) کی کتاب

عقلیت کے خلاف بغاوت (Revolt against reason) کی تلخیص (باقی)

۲۲۳ عہدی پوری شفیقی :

صابی

(اقبال لاہور ۵۷ء اکتوبر ۹۵-۱۰۱)

صابی ایک مذہب ہے جو زمانہ قدیم میں حران میں پیدا ہوا، اور کافی پھلا پھولا۔ مضمون میں اسی مذہب کے معتقدات اور اس کے مختلف فرقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۲۴ فارق خورشید احمد :

حضرت ابو بکر کے سرکاری خطوط

(برہان دہلی ۵۷ء اکتوبر، نومبر)

(۱)

چھٹی قسط ۔ اس میں محاذ شام پر گفتگو کرتے ہوئے یمن وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور حضرت ابو بکر کے پانچ مختلف سرکاری خطوں کو درج کیا ہے۔

(۲)

ساتویں قسط ۔ مزید دو خط ضروری تصحیح کے ساتھ درج ہیں۔

۲۲۵ فریدی نسیم احمد :

ارشادات خواجہ محمد معصوم سرہندی

(الفرقان لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر، نومبر، دسمبر)

خواجہ محمد معصوم سرہندی کے تقریباً ۴۰ خطوط کا خلاصہ۔

۲۲۶ مجیب اللہ ندوی :

کیا متفقہ اسلامی احکام کو اجتہاد کے ذریعہ بدلا جاسکتا ہے ؟

(معارف ۵۷ء اکتوبر ۲۴۵-۲۶۸)

یہ اس سلسلۂ مضامین کی چھٹی قسط ہے ۔ اس میں گھوڑوں کی زکواۃ، امہات الاولاد کی خرید و فروخت، بیس رکعت باجماعت تراویح اور شاعری کی اصلاح کے سلسلے میں بتایا ہے کہ حضرت عمر کے متعلقہ احکام شرع و سنن نبوی کے عین مطابق تھے نہ کہ ان کے اجتہاد کا نتیجہ ۔

۲۲۷ محمد ظہیر الدین :

انبیاء کرام اسلام کی نظر میں

(برہان دہلی ۵۷ء اکتوبر ۲۰۹-۲۲۰)

مذکورہ مقالہ کی یہ دوسری قسط ہے۔

۲۲۸ مظہر علی کامل (مترجم)

ہندوستان کے مذاہب

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء اکتوبر ۱۷-۲۲)

علوم مشرقیہ اور تاریخ کے سلسلہ میں ابن ندیم کی کتاب «الفہرست» کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ اس کتاب کے نویں

مقالہ میں ہندوستان کے مذاہب سے متعلق جو معلومات دی گئی ہیں ان کا ترجمہ مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔

۲۲۹ معروف دوالیبی ڈاکٹر :

ملت اسلامیہ کا فقہی سرمایہ

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ء اکتوبر نومبر)

تدوین فقہ کی تین بنیادی محرکات کو واضح کرنے کے بعد فقہ کی قسموں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

۲۳۰ مودودی ابوالاعلیٰ

رسائل و مسائل

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ء اکتوبر نومبر)

(۱) تجارتی قرضوں پر سود (۲) بدعت کی قسمیں (۳) قبروں پر جاکر چلہ کھینچنا اور دعائیں مانگنا اور (٤) انگریزی زبان میں نماز ادا کرنا۔ ان کی حلت و حرمت کو قرآن کی روشنی میں واضح کیا ہے۔

۲۳۱ ندوی ابو الحسن علی۔

اسلامی زندگی کی تشکیل میں حدیث و سنت کا مقام

(الفرقان لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر ۲۸-۳۸)

بعثت محمدی کا مقصد واضح کرنے کے بعد بتایا ہے کہ قرآن مجید میں جو احکام آئے ہیں رسول اللہ کے اعمال ان کی عملی تفسیر ہیں۔ اس لئے جو لوگ احادیث کو جھٹلاتے ہیں وہ اُمت مسلمہ کو بہت بڑا نقصان پہنچارہے ہیں۔

۲۳۲ ندوی ابو الحسن علی :

سنت کی اہمیت

(چراغ راہ کراچی ۵۷ء دسمبر ۹-۵۱)

اسلامی احکام کی عملی تفسیر کی حیثیت سے احادیث کی اہمیت کا بیان دلائل کے ساتھ۔

۲۳۳ ندوی حسن مثنیٰ :

فقہ اسلامی کی تشکیل جدید

(مہر نیمروز کراچی ۵۷ء اکتوبر ۱۲-۱٦)

فقہ اسلامی کو ازسرنو مرتب و مدون کرنے کی اہمیت و ضرورت کو دلائل سے واضح کیا ہے۔

۲۳٤ نعمانی محمد منظور :

قرآنی دعوت

(الفرقان لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر نومبر)

(۱)

عبادت کی خصوصیات اور اس کی قسمیں بیان کرنے کے بعد قرآنی آیات سے ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے انھوں نے بندوں کو عبادت کا حکم دیا اور عبادت میں نماز و زکواۃ زیادہ اہم ہیں۔

(۲)

قرآن مجید نے والدین کی اطاعت، خویش

و اقارب اور غریب غربا کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی جو تلقین کی ہے اس کی وضاحت کی گئی ہے،

۲۳۵ ولی الدین میر:

مدارج سلوک

(معارف اعظم گڈھ ۵۷ء دسمبر ۴۰۵-۴۱۶)

سلوک کے لغوی اور اصطلاحی معنی واضح کرنے کے بعد تزکیۂ نفس اور اس کے شرائط پر قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

(باقی)

تذکرہ و سیرت نگاری

۲۳۶ آزاد ابوالکلام:

خود نوشت

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۷ء نومبر دسمبر)

اپنے بچپن سے متعلق مولانا آزاد کے خود نوشتہ حالات زندگی۔

۲۳۷ ابوالحیات:

مسٹر عبد الرسول

(آجکل دہلی ۵۷ء نومبر ۴۳-۴۴)

بنگال کے ایک قومی کارکن کے مختصر حالات درج ہیں۔

۲۳۸ اختر ہری چند:

ڈاکٹر تاثیر

(آجکل دہلی ۵۷ء دسمبر ۷-۱۱)

ڈاکٹر تاثیر کو مضمون نگار نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کی دلچسپ شخصیت نے مضمون نگار کے دل و دماغ پر جو نقوش چھوڑے ہیں، ان کو دلکش پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

۲۳۹ ادارہ:

اُردو کے مشہور مزاح نگار احمق پھپھوندوی مرحوم

(آجکل دہلی ۵۷ء اکتوبر ۲)

اردو کے مشہور مزاح نگار احمق پھپھوندوی جو بعد میں مداح بن گئے تھے، ان کی وفات پر ایک مختصر نوٹ ملاحظات میں ملتا ہے۔ ان کا انتقال اپنے وطن پھپھوند ضلع اٹاوہ میں کس مپرسی کے عالم میں ہوا۔ یہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ آزادی کی خاطر جیل بھی گئے۔ بڑے پرانے قوم پرست مسلمان تھے۔ تقسیم ملک کے بعد یہیں رہے، پاکستان نہ گئے۔

۲۴۰ ادارہ:

بہادرانِ اسلام

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۷ء اکتوبر ۲۲-۲۳)

حضرت عامر بن ربیعہ کے حالات زندگی

۲۴۱ اسمعیل بیگ مرزا:

دکن کی مصوری کا مجدد۔ المیلکر

(آجکل دہلی ۵۷ء ۲۶۔۲۸)

بمبئی کے مشہور مصور المیلکر کے حالات زندگی۔ اور ان کے فن کی خصوصیات۔

۲۴۲ امین الدین شیخ:

مولانا بھاشانی

(چراغ راہ کراچی ۵۷ء نومبر ۵۔۹)

مشرقی بنگال کے قومی لیڈر مولانا بھاشانی کے حالات زندگی۔ ان کے دوست کے قلم سے۔

۲۴۳ ایاز غلام حسین:

شاکر کلکتوی جانشین وحشت

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء دسمبر ۱۳۔۲۳)

شاکر کلکتوی کا تعارف، جانشین وحشت کی حیثیت سے، اور ان کے کلام کا انتخاب۔

۲۴۴ برنی شہاب:

آغا حشر کاشمیری مرحوم

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء ستمبر ۱۰۶۔۱۳۵)

آغا حشر کے مختصر سے حالات زندگی بیان کرنے کے بعد ان کی شخصیت کے بعض نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور آخر میں ان کے ادب اور ان کی شاعری پر تبصرہ ہے۔

۲۴۵ بریلوی مصطفےٰ علی:

امیرالامراء نواب نجیب الدولہ

(العلم کراچی ۵۷ء جولائی تا ستمبر ۱۲۲۔۱۳۱)

نواب نجیب الدولہ کے کارناموں کا ذکر تفصیل کے ساتھ۔

۲۴۶ جانسی صدق:

دکن میں فانی کا آغاز و انجام

(ساقی کراچی ۵۷ء دسمبر ۲۹۔۳۳)

جوش کی تحریک پر فانی کی آگرہ سے حیدر آباد آمد، مہاراجا کی سرپرستی، محکمۂ تعلیمات کی ملازمت اور جونیئر پرنس کے دربار میں رسائی وغیرہ کا چشم دیدہ حال دلچسپ انداز میں۔ (باقی)

۲۴۷ جعفری رئیس احمد:

لیاقت علی خاں مرحوم

(ماہ نو کراچی ۵۷ء اکتوبر ۷۔۸، ۲۰)

لیاقت علی خاں کے کارناموں کا ایک سرسری خاکہ [illegible]

۲٤۸ چشتی عبد العلیم:

ابن الجزری (۲)

(معارف اعظم گڈھ ۵۷ء دسمبر ۳٤۱-۳۵۳)

اس قسط میں ابن الجزری کی شاعری، اس کی خصوصیات، اس کے اخلاق و عادات اس کی وفات اور اس کی تصانیف پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

۲٤۹ حمید جمال:

ناطق گلاؤٹھوی

(آجکل دہلی ۵۷ء اکتوبر ۳٦-٤۱)

ناطق گلاؤٹھوی سے اردو داں طبقہ کی بےاعتنائی کے تذکرہ کے ساتھ «سخن ور» (۱۹۳٤ء) سے آسی لکھوی کے ایک مختصر مضمون کو نقل کیا اور اُن کے بتائے ہوئے محاسن کو مزید نمایاں کیا ہے۔ صفحہ ۳۲ پر ناطق گلاؤٹھوی کی تصویر اور ایک غزل علیحدہ سے درج ہے۔

۲۵۰ خلیل عبد الاحد خان:

شرر کا لکھنؤ

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر ۲۱-۲۹)

مولانا عبد الحلیم شرر کے مختصر سے حالات زندگی، لکھنؤ کا محرم، لکھنؤ کے رکاب دار اور لکھنؤ کے موسیقاروں سے متعلق [illegible] کے ساتھ۔

۲۵۱ ریاض:

یادِ رفتگاں

(نگار لکھنؤ ۵۷ء نومبر ٤۲-٤۹)

ریاض کی تصویر کی اشاعت، اجراء کردہ رسالوں اور رام پور کی ادبی صحبتوں کا ذکر ہے۔

۲۵۲ زور محی الدین قادری:

یادگارِ ضیغم

(آجکل دہلی ۵۷ء اکتوبر ٦-۱۰)

«یادگار ضیغم» اردو شاعروں کا ایک نادر اور مبسوط تذکرہ ہے جس میں اساتذۂ قدیم سے لیکر موجودہ دور کے شعرا اور ان کے شاگردوں کا نام، حال اور نمونۂ کلام ملتا ہے۔ اس کا نقش اول ۱۳۰۲ھ میں لکھنؤ میں چھپا تھا۔ تاہم اس کے مرتب محمد عبد اللہ خان ضیغم نے ۱۲۹۸ھ میں شروع کرکے پہلی طباعت کے بعد بھی اسے لکھنا جاری رکھا اور اس طرح ۱۳۵٦ھ تک اضافہ کرتے رہے۔ نقش اول سے متعلق آجکل دہلی (دسمبر ۱۹۵٤ء) میں مختار الدین کا ایک مضمون چھپا تھا جو بعض وجوہ سے ناقص تھا۔ موجودہ نسخہ ادارۂ ادبیات کے کتب خانہ میں ہے۔ اسی کا تعارف ڈاکٹر زور نے یہاں کرایا ہے۔

۲۵۳ رضی الدین احمد :

خطوط حضرت غوث علی شاہ قلندر

(آجکل دہلی ۵۷ء اکتوبر ۱۵-۲۰)

حضرت غوث علی شاہ قلندر (۱۲۱۹ تا ۱۲۹۷ھ) جن کے حال میں « تذکرۂ غوثیہ » مرتب کیا گیا ہے ، کے خطوط پر جستہ جستہ روشنی ڈالی ہے۔ یہ خطوط عجلت اور بڑھاپے کی طرف اشارہ کناں ہیں۔ طرز بیان سیدھا سادا ہے۔ صفحہ نمبر ۳۲ پر دو خطوں کی عکسی تصویریں درج ہیں۔

۲۵۴ سعیدی اسما :

قاضی عبد الغفار سے ایک ملاقات

(شاہراہ دہلی ۵۷ء نومبر ۲۶-۲۷)

مضمون نگار محترمہ کو قاضی صاحب کی بیماری کے زمانے میں ایک بار ان سے ملنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس سے انہوں نے جو اثر لیا، اس کو اس مضمون میں بیان فرمایا ہے۔

۲۵۵ شیدائی اسد الحق:

ناسخ

(ساقی کراچی ۵۷ء نومبر ۴۹-۵۴)

ناسخ کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ زبان کی اصلاح و تہذیب کے لحاظ سے ناسخ کو تمام اُردو شعراء پر ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن تغزل کے اعتبار سے اس کا مرتبہ کچھ نہیں۔

۲۵۶ صدیقی محمد اکبر الدین :

مرزا محمد مقیم مقیمی سلمی

(نوائے ادب بمبئی ۵۷ء اکتوبر ۴۴-۷۴)

دکھنی زبان کی مشہور مثنوی « چندر بدن و مہیار » کے مصنف مقیمی کے حالات زندگی پر ایک تحقیقی بحث۔　(باقی)

۲۵۷ طاؤس وشوا ناتھ :

مولانا ابو الکلام آزاد

(ہندوستانی ادب ۵۷ء اکتوبر ۹-۱۷)

مولانا آزاد کے حالات زندگی اور ان کے علمی و سیاسی کارناموں کا تفصیلی تذکرہ۔

۲۵۸ غلام احمد چودھری :

حسان بن ثابت اور ان کی شاعری

(برہان دہلی ۵۷ء دسمبر ۳۴۰-۳۵۲)

شعر و شاعری سے عربوں کی دلچسپی اور عربی شاعری کے مختلف ادوار کا حال لکھنے کے بعد حسان بن ثابت کے حالات زندگی بیان کئے ہیں اور ان کے کلام پر تبصرہ فرمایا ہے۔

۲۵۹ غلام مصطفےٰ خاں ڈاکٹر :

حکیم ازرقی

(معارف ۵۷ء اکتوبر ۲۶۹-۲۸۰)

ایران کے مشہور شاعر حکیم ازرقی سے متعلق ممکنہ معلومات فراہم کی ہیں۔

۲۶۰ فائق کلب علی خاں:

اُردو کے طرحی رسالے

(اورینٹل کالج میگزین ۵۷ء نومبر ۵۳-۶۰)

اُردو کے طرحی رسالوں کی ایک فہرست مع اسمائے شعراء و نمونۂ کلام دی ہے۔ رسالوں کی یہ فہرس ۱۱۴ رسالوں کی نشاندہی کرتی ہے۔

۲۶۱ کاکوروی معین الدین حسن علوی:

اٹھارویں صدی ، اودھ کا ایک صوفی شاعر

(اُردو ادب علی گڈھ ۵۷ء ستمبر ۲۵-۴۷)

حضرت شاہ تراب علی تراب کاکوروی کے حالات زندگی اور ان کی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ۔

۲۶۲ مجیب محمد:

شوراج بہادر مرحوم

(آجکل دہلی ۵۷ء دسمبر ۱۲-۱۴)

شوراج بہادر دلی کی جلیل القدر ہستیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ۷ اکتوبر کو انتقال فرمایا۔ مضمون نگار نے اس مضمون میں اُن کی خوبیاں بیان کی ہیں۔

۲۶۳ عبدالعلیم چشتی:

ابن الجزری

(معارف ۵۷ء نومبر ۳۲۵-۳۴۴)

مشہور عالم ابوالخیر شمس الدین محمد المعروف بہ ابن الجزری کے حالات و کمالات کی تفصیل کے سلسلے کی یہ پہلی قسط ہے۔

۲۶۴ محوی صدیقی:

حضرت سیدنا عمر

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۷ء نومبر دسمبر)

حضرت عمر کا تعارف ایک بہترین خطیب اسلام کی حیثیت سے۔

۲۶۵ مطلوب حسین سید:

خضر راہ

(ماہ نو کراچی ۵۷ء دسمبر ۸-۹)

قائد اعظم کا تعارف ایک خضر راہ کی حیثیت سے اور ان کی زندگی کے دو ایک اہم واقعات کا تذکرہ۔

۲۶۶ ندوی ابوالحسن علی:

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

(العلم کراچی ۵۷ء جولائی تا دسمبر ۹-۳۰

مولانا گیلانی کے علمی و ادبی کارناموں کا تفصیلی تجزیہ اور ان کا تعارف ایک سچے دوست اور عالم و مبلغ کی حیثیت سے۔

۲۶۷ ندوی سید ابوالحسن علی:

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

(الفرقان ۵۷ء دسمبر ۷ ـ ۱۸)

مولانا مدنی کے پانچ بڑے اوصاف، اخلاص، عزم، دینی انہماک، آدمیت اور اساتذہ و شیوخ سے عاشقانہ تعلق کا ذکر۔

۲۶۸ سیمی طمر

ارشد صدیقی

(شاعر بمبئی ۵۷ء نومبر ۲۸ ـ ۳۴)

وسط ہند کے ایک ہونہار شاعر ارشد صدیقی کا تعارف اور اس کے کلام کا انتخاب۔

۲۶۹ نیرنگ غلام بھیک:

اقبال کے بعض حالات

(اقبال لاہور ۵۷ء اکتوبر ۱ ـ ۳۰)

اقبال کے بعض حالات، ذاتی تعلقات کی روشنی میں۔

۲۷۰ ہاشمی نور الحسن:

رُسوا کا لکھنؤ

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر ۳۱ ـ ۳۸)

رسوا کے حالات زندگی۔ ان کی تصانیف پر تبصرہ اور لکھنؤ سے متعلق ان کی تحریر کردہ بعض عبارتوں کی نقل۔

تاریخ و سیاسیات

۲۷۱ ا ـ ا ـ

موریا اور گپتا عہد کے آثار قدیم کی دریافت

(ہندوستانی ادب حیدر آباد ۵۷ء نومبر ۱۵ ـ ۱۶)

کلکتہ سے ۲۳ میل شمال مشرق میں جہاں پرانے زمانے میں چندر کیتو گڑھ واقع تھا، حالیہ کھدائی کے دوران میں موریا اور گپتا عہد کی کچھ اہم اشیا برآمد ہوئی ہیں۔ انہیں کا اس میں ذکر ہے۔

۲۷۲ ادارہ:

محمود غزنوی کے خلاف بعض الزامات کی تردید

(نگار لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر ۴۱ ـ ۴۴)

محمود پر آئے دن لگائے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

۲۷۳ ارشدہ رشید احمد:

تونس کی آزاد اسلامی اور جمہوری مملکت

(العلم کراچی ۵۷ء جولائی تا ستمبر [illegible] ـ ۲۳)

تونس آزاد [illegible]

کی زیر قیادت دن دگنی ترقی کر رہا ہے۔ مضمون میں اسی تونس کی تحریک آزادی کا تاریخی اور سیاسی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔

۲۷۴ اقبال مرزا:

حیدر آبادی سکوں کی مختصر اور دلچسپ تاریخ

(آج کل دہلی ۵۷ء دسمبر ۳۴-۳۶)

حیدر آبادی سکوں کی تاریخ، ضروری تفصیلات اور سکوں کے چربوں کے ساتھ۔

۲۷۵ انوار احمد سوپاروی:

سوپارہ

(آجکل دہلی ۵۷ء نومبر ۲۵-۳۲)

سوپارہ قدیم زمانے میں مغربی ہندوستان کی ایک عظیم بندرگاہ تھی، اب ایک چھوٹی بستی ہے۔ صفحہ ۴۰ پر سوپارہ کے کھنڈرات کی چند تصویریں ملتی ہیں۔

۲۷۶ جیلانی بی اے:

مشرق وسطیٰ کا لاوارث بچہ

(چراغ راہ کراچی ۵۷ء اکتوبر ۱۱-۱۵)

مہاجرین فلسطین کی داستان غم۔ جنہیں سوائے اُردن کے اور کوئی عرب ملک اپنے ہاں بسانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

۲۷۷ رزاقی شاہد حسین:

مشرق وسطیٰ میں قومی بیداری

(ثقافت لاہور ۵۷ء نومبر ۵۷-۷۰)

پاکستان، افغانستان، ایران، ترکی، عراق، شام و لبنان، اُردن اور سعودی عرب میں قومی بیداری کے شعور اور اس کی تدریجی کیفیت بیان کی ہے۔

۲۷۸ رشید کے۔ اے:

اسلامی نقطۂ نظر سے تخلیق آدمی کا مقصد

(اورینٹل کالج میگزین ۵۷ء نومبر ۱-۲۹)

یہ مقالہ انگریزی زبان میں لکھا گیا ہے اس میں تحقیق کی روشنی میں تخلیق آدمی کا مقصد اسلامی نقطۂ نظر سے بیان کیا گیا ہے۔

۲۷۹ سالک عبدالمجید:

حضرت شاہ ولی اللہ

(ثقافت لاہور ۵۷ء ۱۷-۲۹)

حضرت شاہ ولی اللہ کی زندگی اور نظریات سے بحث کی ہے۔

۲۸۰ عبد العلی خان:

عبد الرحمن الداخل

(العلم کراچی ۵۷ء جولائی تا ستمبر ۹۸-۱۰۶)

اسپین میں اموی حکومت کے بانی عبد الرحمن الداخل کے حالات زندگی اور اس کے کارناموں کا تفصیلی تذکرہ۔

۲۸۱ محمد رحیم:

تزک بابری

(برہان دہلی ۵۷ء اکتوبر ۲۴۱ - ۲۵۰)

ترجمۂ تزک بابری کی یہ پندرھویں قسط ہے جو شیبانی خاں سے جنگ کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور خاتمہ کی کیفیت پر ختم ہوتی ہے۔

۲۸۲ نادم سیتاپوری:

مرحوم اودھ پنچ کے سیاسی نظریات

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ء دسمبر ۵ - ۱۲)

اودھ پنچ کا تعارف ایک قوم پرست اخبار کی حیثیت سے۔

۲۸۳ نعمانی عبد السلام:

کاشی یا بنارس

(آجکل دہلی ۵۷ء نومبر ۱۴ - ۱۶)

کاشی یا بنارس سے متعلق تاریخی معلومات فراہم کرتے ہوئے بنارس سے متعلق غالب کی فارسی مثنوی کا اقتباس درج کیا ہے۔

۲۸۴ ہمایوں مرزا:

قدیم کراچی

(ماہ نو کراچی ۵۷ء دسمبر ۴۹ - ۵۲)

کراچی کے قدیم نام، اس کا محل وقوع، بندرگاہ ہونے کی حیثیت سے اس کی اہمیت، اور دیگر خصوصیات کا تذکرہ۔

تنقید، ادب، لسانیات

۲۸۵ اثر لکھنوی:

ایں ہم اندر شاعری

(ساقی کراچی ۵۷ء دسمبر ۵۷ - ۶۰)

فراق اور اثر کے ادبی راز و نیاز کا ایک سین، فراق کی تنقیدوں کا جواب، ان کے بعض اشعار پر تنقید۔

۲۸۶ ادارہ:

خط بمعنی نامہ

(آجکل دہلی ۵۷ء اکتوبر ۵۳)

مدیر آجکل عرش ملسیانی کے نام قاضی عبد الودود کے چار خطوں کو درج کیا گیا ہے۔ یہ خط مدیر موصوف کے استفسار خط بمعنی نامہ در فارسی سے متعلق ہیں۔ مثالیں دیکر بتایا گیا ہے کہ فارسی نظم و نثر (قدیم و جدید) میں خط بمعنی نامہ مستعمل تھا۔

۲۸۷ ا - د - نسیم:

خواجہ میر درد کی شاعری میں زندگی کا عنصر

(اورینٹل کالج میگزین ۵۷ء [illegible])

خواجہ میر درد کی شخصیت اور کلام کی روشنی میں یہ بتلایا ہے کہ وہ زندگی سے پورے طور پر باخبر تھے۔

۲۸۸ اعظمی فیض الرحمن:

مولانا ابوالکلام آزاد کا ادب اور ہندوستان کی جنگِ آزادی

(آجکل دہلی ۵۷ء دسمبر ۱۵-۱۹)

آزاد کے ادب کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد بتایا ہے کہ ان کے ادب نے تحریک آزادی میں کس طرح جان ڈالی۔

۲۸۹ افسر امروہوی:

مصحفی اور داغ

(نگار لکھنؤ ۵۷ء نومبر ۱۹-۳۱)

داغ کی معلوم خصوصیات کے پیش نظر مدلل انداز میں دکھایا ہے کہ وہ مصحفی کے ہاں کہیں بہتر طریقے پر ملتی ہیں۔

۲۹۰ الباقری سید ماجد:

امالہ

(فیض اسلام راولپنڈی ۵۷ء نومبر ۳۹-۴۲)

امالہ کے سلسلہ میں بعض ضروری اصولوں کی وضاحت۔

۲۹۱ الطاف گوہر:

میراجی کی شخصیت

(ماہ نو کراچی ۵۷ء دسمبر ۱۰-۱۴)

میراجی کی شعری شخصیت کا تجزیہ اور اس پر کئے گئے بعض اعتراضوں کے جواب۔

۲۹۲ انجم خلیق:

مختصر تاریخ ادب اُردو کا ایک جائزہ

(شاہراہ دہلی ۵۷ء دسمبر ۵-۱۲)

سنہ ۵۳ء میں عشرت بک ڈپو لاہور کی طرف سے اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی کی ایک کتاب «مختصر تاریخ ادب اردو» شائع ہوئی تھی۔ اس کی کچھ غلطیوں کی طرف مضمون میں نشان دہی کی گئی ہے۔

۲۹۳ بٹ اصغر:

تجربہ اور تخلیق

(ماہ نو کراچی ۵۷ء دسمبر ۱۵-۱۸)

تجربہ اور مشاہدہ کی وضاحت، ایک ادیب اور شاعر کے لئے اس کی اہمیت کا تذکرہ۔

۲۹۴ برنی انعام عظیم:

دفترِ پریشاں اور دفترِ شعر

(العلم کراچی ۵۷ء جولائی تا دسمبر ۶۴-۹۷)

دفتر پریشاں اور دفتر شعر ناسخ لکھنؤی کے دوسرے اور تیسرے دیوانوں کے نام ہیں۔ مطبوعہ نسخوں میں ان دونوں کے اشعار خلط ملط ہوگئے ہیں۔ اس لئے مضمون نگار نے دفتر پریشاں کے ایک قلمی

نسخہ کے اشعار کے غلطیوں کو نقل کر دیا ہے تاکہ دونوں کا فرق واضح ہوسکے۔

۲۹۵ برہانپوری شیخ فرید:

کشف الحقائق

(معارف اعظم گڈھ ۵۷ء دسمبر ۴۵۴-۴۶۸)

کشف الحقائق شاہ عیسی جند اللہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے ایک مرید اسمعیل بن محمود فرحی نے مرتب کیا ہے۔ مضمون میں فرحی کے حالات بیان کرنے کے بعد اس مجموعہ سے روشناس کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۹۶ بریلوی ڈاکٹر عبادت:

غالب کے تغزل میں شوخی کا پہلو

(سویرا لاہور ۵۷ء شمارا ۲۲-۳۵-۴۳)

غالب ایک شوخ اور رنگین طبیعت رکھتے تھے جس کی جھلک ان کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔ مضمون میں ان کی غزلیات کے اسی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۹۷ تلہری سید اختر علی:

لغت اور استعمال عام

(نگار لکھنؤ ۵۷ء دسمبر ۲۵-۳۰)

«لغت اور استعمال عام» کے نام سے رشید حسن خان کا ایک مضمون اردو ادب علی گڑھ بابت مارچ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اسی کی کچھ تسامحات کی طرف اس مضمون میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۹۸ جارچوی مدثر حسین:

افسانہ اور پلاٹ

(فروغ اردو افسانہ نمبر ۵۷ء نومبر ۸-۱۰)

افسانہ۔ پلاٹ، کردار اور ترتیب کا مرکب ہوتا ہے لیکن اس کی بنیادی صفت اس کا پلاٹ ہے۔ مضمون میں پلاٹ کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

۲۹۹ جعفری شہاب:

آزاد نظم۔ غزل کی جانشین

(ادب لطیف لاہور ۵۷ء اکتوبر ۴-۱۱)

آزاد نظم اور غزل دونوں کی ہیئت، ٹیکنیک اور علامات کا مقابلہ کرکے بتایا ہے کہ آزاد نظم غزل کی جانشین ہے۔

۳۰۰ حفیظ قتیل ڈاکٹر:

غزل کے غیر عشقیہ موضوعات

(صبا حیدرآباد ۵۷ء جلد ۳۔ شمارہ ۱۰-۱۱)

صوفیانہ، حکیمانہ اور خمریاتی موضوع غیر عشقیہ ہونے کے باوجود غزل میں کس طرح داخل ہوگئے ان کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔

۳۰۱ خلیفہ عبد الحکیم:

رومی کی چند تشبیہات

(ثقافت لاہور [illegible]

یہ تیسری قسط ہے۔ اس میں چند مزید تشبیہات کی وضاحت کی گئی ہے۔

۳۰۲ دوراں اویس احمد:

ایک جدید تر شاعر

(شاہراہ دہلی ۵۷ء نومبر ۱۹ ـ ۲۴)

ایک نوجوان ترقی پسند شاعر مظہر امام کی شاعری کا تجزیہ۔

۳۰۳ دیسنوی بشیر الحق:

ملک الشعراء اختر کا غیر معروف کلام

(معارف ۵۷ء نومبر ۳۸۲ ـ ۳۹۰)

بزمانۂ تحصیلداری، قاضی محمد صادق خان نے ہم عصر سرشتہ دار دیوان مولا بخش بہاری کے ہاں بچہ کی پیدائش پر ایک فارسی قصیدہ، ایک قطعۂ تاریخ (۱۲۴٦ھ) فارسی میں اور ایک چھوٹی سی مثنوی اردو میں لکھی تھی۔ قاضی اختر اور دیوان مولا بخش سے متعلق مختصر نوٹ لکھکر ان تینوں نظموں کو درج کیا ہے۔

۳۰۴ رضیہ بیگم:

منٹو، موپاساں اور بالزاک

(صبا حیدرآباد ۵۷ء جلد ۳ ـ شمارہ ۱۰ ـ ۱۱)

منٹو، موپاساں اور بالزاک کا تقابلی مطالعہ [illegible]

۳۰۵ [illegible]

[illegible]

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۷ء نومبر دسمبر)

آزاد کشمیر کے ایک دردمند شاعر حبیب کیفوی کا تعارف اور ان کے مجموعۂ کلام «آتش چنار» پر تبصرہ۔

۳۰٦ رفیع الدین:

حالی کے نکتہ چیں

(نگار لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر ٦ ـ ۹)

مختصراً یہ دکھایا ہے کہ حالی پر نکتہ چینی کرنے والے غلطی پر ہیں۔

۳۰۷ رہبر ہنسراج:

حالی اور اکبر الہ آبادی کے دو خطوط

(شاہراہ دہلی ۵۷ء نومبر ۱۷ ـ ۱۸)

حالی اور اکبر کے دو غیر مطبوعہ خط جو انہوں نے اردو ہندی کے مشہور ادیب پدم سنگھ شرما کے نام لکھے تھے۔

۳۰۸ سحر ابو محمد فتحپوری:

عزیز لکھنوی غزل گو کی حیثیت سے

(نگار لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر ۱۰ ـ ۱۵)

عزیز کی غزل کی خصوصیات، محاسن و معائب کے ساتھ، بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ عزیز کا منتخب کلام اگرچہ اس کا ضخیم زیادہ نہیں ہے، شعر کا ایک اعلی معیار پیش کرتا ہے اور جدید غزل کی

نشو و نما میں ان کی غزل گوئی نے عمومی حیثیت سے جو حصہ لیا ہے اسے بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

۳۰۹ سعیدہ بانو:

اُردو کی دو جہادی نظمیں

(ماہ نو کراچی ۵۷ء نومبر ۱۰-۱۳)

مومن نے ایک مثنوی جو وہابی تحریک کے سلسلے میں لکھی تھی اسے درج کیا ہے اور اس کے ساتھ لیاقت اللہ الہ آبادی کی ایک مثنوی پیش کی ہے جو ۱۸۵۷ء کے پس منظر میں انگریزوں کے خلاف لکھی گئی تھی۔

۳۱۰ سلامت اللہ:

مومن بحیثیت مثنوی نگار

(آجکل دہلی ۵۷ء نومبر ۴-۸)

مومن کی پہلی مثنوی «شکایت زمانہ» پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ مومن کی شاعری کو سمجھنے میں ان کی مثنویوں سے بڑی مدد ملتی ہے، وہ مومن کی شخصیت کے ان تخلیقی سرچشموں کی سراغرسانی کرتی ہیں جن سے ان کا گلستان سخن شاداب ہے۔ ان میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، وہ اس زمانے کی سماجی اور تہذیبی زندگی کے بعض پہلوؤں کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں۔

۳۱۱ سہسوانی حنیف نقوی:

چند قدیم خطوط

(آجکل دہلی ۵۷ء دسمبر ۴۵-۴۸)

صبا سہسوانی اور نکہت سہسوانی کے حالات زندگی اور ان کے نام، سلیم، داغ اور شوق قداوئی کے پانچ خطوں کی نقل۔

۳۱۲ شکیل عبد الغفار:

عہدِ حیدرعلی و ٹیپو سلطان میں اُردو

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء ستمبر ۷-۲۴)

میسور کے نواب حیدر علی اور اس کے جانشین ٹیپو سلطان کے زمانہ میں اردو کو جو مقام حاصل تھا اس کا تذکرہ اُس زمانہ کے شاعروں کے نمونۂ کلام کے ساتھ۔

صدیقی ظہیر الدین:

کلاسیکیت اور رومانیت

(شاعر بمبئی ۵۷ء نومبر ۱۹-۲۱)

کلاسیکیت اور رومانیت کا تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد، ان کے مفہوم اور خصوصیات کی وضاحت کی ہے۔

۳۱۳ شہاب مالیر کوٹلوی:

غالب کا ایک شعر:
بقدرِ شوق........ بیاں کے لئے

(آجکل دہلی ۵۷ء اکتوبر ۵۴-۵۵)

مذکورہ بالا شعر کے سلسلے میں کچھ باتیں کرتے ہوئے مالک رام [illegible]

گئے آجکل میں یہ لکھا تھا کہ نواب علی حسن خاں اور ابویحیی امام خاں نوشہروی نے یہ لکھ کر کہ نواب صدیق حسن زمانہ حج میں نواب تجمل حسین سے ملے تھے غلطی کی ہے۔ شہاب مالیرکوٹلوی نے ان کے بیانوں کی صحت نواب صدیق حسن کی خودنوشت سوانحعمری (عربی) سے دی ہے اور اس پر مدیر آجکل نے یہ نوٹ لکھا ہے کہ اصل غلطی گویا خود نواب صدیق حسن سے سرزد ہوئی ہے۔

۳۱٤ صدیقی ظہیر الدین:

کلاسیکیت اور رومانیت

(شاعر بمبئی ۵۷ء نومبر ۱۹-۲۱)

کلاسیکیت اور رومانیت کا تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد ان کے مفہوم اور خصوصیات کی وضاحت کی ہے۔

۳۱۵ صدیقی عطاء الرب:

سروَنٹس

(ساقی کراچی ۵۷ء دسمبر ٤۹-۵۵)

انگریزی کے مشہور مزاحیہ ناول ڈون کوئک زوٹ اور اس کے مصنف سروٹنس کا تفصیلی تعارف۔

۳۱٦ عبد الودود قاضی:

سفینۂ ہندی اور ریختہ گو شعراء

(نوائے ادب بمبئی ۵۷ء اکتوبر ۵-۲٤)

بھگوان داس ہندی کے تذکرۂ شعرا «سفینۂ ہندی» سے ان شاعروں کے حالات یہاں نقل کئے گئے ہیں جو ریختہ گو تھے (جملہ ۷۱ شاعر)

۳۱۷ فرمان فتحپوری:

کلام غالب کا طنزیہ پہلو

(نگار لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر ۲۵-۳۱)

غالب کے اسلوب کے تیکھے پن میں طنزیہ لہجہ کو خاص دخل ہے۔ مزاح کہیں کہیں ہے اور طنز جگہ جگہ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ظرافت نے ان کی انانیت سے دوچار ہوکر ایک ہمہ‌گیر طنر کی صورت اختیار کرلی تھی۔

۳۱۸ قاسمی احمد ندیم:

دیدہ و دل

(ادب لطیف لاہور ۵۷ء نومبر ۱۱-۱٦)

عارف عبد المتین کے مجموعۂ کلام «دیدہ و دل» کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کئے ہیں اور اس کی ادبی وفنی حیثیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

۳۱۹ قریشی ڈاکٹر وحید:

یادگار غالب ۔ ایک تحقیقی مطالعہ

(سویرا لاہور ۵۷ء شمارہ ۲۲ ـ ۱۰ ـ ۳٤)

یادگار غالب اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعد سے اب تک کلام

غالب اور حیات غالب پر متعدد کتابیں شکل چکی ہیں جن میں یادگار غالب کے بعض بیانات سے اختلاف کیا گیا ہے۔ انہیں اختلافات کا خلاصہ یہاں پیش کیا گیا ہے۔

۳۲۰ ماہر القادری:

جمالیات ۔ شعر و ادب میں

(فاران کراچی ۵۷ء اکتوبر ۲۰۔۲۳)

جمالیات کا صحیح تصور پیش کرنے کے بعد بتایا ہے کہ جو لوگ ادب سے مراد، افسانہ و تنقید سمجھ رہے ہیں وہ ادب کی وسعتوں کو کم کررہے ہیں۔ حقیقت میں ہر وہ چیز ادب ہے جو دلکش پیرائے اور پر اثر انداز میں پیش کی جائے اور مقصد بھی نیک اور پاکیزہ ہو۔

۳۲۱ مجنوں گورکھپوری:

حبیب احمد صدیقی

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء ستمبر ۱۳۶۔۱۳۸)

حبیب احمد صدیقی کے کلام پر سیر حاصل تبصرہ۔

۳۲۲ محمد حسن ڈاکٹر:

ایک خطرناک میلان

(ادب لطیف لاہور ۵۷ء نومبر ۴۔۱۰)

ترقی پسند ادب پروقتاً فوقتاً جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی وضاحت کرنے کے بعد بتایا ہے کہ اس کا رد عمل ایک خطرناک میلان کو جنم دے رہا ہے اور آج کے ادیب اور شاعر زندگی کے اہم مسائل کو غیر ادبی قرار دے کر ادب کی حقیقی وسعت کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

۳۲۳ محمد حفظ الرحمن:

ہند پر فارسی زبان و ادب کے اثرات

(برہان دہلی ۵۷ء نومبر ۲۸۹۔۳۰۱)

ہندوستان پر تاریخ و جغرافیہ کے پس منظر میں فارسی زبان و ادب کے اثرات کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۲۴ مدثر رحمان:

ڈرامے کی ابتدا

(اقبال لاہور ۵۷ء اکتوبر ۳۱۔۶۶)

دنیا میں ڈرامے کی ابتدا کس طرح اور کن حالات میں ہوئی اس پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

۳۲۵ مقیت الحسن:

ہندی کا ایک جلیل القدر مسلمان شاعر ۔ رس لین

(نگار لکھنؤ ۵۷ء نومبر ۱۲۔۱۸)

سید غلام نبی المتخلص بہ رس لین بلگرام کے رہنے والے تھے ۱۷۴۶ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ علم و فضل اور موسیقی میں

پتطولی رکھتے تھے۔ انگ درپن اور رس پر بودھ ان کی دو تصانیف ہیں۔ علم انداز سخن سیدھا سادا ہے۔ زبان پر بڑی قدرت حاصل ہے۔

۳۲۶ میری ولیمس:

برطانوی مستشرقین اور اُردو

(آجکل دہلی ۵۷ء نومبر ۲۱-۲۲)

اردو سے دلچسپی رکھنے والے چند مستشرقین کے کارناموں کا سرسری ذکر ملتا ہے۔

۳۲۷ نارنگ گوپی چند:

شادی بیاہ کی مشترکہ رسمیں

(آجکل دہلی ۵۷ء نومبر ۳۴-۴۲)

ہندوؤں اور مسلمانوں میں شادی بیاہ کی جو مشترکہ رسمیں ملتی ہیں انہیں اردو شاعری کے آئینے میں دکھایا ہے۔

۳۲۸ نارنگ گوپی چند:

سنہ ۱۸۵۷ء اور اُردو شعراء

(نگار لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر، نومبر، دسمبر)

(۱)

۱۸۵۷ء کی تاریخی قوتوں کے ذکر کے ساتھ دکھایا ہے کہ اس زمانے کی اردو شاعری ان قوتوں کے تصادم اور جدلیاتی کشمکش کی آئینہ دار ہے۔

(۲)

دوسری قسط۔ اس میں غدر کے حالات کے ساتھ ساتھ آزردہ، شیفتہ، سالک، مجروح، غالب، داغ اور محمد حسین آزاد کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی ہیں۔

(۳)

تیسری قسط۔ ظہیر، حالی، منیر شکوہ آبادی، شاہ ظفر، مرزا برجیس قدر اور بعض دیگر شعرا کے اس کلام سے بحث جو ۱۸۵۷ء سے متعلق ہے۔

۳۲۹ ندوی نجیب اشرف:

اودھ ریویو

(نوائے ادب بمبئی ۵۷ء اکتوبر ۲۵-۴۳)

ماہنامہ اودھ ریویو شائع کردہ منشی نولکشور کا تفصیلی تعارف۔ اور خود منشی صاحب کے حالات زندگی جو ان کے انتقال کے بعد اس رسالہ میں شائع ہوئے۔

۳۳۰ نذیر احمد ڈاکٹر:

نوسرہار مصنفۂ اشرف

(اُردو ادب علی گڈھ ۵۷ء ستمبر ۴۸-۹۴)

اشرف کی دکھنی مثنوی نوسرہار کا تفصیلی تعارف۔ اس کا موضوع واقعۂ کربلا ہے۔ اور یہ ۹۰۹ ہجری میں لکھی گئی ہے۔ اشرف کے حالات کا علم نہیں۔

۳۳۱ نذیر احمد ڈاکٹر:

فارسی زبان میں صوت شناسی

(معارف ۵۷ء نومبر ۳۶۷۔۳۸۱)

صوت شناسی کا علم جدید ہے اور لسانیات کے نقطۂ نظر سے اہم بھی۔ اس مضمون میں علم صوت شناسی کی بعض اصطلاحوں کی وضاحت کرتے ہوئے فارسی زبان کی صوت شناسی کے قواعد وغیرہ بیان کئے ہیں،

۳۳۲ نظر زیدی:

نظیر اکبر آبادی معلم اخلاق کی حیثیت سے

(چراغ راہ کراچی ۵۷ء نومبر ۲۸۔۳۲)

نظیر اکبر آبادی کی اخلاقی شاعری کا تجزیہ۔

۳۳۳ نعیم صدیقی:

میرا قلم میرا ادب

(چراغ راہ کراچی ۵۷ء نومبر ۲۱۔۲۷)

اپنی ادبی نگارشات کی توجیہ اور ایک اسلام پسند ادیب کی ذمہ داریوں کا تذکرہ۔

۳۳۴ وزیر آغا ڈاکٹر:

ایسّے کیا ہے؟

(ادب لطیف لاہور ۵۷ء اکتوبر ۱۲۔۱۵)

انگریزی لفظ ESSAY کا اُردو مترادف کیا ہے؟ اس پر ایک بحث۔ اور ایسّے

کی خصوصیات کا تفصیلی تذکرہ۔

۳۳۵ وفا راشدی:

رنگِ وحشت

(ساقی کراچی ۵۷ء نومبر ۳۰۔۳۴)

رضا علی وحشت کی شاعری سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کا کلام ندرت مضامین، پرواز تخیل اور حسین استعاروں کے دلفریب نقوش کی فراوانی سے نگار خانۂ چین سا ہوا ہے۔

۳۳۶ وفا راشدی:

وحشت کی فارسی شاعری

(آجکل دہلی ۵۷ء دسمبر ۴۹۔۵۴)

وحشت کلکتوی کی فارسی شاعری پر ایک سیر حاصل بحث۔

۳۳۷ ہاشمی محمود:

ایک عہد ساز تخلیق

(شاعر بمبئی ۵۷ء نومبر ۲۲۔۲۷)

اعجاز صدیقی کی طویل نظم «قلم ملا کے چلو» پر ایک سیر حاصل تبصرہ۔

۳۳۸ یاد مشکور حسین:

ادب برائے آدمی

(ادب لطیف لاہور ۵۷ء ستمبر [illegible])

ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی ان دونوں نظریات کی وضاحت کرنے کے بعد بتایا ہے کہ [illegible]

ہوچکی ہے۔ دونوں نظریات کچھ اصلیت کو آپس میں ملادیا جائے جس کا نتیجہ
رکھتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان دونوں ادب برائے آدمی ہوگا۔

آرٹ

۳۳۹ اوشا شکل:

ہندوستانی رقص اور مشہور رقاص

(آجکل دہلی ۵۷ء نومبر ۴۸۔۵۳)

ہندوستان کے مختلف رقص اور رقص کاروں کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔

۳۴۰ حنیف رامے:

پاکستان میں نئی مصوری

(سویرا لاہور ۵۷ء شمارہ۲۲۔ ۴۵۔۴۸)

آزادی کے بعد پاکستان میں جس نئی مصوری نے جنم لیا ہے اس کا پس منظر اور اس کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

۳۴۱ محمد رضا خاں بنگش:

دہلی کی زردوزی اور مشہور فنکار

(آجکل دہلی ۵۷ء اکتوبر ۲۵۔۲۸)

دہلی میں زری دوزی کی ابتداء اس کا تدریجی [illegible] اس کی تمام نوعیت اور کیفیت [illegible] چند مشہور فنکاروں کا حال مع ان کے کمال کے پیش کیا ہے۔

۳۴۲ محمد وسیم:

راجپوت نقاشی کا ماخذ

(آجکل دہلی ۵۷ء اکتوبر ۲۱۔۲۴)

مغل نقاشی اور راجپوت نقاشی اگرچہ ایک ساتھ شروع ہوئیں لیکن دونوں الگ الگ ہیں۔ راجپوت نقاشی کو مغل نقاشی کا جز سمجھنا غلطی ہے۔ راجپوت نقاشی ایرانی روایات کے کارآمد جز کو ہندوستانی سرشت میں سمونے کی کوشش رہی ہے۔

۳۴۳ ویاس جی ڈی:

دھروپد اور اس کی فنی صورت

(ہندوستانی ادب ۵۷ء دسمبر ۳۰۔۳۱)

سنگیت میں دھروپد کی اہمیت اور اس کی تفصیلات سے متعلق ایک مختصر سی بحث۔

معاشرتی حالات

۳۴۴ احتشام حسین سید:

سرشار کا لکھنؤ

(شاہراہ دہلی ۵۷ء نومبر ۱۴-۱۶)

سرشار نے فسانۂ آزاد میں لکھنؤ کی جو تصویر پیش کی۔ اس کا خلاصہ

۳۴۵ حبیب احمد:

اسلامی معاشرہ عہد فاروقی میں

(ترجمان القرآن لاہور ۵۷ء اکتوبر نومبر)

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد بتایا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں کہاں تک معاشرہ ان خصوصیات کا حامل تھا۔ (باقی)

۳۴۶ عنایت اللہ شیخ:

افریقہ اور اسلام

(معارف ۵۷ء اکتوبر ۲۹۴-۳۰۴)

مقالۂ ہذا میں اس بات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ افریقہ اور اسلام کے باہمی تعلقات کے بہت سے پہلو ہیں اور اسلام کی برکت سے افریقہ کے بہت سے باشندوں نے نہ صرف عقائد فاسدہ اور اوہام باطلہ سے نجات پائی ہے، بلکہ مسلمانوں کے میل ملاپ سے ان کی اخلاقی اور تمدنی سطح بلند ہو گئی ہے۔

۳۴۷ فارق ڈاکٹر خورشید احمد:

کچھ قاہرہ کے بارے میں

(برہان دہلی ۵۷ء دسمبر ۳۵۳-۳۶۲)

قاہرہ کے جغرافیائی، تاریخی، معاشی، ثقافتی، معاشرتی اور صحافتی حالات کا ایک چشم دید نقشہ (باقی)

* * *

اقتصادیات

۳۴۸ جعفر محمد پھلواری:

زکواۃ

(ثقافت لاہور ۵۷ء اکتوبر ۴۲-۵۱)

اسلامی معاشرہ میں زکواۃ کی نوعیت و اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کی گنجائش ہے۔

۳۴۹ راؤ، وی۔ آر۔ کے۔:

آدم اسمتھ کی تصنیف ’اقوام کی دولت‘

(ہندوستانی ادب حیدر آباد ۵۷ء نومبر ۱۹)

آدم اسمتھ کی تصنیف ”ویلتھ آف نیشنز“ پر ایک سرسری تبصرہ

۳۵۰ صدیقی محمد نجات اللہ :

اسلامی نظریۂ ملکیت

(چراغ راہ کراچی ۵۷ء اکتوبر نومبر دسمبر)

ملکیت کے سلسلے میں جدید اسلامی قانون سازی کا مزاج کیا ہونا چاہئے۔ اس کو کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

۳۵۱ نوید شمس :

بھوک سے خطرہ ہے

(برہان دہلی ۵۷ء دسمبر ۳۶۳-۳۷۸)

بھوک کی بنیادی اہمیت، اس کے خطرات اور اس کے مادی حل پر روشنی ڈالنے کے بعد اس کا اسلامی حل پیش کیا ہے۔

تعلیمات

۳۵۲ رضوی سید محبوب :

قدیم اسلامی نظام تعلیم کی ایک جھلک

(مقام رسالت کراچی ۵۷ء اکتوبر، نومبر)

(۱)

رسول اللہ، خلفائے راشدہ، بنو امیہ و بنو عباس کے زمانے میں جو نظام تعلیم رائج تھا اس کا سرسری تعارف۔

(۲)

دوسری قسط ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی تعلیم کے تحت باقاعدہ مدارس کا رواج کب ہوا۔

نسائیات

۳۵۳ صلاح الدین شیخ :

نسائیت کا چراغ

(سویرا لاہور ۵۷ء شمارہ ۲۲۔ ۷۳-۸۶)

لوسیس اپولیس کے افسانے «سائیکی کی تقدیر» کی عورت کا اردو شاعروں اور ادیبوں کی عورت سے نفسیاتی مقابلہ کیا ہے۔

فلسفہ

۳۵۴ اقبال،
حسن نظامی،
شاہ سلیمان پھلواری

مشاہیر کے خطوط

(ثقافت لاہور ۵۷ء نومبر ۴۶-۵۶)

علامہ اقبال، خواجہ حسن نظامی اور

مولانا شاہ سلیمان پھلواری کے خطوط درج ہیں۔ ان میں تصوف اور مسئلہ وحدت الوجود و وحدت الشہود کا بیان ملتا ہے۔

۳۵۵ ڈار بشیر احمد:

افلاطون اور اس کا فلسفۂ اخلاق

(ثقافت لاہور ۵۷ء اکتوبر نومبر)

(۱)

افلاطون کے مختصر سوانح اور اس کے فلسفۂ اخلاق کی صراحت کی یہ پہلی قسط ہے۔

(۲)

اس مقالہ کی دوسری قسط ہے۔ اس میں افلاطون کے فلسفہ کی مزید صراحت ملتی ہے۔

۳۵۶ ڈار بشیر احمد:

رواقی نظریۂ خیر

(ثقافت لاہور ۵۷ء دسمبر ۴۸-۵۴)

یونان کے رواقی فلاسفہ نے خیر و شر کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کا تفصیلی تعارف

۳۵۷ صدیقی محمد احمد:

ابوالعلاء المعری اور اس کا فلسفہ

(ثقافت لاہور ۵۷ء اکتوبر ۵۲-۷۲)

یہ مقالہ معارف کراچی سے نقل ہوا ہے۔ اس میں عربی کے مشہور ادیب و شاعر ابوالعلاء المعری کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کے نظریات کی وضاحت کی گئی ہے۔

۳۵۸ صدیقی محمد احمد:

ابن خلدون اور اس کا مقدمہ

(برہان دہلی ۵۷ء اکتوبر ۲۲۱-۲۳۰)

یہ مقالہ کی چوتھی قسط ہے۔

۳۵۹ صفدر علی مرزا:

اقبال کا فوق البشر

(معارف ۵۷ء اکتوبر ۲۸۱-۲۹۳)

حقیقت انا، اثبات نفس، وجود کائنات اور اسلامی انا سے فوق البشر کے تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے اقبال کے نظریۂ فوق البشر کی صراحت کی ہے۔

۳۶۰ طالب صفوی محمد عباس:

فلاسفہ کا تصور الہ

(نگار لکھنؤ ۵۷ء اکتوبر، دسمبر)

(۱)

یونانی فلاسفروں کے تصور الہ سے متعلق بحث۔

(۲)

دوسری قسط۔ افلاطون کے تصور الہ سے بحث۔

۳۶۱ غلام مرتضیٰ حافظ:

خوارج اور مسئلہ نصب امام

(برہان دہلی ۵۷ء نومبر ۳۰۲-۳۱۶)

مختلف سوالوں وغیرہ کے ساتھ خوارج اور مسئلہ نصب امام سے متعلق گفتگو کی ہے۔

۳۶۲ غوری شبیر احمد خاں:

علمائے ہند کی کلامی خدمات

(برہان دہلی ۵۷ء نومبر، دسمبر)

(۱)

کلامی خدمات سے متعلق علمائے ہند کے کارناموں کا ہلکا سا جائزہ پیش کیا ہے

(۲)

دوسری قسط۔ اس میں عرب فاتحین کی ہندوستان میں آمد اور سندھ کے عربی عالموں، ادیبوں، شاعروں اور طبیبوں وغیرہ کے کارناموں پر تاریخی حقائق کی روشنی میں بحث۔ (باقی)

۳۶۳ غوری شبیر احمد خاں:

فارابی کی منطق

(معارف اعظم گڑھ ۵۷ء نومبر دسمبر)

(۱)

منطق میں فارابی کے بلند مقام کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

(۲)

عقلی علوم یونانیوں سے مسلمانوں تک کس طرح پہنچے اس پر تفصیل کے ساتھ بحث۔

۳۶۴ ندوی محمد حنیف:

ارسطو کی منطق پر ابن تیمیہ کے اعتراضات

(ثقافت لاہور ۵۷ء اکتوبر ۲۱-۳۱)

یہ مقالے کی آخری قسط ہے۔ اسمیں ارسطو کی منطق پر ابن تیمیہ کے چند اور اعتراضات ان کی نوعیت کی صراحت کے ساتھ پیش کئے ہیں۔

☆ ☆ ☆

متفرقات

۳۶۵ ادارہ:

مخطوطات کتب خانہ، سالار جنگ

(صبا حیدرآباد ۵۷ء جلد ۳ شمارہ ۱۰-۱۱)

کتب خانۂ سالار جنگ حیدرآباد کے عربی مخطوطات کا ایک سرسری تعارف۔ جس کی فہرست ڈاکٹر نظام الدین مرتب کررہے ہیں۔

۳۶۶ ادارہ:

الور میوزیم

(ہندوستانی ادب ۵۷ء دسمبر ۱۷-۱۸)

اور میوزیم کے محفوظات و مخطوطات کا سرسری تعارف۔

۳۶۷ دسنوی سید شہاب الدین:

اردو ٹائپ اور نستعلیق

(نوائے ادب بمبئی ۵۷ء اکتوبر ۵۷-۶۴)

اُردو ٹائپ کے فوائد اور لیتھو کے نقصانات پر ایک بحث۔

۳۶۸ راغب احسن

روس میں کیا دیکھا

(فاران کراچی ۵۷ء دسمبر ۹-۲۸)

راغب احسن صاحب کو پاکستانی علماء کے ایک وفد کے ساتھ روس جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اسی دورۂ روس سے متعلق اپنے مشاہدات، تاثرات، واقعات و حقائق کو مضمون میں بیان فرمایا ہے۔

۳۶۹ شوکت علی:

مکتوب بنام مولانا مسعود علی ندوی

(معارف ۵۷ء اکتوبر ۳۰۵-۳۱۴)

مولانا شوکت علی مرحوم کا ایک خط مولانا مسعود علی کے نام ہے جو بیتول جیل سے ۱۵ نومبر سنہ ؟ کو لکھا گیا تھا۔ اس میں مولانا محمد علی، مولانا عبدالماجد، مولانا سید سلیمان ندوی، ذوالفقار علی گوہر، حسرت، اقبال مولانا شوکت علی کی والدہ، مولانا شوکت علی و محمد علی کے جوش خدمت اسلام اور دارالمصنفین کے کام کی نوعیت کا ذکر مع مولانا کی والدہ کی بیماری کے تذکرے کے ملتا ہے۔

۳۷۰ عرشی۔

سوات جنت صفات

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۷ء دسمبر سوات نمبر)

وسط جون سنہ ۱۹۵۷ء میں مضمون نگار کو اپنے چند دوستوں کے ساتھ ریاست سوات جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ مضمون میں اسی سفر کے تاثرات و مشاہدات کو دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۷۱ قیصر منصور:

سوات۔ پاکستان کا سوئیزرلینڈ

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۷ء دسمبر سوات نمبر)

ریاست سوات کی معاشرتی، تمدنی و معاشی حالت کا جائزہ۔

۳۷۲ نذر سجاد حیدر:

یلدرم

(ماہ نو کراچی ۵۷ء دسمبر ۱۹-۲۲)

سجاد حیدر یلدرم کی شادی کی کہانی ان کی بیوی نذر کی زبانی۔

مطبوعات اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

گجراتی از: ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی

امامِ غزل شاعر ولی کے سوانح حیات، زبان

کی خدمات اور اجتہاد پر تفصیلی بحث

۱۵۵ صفحات قیمت سوا دو روپئے

خانہ جامع مسجد میں اُردو مخطوطات مرتبہ: حامداللہ ندوی

تقریباً ۷۵ اردو مخطوطات نثر و نظم کا تفصیلی تعارف

بڑی تقطیع ۱۴۰ صفحات، قیمت چار روپئے

ملنے کا پتــــہ

منیجر ادبی پبلشرز

۸۔ شیفرڈ روڈ

بمبئی ۔ ۸

اپنے ہندی داں دوستوں کو

یہ خوبصورت ادبی تحفے پیش کیجئے

دیوناگری رسم الخط میں

ل	(شوق قدوائی)	قیمت ۱ روپیہ ۸۷ نئے پیسے
ہرِ عشق	(شوق لکھنوی)	قیمت ۲ روپئے ۷۸ نئے پیسے
ا عشق	(پطرس بخاری)	قیمت ۲ روپئے ۵۰ نئے پیسے

اعلیٰ کاغذ و طباعت، نفیس جلد اور گرد پوش

منیجر ادبی پبلشـــرز شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

[illegible] محب اشرف ندوی

مد [illegible] ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸ میں چھپواکر

دو [illegible] روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription.

Inland & Pakistan: Rs. 4 — Foreign: Shillings 8

(Inclusive of postage)

Price per copy: Rupee One

Vol. 9] April - June 1958 [No. 2

All remittances to be made to:

THE ADABI PUBLISHERS,

6 Shepherd Road, Bombay 8. (India)

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

شائع کردہ

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی ۱

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت ۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون ۔
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام ۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت ۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء ۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق ۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت ۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ:-	چار روپے	مع محصول ڈاک
ششماہی :-	دو روپے	
فی پرچہ :-	ایک روپیہ	

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲. دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:-

ادبی پبلشرز

۸. شیفرڈ روڈ

بمبئی 8

پاکستان میں:- رائٹرس ایمپوریم (پاکستان)

پوسٹ بکس نمبر

نوائے ادب بمبئی

جلد ۹ — جولائی ۱۹۵۸ء — شمارہ ۳

شذرات

جہاں تک اردو کا تعلق ہے گذشتہ سہ ماہی اپنے اندر بڑی تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ اس مختصر زمانے میں انجمن ترقی اردو (ہند) کا وفد صدر جمہوریہ سے ملا، اور اس مرتبہ انہوں نے کم از کم اتنا تو وعدہ کیا کہ وہ انجمن کی معروضات کو حکومت کے سامنے رکھیں گے، اور اس طرح یہ معاملہ صاف ہوگیا کہ اس معاملہ میں مرکزی حکومت کی آواز کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی زمانہ میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اس میں پنڈت جواہر لال نے اردو سے متعلق جو کچھ کہا وہ اتنا صاف اور روادار تھا کہ شاید اردو دوست بھی اس جرأت سے کام نہیں لے سکتے تھے۔ پھر اسی کانگریس کمیٹی نے اردو کو اس کا جائز حق دلانے کے لئے جو تجویز منظور کی وہ ایک اہم تاریخی دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی زمانہ میں اُتر پردیش کی انجمن ترقی اردو نے بھی وہاں کے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی، پھر اس طرف مختلف سیاسی جماعتوں کے انصاف پسند رہنماؤں نے اردو کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اسے ہم اردو کے لئے نیک فال سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گذرتا جاتا ہے انسان کا ضمیر بیدار ہوتا جاتا ہے اور جمہوریت کی روح جاگ رہی ہے، اور جب ضمیر جاگ اٹھے اور روح بیدار ہوجائے تو انصاف و انسانیت کی کامیابی یقینی ہوجاتی ہے چنانچہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں اردو کو اس کا صحیح مقام دینے کے لئے عملی قدم بڑھایا جارہا ہے۔ پنجاب، اندھرا اور میسور کی ریاستوں میں اردو کے وجود اور سرکاری حیثیت سے اس کی افادیت کو تسلیم کیا جارہا ہے۔ صوبہ بہار میں بھی حالات حوصلہ افزا ہیں، پھر بھی ہمکو یاد رکھنا چاہئیے کہ اگر ہم نے ان خوش آیند ابتدائی کامیابیوں پر بھروسہ کرکے اپنی کوشش کو زیادہ قوت و استقلال سے جاری نہ رکھا، تو جو فائدہ بھی ہوا ہے اس سے ہم محروم ہوجائیں گے۔

نجم الدین مبارک آبرو المتوفی سنہ ۱۱۶۱ ھ، دبستان دہلی کے دور اول کے ممتاز شاعر ہیں۔ ان کا دیوان نایاب سمجھا جاتا تھا، لیکن خوش قسمتی سے کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے لسانیات کے استاد ڈاکٹر مسعود حسین خاں عرصہ سے اس کی تلاش میں تھے، کتب خانہ نے یہ نسخہ اپنی روایتی علمی اشتراک کے ماتحت ڈاکٹر صاحب موصوف کو اڈٹ کرنے کے لئے دے دیا، اور ڈاکٹر صاحب نے

بڑی محنت سے اس کو اڈٹ کیا ہے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی ہے کہ وہ اس نسخہ کی اشاعت کی عزت ہمارے ادارہ کو دیں اور ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ درخواست رائگاں نہ جائیگی۔

دیسنہ لائبریری میں جہاں اردو کتابوں، رسالوں، اخباروں کا بڑا ذخیرہ ہے وہیں وہاں اردو و فارسی کے کم یاب و نایاب نسخے بھی ہیں۔ انجمن ترقی اردو نے دیوان فغاں، دیوان تاباں، مثنوی خواب و خیال کی اشاعت میں اس کتب خانہ سے سب سے زیادہ فایدہ اٹھایا ہے۔ یہاں کا یہ سارا ذخیرہ گاؤں کے علم دوست بزرگوں کا عطیہ ہے۔ افسوس کہ ٹھیک اسی وقت جب کہ ہم آبرو کے نایاب دیوان سے متعلق یہ نوٹ لکھ رہے ہیں یہ معلوم کرکے سخت صدمہ ہوا کہ اس نسخہ کے معطی مولانا سید ابو ظفر ندوی کا ان کے وطن دیسنہ میں ۲۸ مئی کو اچانک انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ایک فرشتہ صفت مرنجاں مرنج انسان تھے، ندوہ سے سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد انھوں نے اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سال علم و فن کی خدمت میں گذار دئے۔ تعلیم و تصنیف سے ان کو عشق تھا۔ اور اس سلسلہ میں انھوں نے اگر ایک طرف رنگون کو اپنا مرکز بنایا تو دوسری طرف ملتان ان سے مستفید ہوتا رہا۔ تیسری طرف مدراس کو بھی ان سے حصول فیض کا شرف حاصل ہے۔ جب گاندھی جی نے تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں گجرات ودیا پیٹھ کھولا تو وہ ایک سچے محب قوم معلم کی حیثیت سے اس میں شریک ہو گئے اور وہاں کے نصاب کے لئے متعدد کتابیں لکھیں، پھر دارالمصنفین میں بھی علمی کام میں مشغول رہے، لیکن ان کے آخری ۲۰، ۲۲ سال احمدآباد کی علمی و ادبی گجرات ودیا سبھا میں گذرے، جہاں انھوں نے گجرات کی تاریخ وغیرہ کے سلسلہ بیش بہا خدمات انجام دیں، چنانچہ ان کی تاریخ گجرات ندوۃالمصنفین کی طرف سے شائع ہونے والی ہے۔ وہ زبانوں کے بھی بڑے ماہر تھے۔ برمی زبان سے متعلق بھی ان کی ایک تصنیف ہے۔ انھوں نے برما کا سفر نامہ بھی لکھا ہے۔

مولانا ابو ظفر علامہ سید سلیمان ندوی کے بھتیجے اور ان کے بڑے بھائی حکیم ابو حبیب رح کے صاحبزادے تھے۔ یہ خاندان اپنے جسمانی و روحانی طبابت و مسیحائی اور ادبی و علمی خدمات کے لئے مشہور ہے، مولانا ابو ظفر، عہد اول کے سچے معصوم مسلمانوں کا صحیح نمونہ تھے۔ عام طور سے نہایت نرم لیکن حق و صداقت کی مدافعت کے لئے ایک آہنی پیکر بن جاتے

تھے۔ وہ اپنے اصول کے لئے سب کچھ قربان کرنے پر تیار رہتے۔

خاکسار جس سال ندوہ میں داخل ہوا تو برادر محترم علامہ سید سلیمان ندوی رح نے مجھے انہیں کی نگرانی میں دیدیا اور اس وقت سے لےکر آخر وقت تک ان کی شفقت و عنایت روز بروز بڑھتی گئی اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

دینیہ کو اس سہ ماہی میں یہی ایک صدمہ نہیں اُٹھانا پڑا ہے بلکہ وہ اپنے سب سے بڑے رہنما اور پیکر ایثار بزرگ کو بھی ہمیشہ کےلئے کھودیا ہے۔ مولوی سید ابوالکمال عبد الحکیم دینیہ کے لئے سب کچھ تھے۔ یہ ان کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ دینیہ میں اتنا بڑا اسمول اُردو کا کتب خانہ بن گیا۔ انھوں نے صرف اس کی خدمت کی جہ سے دینیہ سے باہر جانا گوارا نہیں کیا۔ وہ اچھے نثر نگار تھے، پنچی دور میں طریفانہ مضامین "نام کے حکیم" کے نام سے لکھتے تھے، علامہ شبلی سے ان کو خاص عقیدت تھی، علامہ سید سلیمان ندوی سے بے پایاں محبت رکھتے تھے، ان کے تعلقات کا اندازہ ان خطوط سے ہوسکتا ہے جو علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کو لکھے ہیں۔ ہوش سنبھالنے کے وقت سے اس وقت تک مجھے بھی ان کی محبت سے مسرور ہونے کا موقع ملا ہے، شاید ایسے چاہنے والے لوگ اب پیدا نہ ہوسکیں گے۔ خداوند تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

آزادی کے بعد سے حکومت ہند اور حکومت ایران کے درمیان جو خوشگوار علمی تعلقات پیدا ہوگئے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کے متعدد اساتذہ طہران یونیورسٹی میں جاتے ہیں اور وہاں کے متعدد طلبا یہاں حصول تعلیم کے لئے آتے ہیں، پھر ایرانی محققین کی آمد کا سلسلہ بھی جاری ہے اور اس طرح دونوں ملک ایک دوسرے سے قریب تر ہوگئے ہیں۔ چنانچہ کلکتہ اور بمبئی سے ہند ایرانی تعلقات سے متعلق بڑے بلند پایہ انگریزی رسالے نکلتے ہیں۔ لیکن اب دہلی نے ایک قدم اور بڑھایا ہے اور وہاں سے "آہنگ" نام کا ایک رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے جس کا مقصد اُردو اور فارسی والوں کو قریب تر لانا ہے۔ اسی لئے اس میں بعض مضامین فارسی میں اور بعض اُردو میں ہوتے ہیں۔ خدا کرے یہ رسالہ زندہ رہے اور ایک ثقافتی و ادبی سفیر کی خدمات انجام دینے میں کامیاب ہو۔

قاضی عبدالودود صاحب بار۔ ایٹ لا، پٹنہ

سرپ سکھ « دیوانہ »

مخففات (۱) انیس ۔ انیس الاحبا از انیس شاگرد مکیں، ف ح، روایت اماۃ ۱۲ کے اواخرمیں مکمل (۲) باغ ۔۲ باغ معانی ف خ (معاصر ۲ صفحہ۱۰۹) (۳) حسن ۔ تذکرۂ شعرائے اردو از حسن، روایت ۱ سنہ ۱۱۸۹ھ میں مکمل (٤) خ ۔ کتب خانۂ خدا بخش (۵) روز ۔ روز روشن ف (٦) زخمی ۔ انیس العاشقین از زخمی، نسخۂ دانشگاہ پنجاب ترجمۂ دیوانہ کے لئے ڈاکٹر عبادت بریلوی کا شکریہ (۷) سفینہ ۔ سفینۂ عشرت ف ح (۸) صحف ۔ صحف ابراہیم از مصنف گلزار ف ح (۹) عماد ۔ عماد السعادت (۱۰) ف ۔ تذکرۂ فارسی گویاں (۱۱) کریم ۔ تذکرۂ کریم الدین، اس کا اہم ترین ماخذ، تاریخ دتاسی اشاعت ۱ (۱۲) گلزار ۔ گلزار ابراہیم خ (۱۳) گلشن ۔ گلشن بیخار (١٤) لطف ۔ گلشن ہند (۱۵) مجموعہ ۔ مجموعۂ نغز از قاسم ح ؛(١٦) مجموعہ ۱ ۔ ایضاً مطبوعہ (۱۷) مصحفی ۔ عقد ثریا ف ح، مصحفی سنہ ۱۱۹۸ھ میں وارد لکھنؤ، سنہ ۹۹ھ میں روایت ۱ مکمل،ترجمۂ دیوانہ ورود لکھنؤ کے بعد لکھا گیا (۱۸) مصحفی ۱ ۔ تذکرۂ ہندی (۱۹) مصحفی۲ ۔ مجموعۂ قصائد اردو، نسخۂ رامپور (۲۰) مکیں د ۔ دیوان مکیں خ (۲۱) ہندی ۔ سفینۂ ہندی از بھگوانداس، ہندی ف خ ۔ (کل تذکرہ نگار جن کی کتابوں کے نام اوپر درج ہیں، باستثنائے مصنفین ۵ و ٦ و ۸ و ۱۱ و ۱۵ خود دیوانہ سے ذاتی تعلقات کے مدعی ہیں' یا قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں)

نام و خاندان :۔ سرپ سکھ[1] کے والد کا نام بشن سنگھ[2] تھا جنھیں سفینہ

---

[1] انیس، باغ، حسن، سفینہ، مصحفی، صحف، ہندی، مجموعہ (تراجم دیوانہ و حیران و حسرت) وغیرہ میں یہی، مگر مجموعہ ۱ میں غلطی سے سرپ سنگھ چھپ گیا ہے، اور زخمی، گلشن، کریم و روز وغیرہ میں اسی طرح ۔ تاریخ دتاسی جلد' صفحہ ٤٢٦ میں رائے سرپ سکھ سنگھ ۔ صحیح سرپ سکھ، یہ نظم میں آیا ہے (قطعۂ ہندی تحت موت دیوانہ، مصحفی۲ کا قطعۂ رائیہ جس میں قدر شناس معاصرین کا ذکر ہے ۔ باغ، انیس، گلزار، ہندی وغیرہ میں نام سے «رائے» مخزن و سفینہ میں «لالہ» حسن کے تراجم دیوانہ و حسرت میں «رائے» مگر تراجم حیران و رضا میں «لالہ» [2] صرف سفینہ میں

میں کھتری کپور[۱] اور متوطن لاہور[۲] بتایا گیا ہے اس کتاب میں اس کے بعد ہی یہ عبارت ہے « از رشتہ داران اتما رام صاحب[۳] دیوان ربان الملک» «مصحفی» میں سرپ سکھ کو رام نراین (پسر متبنی آتما رام دیوان صفدر جنگ، عماد صفحہ ٥٦) کا «قرابتی» اور باغ و ہندی میں راجہ مہاراین[۴] دیوان شجاع الدولہ (قبل جنگ بکسر، پسر رام نراین، عماد صفحہ ٥٦) کا «خواہر زادہ» مرقوم ہے اور صحف و گلزار میں رشتے کی صراحت کے بغیر صرف یہ لکھا ہے کہ مہاراین کے قرابت مند ہیں۔ حقیقی بھانجا ہونا متیقن نہیں۔

مولد ۔ انیس و ہندی نے صراحتاً لکھا ہے کہ سرپ سکھ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔

سال ولادت ۔ کسی نے یہ نہیں بتایا کہ سرپ سکھ کی ولادت کب ہوئی تھی، قیاس ہے کہ سنہ پیدایش کی ایک حد سنہ ۱۱٤۱ھ اور دوسری سنہ ۱۱٤٥ھ ہے۔

دہلی کی زندگی اور آغاز ریختہ گوئی ۔ سرپ سکھ کی نشو و نما دہلی میں ہوئی (مصحفی و ہندی) «مصحفی» میں ہے اور انیس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ابتدائے عمر[۵] سے موزوں طبع تھے۔ مصحفی و ہندی[٦] دونوں کے اقوال سے مترشح ہے کہ یہ

[۱] کھتری اور جگہ ہوں کپور صرف سفینہ میں [۲] دیوانہ کا اصلی وطن دہلی و لاہور (مخزن) ان کے بزرگوں کا وطن پنجاب (انیس)، [۳] عماد کا صفحہ ٥٦ اس کا مصدق ۔ اس کتاب میں بتایا ہے کہ کھتری مہتا، ساکن تھے و والی میں مضافات لاہور لکھا ہے [۴] مہاراین دیوان نواب (صفدر جنگ بعد شجاع الدولہ) میر کا محسن، نجم الدین علی، سلام ان کے داروغہ دیوان خانہ، ذکر میر صفحہ ۷۲ [۵] تعین زمانہ میں امور ذیل پیش نظر (۱) حسن نے دیوانہ کو معاصرین سودا و میر و درد میں شمار کیا ہے اور ان کے تلامذہ، حسرت وغیرہ کو اپنے اور مصحفی وغیرہ کے دور میں شامل کیا ہے (۲) دیوانہ کے استاد، مکین کا سال ولادت بقول ہندی «صاحب تذکرہ بحث و حرہ» سنہ ۱۱۳۸ھ معلوم ہوتا ہے ۔ مکین کے سال پیدایش کے متعلق یہ بات قابل بیان ہے کہ ایک قصیدے میں جو اواخر سنہ ۸۲ یا سنہ ۸۳ھ کا لکھا ہوا ہے، مکین نے کہا ہے کہ «مسافر عمر» «منزل چہم» میں قدم رکھ رہا ہے (مکین د ورق ۲٤) (۳) انیس نے «ابتدائے عمر» کی جگہ «سن شعور» لکھا ہے ۔ جو بہتر ہے ۔ [٦] «بشتر» (پیشتر ؟) فکر ہندی میکرد، درین دیار (از) استادان ہندی گو کسے راندید، آخر خیال فارسی را در سر جا داد (مصحفی) ہندی نے ترتیب دیوان ہندی کے ذکر کے بعد لکھا ہے « بعد ازاں، دل برداشتہ بگفتن شعر فارسی میل کردہ»

پہلے ریختہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ «مصحفی» میں یہ تو ہے کہ صاحب کمالان دہلی مثل خواجہ میر درد وغیرہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اردو میں کسی کے شاگرد تھے یا نہیں۔ قرینہ ہے کہ دیوانہ تخلص دہلی ہی میں رکھا ہوگا۔

لکھنؤ کی زندگی اور فارسی گوئی۔ ہندی کہتا ہے کہ مہا راجہ کے عہد «امارت» میں وارد لکھنؤ ہوئے۔ «مصحفی» میں ہے کہ «برہمی اوضاع» دہلی کی وجہ سے مرزا فاخر، مکین سے کچھ قبل وہاں پہنچے۔ ہندی اور انیس دونوں اس پر متفق ہیں کہ مکین کا لکھنؤ جانا سنہ۱۱۷۳ھ میں ہوا تھا۔ باغ میں ہے کہ یہ «رفاہ» سے زندگی بسر کرتے تھے، انیس کا قول ہے کہ «ممتاز پیش دولت مندان این دیار گردیده» ہندی لکھتا ہے «جاگیر مناسب یافت و عزت و حرمت دریں شہر بسر میبرده، مجلس فقراء و مجمع شعرا اکثر در خانہ اش میشد، بسیار سلوک و مدارا با اہل محفل مینمود»۔[1] «مصحفی» میں ہے کہ یہ لکھنؤ آئے تو یہاں ریختہ کا کوئی استاد نہ تھا، فارسی کہنے کا خیال پیدا ہوا اور منیں سے اصلاح لینی شروع کی، مگر اسے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ مکین آگئے۔ دیوانہ کو ان کا کلام پسند آیا اور ان کے شاگرد ہوگئے۔ انیس نے لکھا ہے کہ رفتہ رفتہ بیس ہزار اشعار مکین کی نظروں سے گزرائے، اور دس بارہ برس تک رات دن «اکثر» حاضر خدمت رہا کیے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ «حالا ارچند مدت نقص صحبت بمیاں آمده . . . ، بطور خود در لکھنؤ کوس لمن الملکی میزند» (مصحفی) ہندی نے بھی «صحبت برآر» نہ ہوسکنے کا ذکر کیا ہے، مگر انیس نے صراحتاً اس باب میں کچھ نہیں کہا، نہ الفاظ البتہ اس کے قلم سے نکلے ہیں «حالا کلام اصلاحی و بے اصلاح خود را درہم کرده اند، گویا این معنی را ارد خود بہتر شمرده» اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مکین نے ایک قصیدے میں جو اواخر سنہ ۱۱۸۲ھ یا اوائل سنہ ۱۱۸۳ھ کا لکھا ہوا ہے، اور مکین د ورق۲۴ و ما بعد میں مرقوم ہے، دوسرے تلامذہ کے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان سے متعلق شعر یہ ہے۔

ہوشمندی دیوانہ در سخن سازی	کہ حق ہمیشہ نگہ دارد ش رفتہ و فر[2]

---

[1] مصحفی وغیرہ میں ترجمہ

[2] «شر» چاہیے۔

اخلاق و اطوار ۔ « در عالم اخلاص یگانہ » « خلیق و آشنائے شفیق » (سفینہ) « محسن اخلاق واکثر خوبیہا متصف، منصف و بسیار خوش اختلاط» (باغ) «خالی از عشق مجاز نیست» (صحف) «گرم جوش و چرب زبان» (انیس) «بسیار آشنا پرور، دوست نواز، آرمیدہ مزاج، پسندیدہ اطوار» (ہندی) لطف کا قول ہے کہ « وضع معلیت پر مرتا تھا » مصحفی میں ہے کہ وضع پوشاک و شعر میں اہل ایران کا تتبع کرتے تھے ، صاحب مخزن کا بیان ہے کہ « تمغل بسیار داشت »

موت ۔ « ہنگامیکہ در لکھنؤ بیمار بود ، برائے عیادت او رفتم از شفقت فرمود کہ بعد فوت من فکر گیا[1] منظور باید داشت، و ہماں وقت روانہ طرف گنگا شد، در آنجا رسیدہ بعد یک روز بہ بہشت بریں شتافت جسدش سوختہ خاکسترش را در آب انداختند » (ہندی) ہندی کے قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات بدھ کے دن بتاریخ ۱۹ رمضان ۱۲۰۳ھ واقع ہوئی۔

چہار شنبہ ماہ صیام بود دہم   برفت رائے سرپ سنگھ سوے بہشت بریں
« بہشت یافتہ[2] » تاریخ رحلتش باشد   دلیل مغفرت او ہمیں بود یقیں

تصانیف :۔ مصنف باغ سخن نے دیوانہ کو دوستانہ طور پر «پہلوان الشعرا» کا خطاب دیا تھا ، کہتا ہے کہ ان کے زمانے میں کوئی دوسرا شاعر اتنا پُرگو نہ تھا۔ یہ روزانہ پانچ چھ غزلیں بلکہ اس سے بھی زیادہ موزوں کرتے تھے ۔ انیس کا قول ہے کہ اُردو فارسی میں قوت گویائی بہت تھی، اسی لئے یہ کسی کو اپنا مقابل نہیں سمجھتے تھے۔ ہندی کا بیان ہے کہ «دو سہ غزل ہر روز مشق میکرد، قریب لک بیت گفتہ، در ایں عہد کسے بمرط گویائی او نمی رسد» لطف نے انہیں « نہایت پُرگو » کہا ہے اور صحف میں ان کی کثرت اشعار کا ذکر ہے۔

[1] ہندی کہتا ہے کہ میں نے بموجب وصیت بعد وفات دیوانہ کی زوجہ کو گیا بھیجا اور وہ وہاں سے واپس آگئیں [2] لطف سنہ ۱۲۰٤ھ اشپرنگر بحوالۂ گلشن سنہ ۱۲۰٦ھ (قاموس المشاہیر میں بھی سنہ ۱۲۰٦ھ) مگر اس کے کسی مطبوعہ اور خطی نسخہ میں جو میری نظر سے گزرا ہے سال وفات مطلقاً موجود نہیں۔ کریم نے سنہ ۱۲۱٤ھ لکھا ہے، لیکن اس کے اہم ترین ماخذ تاریخ دتاسی میں سنہ ۱۲۰٤ھ ۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ کا یہ قول کہ « عام رائے سنہ ۱۲۱٤ھ کے حق میں ہے» (ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ) صحیح نہیں۔

دیوانہ نے ریختہ گوئی ترک کردی تھی، اس کے زمانے کی کسی حد تک تعیین اقوال ذیل سے ہوسکتی ہے:

« در اوائل مشق فکر ریختہ میکرد » (حسن) « حالا خود ریختہ نمی گوید » (مصحفی) ہندی کا بیان ہے کہ دیوانہ نے اپنا دیوان اُردو خود مرتب کرلیا تھا۔ مگر اس کے سوا کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ جہاں تک میرا علم ہے، اس کا کوئی نسخہ آج کل موجود ہے۔ اس کی ضخامت کیا تھی، اس کے متعلق کچھ کہنا ممکن نہیں، فی الحال جو اُردو اشعار ملتے ہیں ان کی تعداد ۸ سے زیادہ نہیں اور یہ سب کے سب لطف[1] میں درج ہیں:

جب نہ تب سنئے تو کرتا ہے وہ اقرار بغیر گفتگو ہم سے اسے پر نہیں انکار بغیر
بزم میں رات بہت سادہ و پرفن تھی ولے گرمیِ بزم کہاں اس بت عیار بغیر
دیکھ بیمار کو تیرے، یہ طبیبوں نے کہا ہوچکی اس کو شفا شربت دیدار بغیر
جان پر آبنی ہمدم مری خاموشی سے بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر
جس کی خاطر کے لئے یار سب اغیار ہوئے کیونکے دیوانہ بھلا رہئے اب اس یار بغیر
وے لوگ کہاں کہ یار باشی کیجے؛ وے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے
اک گوشے میں بیٹھ کر دیوانہ تنہا اب ناخن غم سے جی خراشی کیجے
دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے رستمؔ کا کیا جگر ہے کہ زہرہ پگھل نہ جائے

مصحفی میں ہے کہ دیوانہ کی زبان « شستہ و رفتہ » تھی۔ مگر صاحب مخزن کی رائے ہے کہ « در محاورۂ فارسی اکثر غلط میکرد » ہندی کا قول ہے کہ « چہار دیوان ترتیب داد، نام یکے دردیہ و نام دومی عشقیہ نہاد چوں دیوان سوم در برابر دیوان شرف جہاں قزوینی بقید قافیہ و ردیف گفتہ بود، آں را شرفیہ نام نہادہ، و در برابر دیوان «حزیں» نیز بقید قافیہ و ردیف دیوان تمام کردہ، قصد دیوان پنجم داشت کہ عمرش تمام شد » میں نے بہت دن ہوئے کہ دیوانہ کا ایک فارسی دیوان کتب خانۂ نواب رامپور میں دیکھا تھا، مگر میں اب یہ نہیں کہہ سکتا کہ کون سا دیوان تھا۔ اس میں کم و بیش ۲۰ ہزار اشعار ہونگے، جن میں غالباً ایک بھی ایسا نہ تھا جس سے ان کے حالات زندگی پر روشنی پڑسکتی۔ عقد ثریا میں صرف دردیہ، عشقیہ اور

---

[1] آخر کے تین شعر حسن میں بھی ہیں۔

شرفیہ کا ذکر ہے، مگر وہ صرف دردیہ کے مطالعے کے مقر ہیں۔ اشعار ذیل جو تذکرۂ مذکور سے لئے گئے ہیں، اسی دیواں کے ہونگے۔

گفتند از زباں تو نامی پیسام وصل   باور نیامدم که پیسام از زباں تست

ایں درد دیگر است که دور از گل و چمن   افتاده ام مدام و کسے ہمصفیر نیست

تو مے میخوردی، من جانب چشم تو میدیدم   دو عالم نشۂ از یک گردش جام تو میبردم

بر لب از درد تو آمد جان من   اے دوائے درد بے درمان من

ہندی کہتا ہے «مثنوی قصۂ رام چند برگ فروش که میر شمس الدین فقیر گفته بود، او ہم گفته، راقم بر سراپائے ان گذشته» فقیر کی مثنوی «تصویر محبت» ہے، یہ قصہ میر نے بھی نظم کیا ہے (معاصر حصہ ۹ صفحہ ۱۸٤)

تلامذہ ۔ حسن نے لکھا ہے که دیوانہ «استاد ریختہ گویان لکھنؤ» ہیں، مصحفی میں ہے که «سلسلۂ اکثر ریختہ گویاں که دریں شہر باشند با وے پیوندد» ہندی کا بیان ہے «چند کس از موزوناں در ہندی شاگرد او بودند» مجھے حسب ذیل شاگردوں کا پتہ چلا ہے، تذکروں کی ورق گردانی ممکن ہے ان کی تعداد میں اضافہ کرے، مگر حسن و مصحفی کا بیان اسی صورت میں قریں صحت ہوسکتا ہے که ان کے شاگردوں کے مستفیدین بھی ان کے تلامذہ میں محسوب ہوں۔

[۱] دیوانہ کے مشہور ترین شاگرد جعفر علی حسرت ہیں، جو جرأت کے استاد تھے۔ یہ اُردو میں دیوانہ (حسن) اور فارسی میں مکیں سے اصلاح لیتے تھے (انیس) مگر دیوانہ سے منحرف بھی ہوگئے تھے (حسن) جس کی وجہ «مصحفی» میں یہ درج ہے که «شاش مقتضی اقرار نمی شود» کثرت تلامذہ کے متعلق حسن کا قول ہے که «چنانست در صورت شناسی حیرانست» [۲] میرحیدرعلی حیران، استاد افسوس، اُردو میں دیوانہ (حسن) اور فارسی میں مکیں کے شاگرد (انیس) [۳] میرزا علی رضا «از یاران لاله سرپ سنگھ» یار۔ دوست شاگرد کے لئے بھی آتا ہے اور اس موقع پر غالباً یہی مراد ہے [٤] جسونت سنگھ پروانہ فارسی میں شاگرد (مصحفی) [۵] بھگوانداس بسمل و ہندی فارسی گو زور میں شاگرد دیوانہ مگر یہ خود کو تلمیذ مکیں کہتے ہیں [٦ و ۷] میدی لعل بیمار، وشتاب رائے راز ہر دو فارسی گو [۸] محمد حیات، بیتاب بلگرامی فارسی گو (مصحفی)

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں علما و فضلا کی خدمات

اُردو کے خدمت گذاروں کی تعداد خواہ بہت زیادہ نہ رہی ہو لیکن اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کہ ان میں جتنا تنوع اور بوقلمونی ملے گی شاید ہی اور کہیں ملے۔ ملکی اور غیر ملکی دونوں نے اس کی خدمت کی۔ مذہبی اور غیر مذہبی دونوں قسم کے لوگوں نے اس کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔ ہندو اور مسلمان دونوں اس کی خدمت میں شریک رہے۔ آخری ادوار میں تو ہندو ادیبوں کی بڑی تعداد مل ہی جاتی ہے ابتدائی دور میں بھی بعض قول ایسے ملتے ہیں جن سے قیاس ہوتا ہے کہ دکنی ہندوستان کے برہمن اس زبان سے بہت پہلے سے روشناس ہیں۔

تاریخ فرشتہ میں ابراھیم عادل شاہ اول (م ۱۵۵۸ع) کا ایک واقعہ اس طرح منقول ہے کہ اس کو جب ایرانیوں سے دلچسپی باقی نہیں رہی تو بہت سے عہدہ داروں کو بر طرف کرکے ان کی جگہ دکنی اور اور حبشی ملازم رکھے اور دفتر جو اس وقت فارسی میں تھا «هندوی» میں منتقل کردیا اور برہمنوں کو دفتر میں جگہ دی۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں۔

> « از امرائے غریب نحر اسد خان لاری و آقائے رومی و شجاعت خان ہمہ را موقوف ساختہ از امارت معزول گردانید .... از جملہ سہ ہزار غریب نوکر خاصہ کہ ہمواره ملازم رکاب می بودند چہار صد را نوکر گذاشتہ باقی را رخصت کرد .... و دفتر فارسی را بر طرف ساختہ «هندوی» کرد و برہمنہ را صاحب دخل گردانیدہ۔» ج ۲ صفحہ ۲۷

بالکل یہی بیان خافی خان کا بھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہندوی سے کون زبان مراد ہے، اکثر ادیبوں نے دکنی زبان مراد لی ہے اور دکنی اردو کی قدیمی شکل ہے۔ میرے نزدیک ہندوی سے قدیم اردو مراد لینے کے قرائن حسب ذیل ہیں۔

(۱) جنوبی ہندوستان کے ان علاقوں میں جہاں عادل شاہی، نظام شاہی اور قطب شاہی حکومتیں قائم تھیں وہاں کی مقامی زبانوں میں مرہٹی، تلنگی اور کنڑی خصوصیت

سے قابل ذکر ہیں۔ ان تینوں میں سے کسی کے لئے ہندوی کی اصطلاح مستعمل نہ تھی۔

(۲) ابتدائی عہد سے لے کر آخر وقت تک دکن میں دکنی زبان کے لئے ہندوی کی اصطلاح برابر ملتی ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

الف۔ شمس العشاق۔ م ۱۴۹۷ع کہتے ہیں۔

ہیں عربی بول کیرے اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب اس ارتوں کے سبب

ب۔ اشرف بوسربار (تالیف ۱۵۰۴ع) میں لکھتے ہیں۔

یہ سر بار اس دھریا ناوں جائے دکھالو اب پر تہاوں
نظم لکھی سب موروں آن یو سب ہندوی کر آسان

. . . .

باراں سو کیے تاریخ سال بعد از نبی ہجرت سال
نو سو ہووے اگلے نو یہ دکھ لکھیا اشرف تو
انکھیاں آنجھوں سوں دھو دھو لکھیا میں دکھ یہ رو رو
ایک ایک بول یہ موروں آن تقریر ہندوی سب نکھان

. . . . . اُردو ادب ستمبر ۵۷ء صفحہ ۵۱

ج۔ برہان جانم (م۔ بعد ۱۵۸۲ع) فرماتے ہیں۔

عیب نہ راکھیں ہندی بول معنی تو چک دیکھ دھنڈول
ہندی بولوں کیا بکھان جے گر پرساد تھا منج گیان

. . . . . صوفیائے کرام کا کام۔ صفحہ ۵۶ ـ ۵۷

د۔ بساتین السلاطین میں (صفحہ ۴۳۰) علی عادل شاہ ثانی (م ۱۶۷۳ع) کے دور کی زبان کو "ہندی" کہا گیا ہے۔

اما چوں طبع ہمایوں پادشاہ اکثر میل جانب لغت
خاص خویش یعنی زبان دکنی داشت . . . . شعرائے
ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند۔

اس مصنف نے واضح طور پر دکنی اور ہندی کو ایک بتایا ہے۔

ھ۔ میراں یعقوب ترجمہ شمائل الاتقیا (۱۶۶۸ء) میں لکھتے ہیں:

اپنی حیات کے وقت مجے ارشاد کئے تھے جوں شمائل
الاتقیا کتاب کوں ہندی زباں میں لیاوے تاکہ ہر کس
کے تئیں سمجھا جاوے۔ ...دکن میں اُردو صفحہ ۱۷

و۔ باقر آگاہ (م ۱۸۰۵ء) فرماتے ہیں:

ولے بعض یاروں کا ایما ہوا سو ہندی زباں یہ رسالہ ہوا
ہے دکنی میں محکو مہارت بتی کہ النصر منکم کہے نصرتی

...دکن میں اُردو صفحہ ۱۷

ز۔ قاضی بدر الدولہ (م ۱۸٦٤) لکھتے ہیں:

علم کے جانے والے دنیا سے گزرگئے تب زباں ہندی
میں یہ کتاب لکھنا شروع کیا۔ ...دکن میں اُردو صفحہ ۱۷

(۳) دکھنی زباں بہمنی ہی دور میں بول چال کی زبان سے گزر کر تحریر و تقریر کی زبان ہوچکی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس دور کے صوفیا اپنے وعظوں میں یہ زباں استعمال نہ کرتے۔

ان وجوہ سے ہمارا خیال یہی ہے کہ پندرھویں سولھویں صدی عیسوی میں دکھنی زبان ہندوؤں اور مسلمانوں میں برابر رائج ہوچکی تھی۔

دکھنی کی سرکاری حیثیت اور اس کی عام مقبولیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ غیرملکی ادیب بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اگرچہ اس سلسلے کا تمام‌تر مواد تحقیق طلب ہے پھر بھی چند مثالیں ایسی مل جاتی ہیں جن سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ایرانی شعراء بھی قدیم اُردو میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ ہمارے محترم سید نصیرالدین ہاشمی صاحب نے ایک بڑی اہم مثال پیش کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شیخ آذری (م ۱٤٦۲ء) جو احمد شاہ بہمنی (م ۱٤۳۵ء) کے زمانے میں بیدر آئے انھوں نے بھی قدیم اُردو میں ایک منظوم تاریخ بہمن نامہ کے نام سے لکھی ہے مثلاً وہ دکن میں اُردو صفحہ ٤۰ پر فرماتے ہیں

«بہمن نامۂ دکنی سلطان ہمایوں شاہ تک شیخ آذری کا لکھا ہوا تھا.....
مصنف فرشتہ نے نہ صرف اس کو دیکھا تھا بلکہ اس سے استفادہ بھی

کیا تھا اور خصوصیت سے اس نے دکنی کی صراحت کی ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ ہیں، "القصہ بہمن نامۂ دکنی تا داستان سلطان ہمایوں الخ، اس سے واضح ہوسکتا ہے کہ آذری نے بہمن نامہ کو دکنی میں لکھا تھا"

"اگرچہ بہمن نامہ دستیاب نہیں ہوا ہے لیکن فرشتہ کی صراحت سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا ہے اور یہ کتاب دکھنی میں قلمبند کی گئی تھی"

مگر میرے خیال میں یہ قیاس درست نہیں کیونکہ فرشتہ کے خود اپنے قول کے مطابق اس نے اپنی تاریخ میں بہمن نامہ کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس تاریخ میں دکنی کا ایک شعر نہیں آیا۔ دوسرے یہ کہ خود فرشتہ نے بہمن نامہ کے دو شعر بقید عنوان لکھے ہیں جن سے اس کتاب کی زبان فارسی صنف مثنوی اور بحر متقارب مثمن مقصور ہونا متعین ہوجاتا ہے۔

بہر حال قدیم ترین غیر ہندوستانی کے اُردو میں نظم کرنے کی مثال حضرت شمس العشاق کی ہے۔ بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گجرات کے باشندے تھے۔ مگر چونکہ ان کی پیدائش مکہ میں ہوئی اور وہ ہندوستان کی زبان سے بالکل ناآشنا تھے اس لئے ان کا شمار غیر ملکی ادیبوں میں ہوا۔ آپ کی عمر کا بہت بڑا حصہ عرب میں گزرا۔ ہندوستان آئے تو شاہ کمال الدین بیابانی سے بیعت ہوئے۔ شاہ کمال حضرت گیسو دراز کے مریدین میں تھے۔ گیسو دراز کا فیض دکن میں بہت عام ہے۔ ان کے سلسلے میں اُردو زبان کو روز افزوں فروغ ہوا۔ شمس العشاق کی یہ کیا کم کرامت ہے کہ وہ مکہ میں پیدا ہوتے ہیں اور ہندوستان آکر یہیں کی زبان میں تلقین کرتے اور لکھتے پڑھتے ہیں۔ وہ مکہ سے مدینہ شریف کی زیارت کو گئے۔ تقریباً ۱۲ سال روضہ کے قریب رہے۔ ایک روز آنحضرت نے ہندوستان جانے کے لئے خواب میں ارشاد فرمایا تو آپ نے یہاں کی زبان سے ناواقفیت کا عذر پیش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تم کو سب زبانوں کا علم ہوجائے گا اور یہی ہوا۔ ان کا بیشتر کلام اسی ہندی زبان میں ہے۔ چنانچہ اب تک حسب ذیل دکنی رسالوں کا پتہ چلا ہے:

شہادت التحقیق ۔ خوش نامہ ۔ خوش نغز ۔ شرح مرغوب القلوب ۔ جل ترنگ ۔ گل

نامی - معمر مرغوب - بشارت الذکر وغیرہ

بعض جگہ وہ اپنی زبان کو گجری کہتے ہیں یعنی ایسی زبان جو گجراتی سے بہت زیادہ متاثر تھی۔

دوسری مثال حضرت شاہ طاہر کاشانی کی ہے۔ سخاوت مرزا صاحب نے رسالہ اُردو اپریل سنہ ۵٤ء صفحہ ۳-٤ میں لکھا ہے کہ غالباً شاہ طاہر (م ۱۵٤۸ء) کی ایک لغت مکرمی مولوی عمر یافعی صاحب کے کتب خانے میں میری نظر سے گذری تھی جس میں اُردوئے قدیم کے الفاظ اور معنی دیے تھے اور اس کو لفظ ریختہ سے موسوم کیا تھا۔ اس لغت کا سنہ کتابت ۹٦٦ھ - ۱۵۹۵ء تھا۔ اس لغت میں ریختہ کے لفظ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ احمد نگر اور بیجاپور میں اُردو بہت اچھی طرح رائج ہوچکی تھی۔

شاہ طاہر سلاطین فاطمی مصر کی اولاد میں تھے۔ ان کے بزرگوں میں سے ایک شخص قزوین کے مضافات میں «خوند» نامی مقام پر اقامت گزیں ہوا۔ اس کی اولاد میں کئی صدیوں تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ طاہر کی سجادہ نشینی کے بعد اس مرکز کی شہرت میں بڑا اضافہ ہوا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کو خطرہ پیدا ہوا اور اس نے اس مرکز کو توڑنا چاہا۔ شاہ طاہر اسمٰعیل صفوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرزا شاہ حسین ناظر دیوان کی سفارش پر کاشان میں تدریس کا منصب ان کو عطا ہوا۔ شاہ کی سرپرستی کی دھوم ہوئی تو لوگ جوق در جوق ان کے درس میں شامل ہونے لگے۔ شاہ اسمٰعیل کو یہ بات بالکل پسند نہ آئی اور اس نے شاہ طاہر کے قتل کا پروانہ جاری کردیا۔ چنانچہ مجبور ہو کر وہ وہاں سے بھاگ نکلے اور اسمٰعیل عادل شاہ کے دربار میں بیجاپور آئے مگر یہاں خاطر خواہ تعظیم و تکریم نہ ہوئی تو حج کو روانہ ہوئے اور اس سعادت کے بعد ہندوستان ہی واپس ہوئے۔ سنہ ۱۵۲۲ء میں مولانا پیر محمد شیروانی کے توسط سے برہان نظام شاہ کے دربار میں رسائی ہوئی اور چند ہی دنوں میں وہ سارے اقتدار کے مالک ہوگئے۔

علی عادل شاہ اول (م ۱۵۸۰ء) کے زمانے میں ایک ایرانی ادیب خواجہ محمد دھدار فانی شیراز سے بیجاپور آیا۔ خواجہ کے والد خواجہ محمود دھدار اپنے دور

کے بڑے فضلا میں تھے۔ ان کی چند تصانیف زبدۃ الاذکار، خلاصۃ الاذکار، کنزالرموز اسرار دل و حال۔ دستیاب ہوگئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے علاوہ علم جفر اور تفسیر میں ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ وہ نقطویوں کے سخت دشمن تھے۔ چنانچہ اس جماعت کے ایک فرد خواجہ امری (مقتول ۹۹۹ ہجری۔ سنہ۱۵۹۱ء) سے بڑے معرکے رہے۔ خواجہ نے قتل سے پہلے محمود دھدار کی ہجو میں اشعار لکھے تھے جو ریاض الشعرا میں منقول ہیں۔

محمد دھدار بھی نقطویوں کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی تحریروں میں اس جماعت پر بڑی لعن طعن کی ہے۔ وہ علی عادل شاہ اول (م ۱۵۸۰ء) کے دور میں بیجاپور آیا اور بادشاہ کو ترغیب دی کہ وہ محمد اور اس کے استاد علامہ شاہ فتح اللہ شیرازی کو بلائے۔ شاہ بیجاپور آئے اور علی عادل شاہ کے دو برس بعد تک عادل شاہی دربار کی زینت رہے۔ سنہ ۱۵۸۲ء میں وہ دربار اکبری میں چلے گئے اور ان کا شاگرد محمد دھدار فانی شمالی ہندوستان کے بجائے احمد نگر چلا گیا۔ وہاں کے بادشاہ مرتضی نظام شاہ نے ناظر مملکت کا عہدہ اس کے تفویض کیا۔ اس نے کچھ دنوں مُلّا حسن نجفی سے درسی کتابوں کی تکرار کی۔ مرتضی کی وفات کے بعد کچھ دنوں حاکم برار بھی رہا۔ آخر عمر میں سورت میں گوشہ نشیں ہوگیا اور وہیں سنہ ۱۰۱۶ھ۔۱۶۰۷ء میں انتقال ہوا۔ اس کی تصانیف میں شرح گلشن راز۔ حاشیہ نفحات۔ حاشیۂ فصل الخطاب۔ شرح خطبۃ البیان۔ نفائس الارقام اور دیوان وغیرہ ہیں۔

سخاوت مرزا صاحب کو ایک قدیم دکنی بیاض میں فانی تخلص کی ایک غزل ملی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ غزل خواجہ محمد دھدار فانی ہی کی ہے۔ غزل یہ ہے:

سدا توں عشق میں فانی متا اچھ — کوندی لے ذکر کی دم سوں تہا اچھ
نکو کر کہور چھاروں مہات اپنا — رضا کے سر نکو ساں چپ ستہا اچھ
اگر بیری کو نکلیا ہے تو دل میں — سلامت تہاں کوں جاتا کھتا اچھ
کہاں لگ یوچھ بیرا پھر سکے گا — لگے گا تہاں کوں آخر جتا اچھ
بدیا کیا خوب فانی لیا ہنی کوں — نہ ندیا کوئی یہاں عالم پتا اچھ

سخاوت مرزا صاحب کو اسی بیاض میں ایک غزل ظہور تخلص کی ملی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ شاعر ظہوری کا فرزند ہے۔ ظہوری سنہ ١٥٨٠ء میں ایران سے احمد نگر آیا۔ وہاں سنہ ١٥٩٥ء تک رہا اور اسی زمانے میں اپنا مشہور ساقی نامہ برہان نظام شاہ ثانی کے نام لکھا۔ اس کی وفات کے بعد ظہوری بیجا پور آگیا اور ابراہیم عادل شاہ ثانی سے منسلک ہوگیا اور یہیں سنہ ١٦١٦ء میں ظہوری نے ملک قمی کی لڑکی سے شادی کی اور یہ شادی غالباً احمد نگر میں ہوئی۔ ملا ظہور اسی لڑکی کا لڑکا تھا۔ اس نے اپنی تالیف «محمد نامہ» میں اس نسبت کی طرف اشارہ کیا ہے:

از دو طرف وارث معنی منم　　حجت قاطع پئے دعویٰ منم
کو ملک امروز ظہوری کجاست　　فخر وجود میکنم آرے بجاست
یافتہ ام نشئہ زجام یقین　　صاف دلم صافی شعرم ببین

ملا ظہور فارسی کا بڑا انشاپرداز اور اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا۔ نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت تھی۔ اس کا دیوان تو دستیاب نہیں ہوتا مگر محمد نامہ میں اس کے ہزاروں اشعار محفوظ ہیں۔ یہ محمد نامہ جو محمد عادل شاہ (م ١٦٥٦ء) کی منظوم تاریخ ہے اور جو سلطان محمد کے حکم اور نواب مصطفےٰ خاں کے مشورہ سے سنہ ١٦٣٩ء میں لکھی جانا شروع ہوئی اس کی انشاپردازی کے کمال کی مظہر ہے۔ اس کے دو نسخے موجود ہیں۔ ایک کپورتھلہ کی لائبریری میں جس سے ایک نسخہ سر سرکار نے تیار کرایا تھا اور دوسرا مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں۔

ملا ظہور کی طرف منسوب غزل یہ ہے:

جوبن سیں سج سجا کر کچ مست ہو چلی ہے　　لنگر سو پیچھا ہور گھنگھراں کی کھلبلی ہے
ماتھے مکٹ سرک سو موے بند اندو لٹک　　زیبا علم سہی سو انچل اساولی ہے
کل بل کری کلا وہ ہاراں حمیل ماری　　تن پر تکت کی کسوت ماکھر ہو جھلجھلی ہے
ڈلتی چلے تو بجتیاں ہاراں حمیل کھاتیاں　　سو کن جھلوں سوں دہ تن اسپند ہو جلی ہے
جوبن کی آنچ دے کر جھ پر کرم کرونا　　برہے کی ٹھنڈ چر کر سب تن میں تھر تھری ہے
وہ مد کے کیچ کوں دیکھو اپنی ہیں عاشقاں پر　　سیندور لال چولا زلفاں آنکس دھری ہے
دو بین تیرے راوت میلا کریں پرم کا　　سر کاٹ عاشقاں کا تن سوں جدا کری ہے

اے شوخ بات عاقل ربا کہہ رہا ہے مشکل تکتل ظہور سوں مل یو جان دلبری ہے

محمد عادل شاہ اور علی عادل شاہ ثانی (م ۱۶۷۲ء) کے دور میں ایرانی فضلا کے دکنی کی طرف متوجہ ہونے کی زیادہ مثالیں ملتی ہیں۔ اگرچہ بعض کے ایرانی ہونے کا قطعی ثبوت نہیں ہے پھر بھی چونکہ اصلاً فارسی ہی کے شاعر تھے اس لئے ان کے ایرانی ہونے کا قیاس قوی ہے۔

آتشی۔ اس کا نام محمد امین تھا۔ شیراز کا رہنے والا تھا۔ سنہ ۱۶۲۷ء میں بیجاپور آکر محمد عادل شاہ سے منسلک ہوگیا۔ طبیب حاذق تھا چنانچہ اس کے بعض علاج بہت مشہور ہیں۔ سلطان محمد کی لڑائیوں کا حال ایک نظم میں لکھا۔ متعدد قصائد اس کے وزیر مصطفےٰ خاں کی مدح میں ہیں۔ بیجا پور ہی میں ایک مثنوی مخزن اسرار کے جواب میں معدن الافکار کے نام سے لکھی۔ اس کا کلیات جو انڈیا آفس میں محفوظ ہے ان نظموں کے علاوہ رباعیات، غزلیات اور ایک دوسری مثنوی پر مشتمل ہے۔

فتوحات عادل شاہی اور بساتین السلاطین میں اس کے حالات کسی قدر تفصیل سے بیان ہوئے ہیں مگر ان دونوں میں اس کے اُردو میں مشق کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ تاریخ احوال سلاطین بیجا پور تالیف سنہ ۱۸۰۶ء اور تاریخ گلدستۂ بیجا پور تالیف سنہ ۱۸۶۰ء میں اشارہ ہے کہ کبھی کبھی وہ اُردو میں مشق سخن کرتا تھا۔

بلبل نامی ایک دکنی شاعر نے چندر بدن اور مہیار کے قصہ کو مقیمی کے بہت بعد نظم کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس نے آتشی کی فارسی مثنوی کا ترجمہ کیا۔ آتشی کے موجودہ فارسی کلیات میں اس عنوان کی کوئی نظم نہیں۔ اس لئے اگر بلبل کی مراد آتشی شیرازی سے ہے تو یہ نظم بعد کے زمانے کی ہوگی۔ ڈاکٹر زور کا قیاس ہے کہ آتشی نے غالباً مقیمی کی نظم کو فارسی کا جامہ پہنایا ہوگا۔ بہر حال اس بات کا افسوس ہے کہ اب تک آتشی کا کوئی دکنی کلام دستیاب نہیں ہوسکا ہے۔

مقیم۔ مرزا محمد مقیم استرآباد کا باشندہ تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد ہندوستان آیا اور محمد عادل شاہ کے درباریوں میں شامل ہوگیا۔ فتوحات عادل شاہی اور بساطین میں اس کی فارسی شاعری کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ وہ اعلیٰ درجہ کا شکستہ نویس بھی تھا۔ البتہ احوال سلاطین بیجاپور اور تاریخ گلدستۂ بیجاپور میں اس کو اُردو کا شاعر بتایا

گیا ہے۔

اسی دور میں مقیمی نے چندر بدن کا قصہ دکنی زبان میں نظم کیا۔ ہمارے بعض بزرگوں نے قیاس کیا ہے کہ مرزا مقیم ہی مقیمی ہے۔ مجھے بعض وجوہ سے اس سے اختلاف تھا۔ حال ہی میں اکبر الدین صدیقی صاحب نے اسی دور کے ایک دوسرے فارسی شاعر مقیم سلمی کا تعارف کرایا ہے۔ مگر انہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ مرزا مقیم استرآبادی اور مقیم سلمی کہیں ایک تو نہیں۔ بہرحال یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مقیمی ان دونوں میں سے کوئی ہے یا الگ۔

سید نور اللہ ۔ محمد عادل شاہ اور علی عادل شاہ کے دور میں نہایت ممتاز شخصیت کا مالک تھا۔ محمد اس کو اپنے پاس سے مطلق جدا نہیں کرتا تھا۔ مظفرالدین خان محمد نے جب قلعۂ بلگنڈہ فتح کیا تو مارے خوشی کے وہ خدمت سلطانی میں جلد از جلد پہنچنا چاہتا تھا مگر فتنہ کے دوبارہ پیدا ہونے کے خوف سے اس نے بادشاہ کے پاس خط لکھا۔ بادشاہ کو فکر دامن‌گیر ہوئی کہ کہیں وہ دربار کو روانہ نہ ہوجائے۔ اس لئے اس نے سید نور اللہ کو سمجھانے کے لئے بھیجا اور ساتھ ہی ایک فرمان بھی لکھا۔ ظہور محمد نامہ میں لکھتا ہے۔

« و از فرط عواطف خسروانہ برائے مظفر الدین خان محمد تشاریف فاخر و کمر شمشیر مرصع با فرمان نصرت عنوان متضمن باین مضمون بدست معتمد کار آگاہ سید نور اللہ سپردند کہ آں سپہ سالار عرصۂ فتح و فیروزی را این معنی مبین و مبرہن است کہ سرخیل الملک سید نور اللہ معارف دستگاہ محرم سرا پردۂ اسرار جہانبانی است و مظہر الطاف سبحانی و مہبط فیوضات ربانی و ہموارہ درتجلیات ذات محمدی صفات با فر و شکوہ سرمدی پرورش یافتہ و می یابد و ہیچ گاہ از حضور موفور السرور آں سید والا نصب عالی حسب را دور بودن نہ پسندیدہ ام و بہ تحقیق بداند بشناسد کہ محض برائے تسلی پذیرفتن خاطر اخلاص گزین شما روانہ آں صوب گردانیدہ ایم ...... سید نور اللہ حقایق آگاہ را بجائے ما بینند و آنچہ ایشان بگویند بہ یقین بدانند کہ ما بہ زبان معجز بیان میگوئیم »

سید نور اللہ نے سنہ ۱۶۶۶ء میں عادل شاہ کے دور کی ایک تاریخ « تاریخ علی عادل شاہ ثانی » کے عنوان سے لکھی۔ اس کا ایک نسخہ کتاب خانۂ آصفیہ اور دوسرا

سر جادو ناتھ سرکار کے مخطوطے میں ہے۔

سید نور اللہ کے اُردو میں لکھنے کا ذکر بساتین میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ ترجمۂ تاریخ گلدستۂ بیجاپور میں یوں آیا ہے۔

"سید نور اللہ خلف استاد العلما سید محمد علی جو باوجود تحصیلات معقول و منقول کے حقیقت سے اہل سخن کے بھی کما حقہ آگاہی رکھتے تھے اور اشعار آبدار بھی گاہ گاہ فرمایا کرتے تھے جو نتائج طبع سے ان کے تاریخ عادل شاہی ہے زبان فارسی سے تاریخ شہریار علی تبار کی لکھے ہیں ..... شاہ نور اللہ و مرزا دولت شاہ و حکیم آتشی اکثر فارسی گو تھے اور ہندی شعر بھی کہتے تھے"

دولت شاہ کے حالات سے ہم زیادہ واقف نہیں۔ سوائے ان چند مقفی جملوں کے جو مرزا کی مدح میں بساتین میں ہیں۔

"باوجود فن شاعری صلاح و تقواش در ان مرتبه که سجادۂ صفحه را تا از آب کوثر و نسیم بہاری نمیسازد خامۂ شب زنده دارش سر به سجود نمینهد...."

اور تاریخ گلدستۂ بیجاپور کی عبارت نقل ہوچکی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اردو میں بھی لکھتا تھا۔

محمد عادل شاہ کے عہد میں ایک دکھنی گو شاعر دولت نے امین کی مثنوی بہرام و بانوے حسن کو سنہ ۱۶۴۱ء میں تمام کیا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ فارسی کا یہی دولت دکنی کا بھی شاعر ہوگا۔ ہمیں ان لوگوں کے بیان پر تعجب ہوتا ہے جو مرزا مقیم کو چندر بدن او مہیار کے ناظم مقیمی کے مماثل تو قرار دیتے ہیں مگر دولت شاہ اور تکملۂ بہرام و بانوے حسن کے مولف کو ایک قرار دینے کے متعلق خاموش ہیں حالانکہ دونوں صورتوں میں ایک ہی قسم کا قرینہ ہے۔ بہرحال اگر دولت، دولت شاہ کے علاوہ کوئی اور موبد ہے تو فی الحال آخر الذکر کے اردو کلام سے ہم واقف ہیں۔

ابراهیم خان صنعتی بھی فارسی کا بڑے درجے کا شاعر تھا۔ بساتین میں تمام معاصرین سے اس کی زیادہ تعریف کی گئی ہے۔ اس شاعر کے قصاید و غزلیات مولف بساتین کے پیش نظر تھے۔ معلوم ہوتا ہے اس نے مخزن اسرار کا بھی جواب لکھا تھا۔ اس دور کے ایک شاعر صنعتی نے تمیم انصاری کے قصے کو قصۂ بینظیر کے عنوان سے نظم کیا تھا۔ ڈاکٹر زور اور نصیر الدین ہاشمی وغیرہ نے اس مولف اور ابراهیم

صنعتی کو ایک قرار دیا ہے ۔ اسی مصنف کی ایک دوسری دکنی کتاب مثنوی گلدستہ کے متعلق محترمی سید نجیب اشرف ندوی صاحب نے رسالۂ سب رس میں روشنی ڈالی ہے مگر شمس‌اللہ قادری نے اس مثنوی کا نام گلدستۂ عشق بتایا ہے اور صنعتی تخلص کے کسی بعد کے شاعر کے نام منسوب کیا ہے ۔ سخاوت مرزا صاحب نے قادری کے بیان کی تائید کی ہے۔

آخر میں ایک ایرانی شاعر والہ موسوی کے ذکر پر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے ۔ وہ مثنوی «طالب و موہنی» کا مصنف ہے جو سنہ ۱۷٤۷ء میں حیدرآباد میں مکمل ہوئی ۔ حال ہی میں ڈاکٹر زور صاحب نے ایک طویل مقدمے کے ساتھ اس کو شائع کر دیا ہے۔

والہ موسوی کا سلسلۂ نسب سید رضی مرتب نہج البلاغت (۹٦۹ء) تک پہنچتا ہے ۔ والہ اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنے وطن قم سے نکلا ۔ لاہور ہوتا ہوا دلی آیا اور شاہی منصب داروں میں جگہ ملی ۔ نظام الملک آصف جاہ کے ساتھ سنہ ۱۷۲۵ء میں حیدرآباد پہنچا اور یہیں شادی کی ۔ آخر میں ۲۸ سال کرناٹک میں معزز عہدے پر مامور رہا اور وہیں سنہ ۱۷۷۰ء میں وفات پائی ۔ آندھرا پردیش کے وزیر حالیہ مہدی نواز جنگ والہ کی اولاد میں ہیں۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض ہوا ہے نہ وہ اس لحاظ سے جامع ہے کہ ان مصنفین کے علاوہ کسی دوسرے غیر ملکی مصنف نے اردو میں کچھ نہیں لکھا اور نہ اس لحاظ سے کامل ہے کہ جن شاعروں کا تعارف ہوا ہے وہ یقیناً غیر ملکی ہی تھے اور جو کچھ ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ قطعی ہے ۔ دراصل اردو کی ابتدائی تاریخ بہت زیادہ محتاط تحقیق ہے اور جب تک پوری طرح تحقیق نہ ہوجائے کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔

٭ ٭ ٭

جناب سخاوت مرزا، بی۔ اے۔ ال ال بی۔ عثمانیہ

مثنوی تحفۂ اعظم، مصنفہ غلام علی کوکنی

اردو شاعری کا آغاز دکن سے ہوا اور صدیوں عادل شاہی و قطب شاہی سلاطین دکن کے گودوں میں پلی اور پروان چڑھی جس طرح شمالی ہند میں بڑے بڑے شعرا، اہل زبان ہوئے اور زبان اردو کو خراد پر چڑھایا، اسی طرح دکن کے شعرا نے بھی اس کو ترقی دینے، قدیم الفاظ کو ترک کرنے، سلیس اور با محاورہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، جنوبی ہندوستان کے ہر صوبہ نے خواہ وہ دکن ہو یا اسکے مشرقی و مغربی صوبے، یہاں کے متاخر سلاطین اور امراء نے بھی اردو زبان کی بڑی سرپرستی کی ہے۔ دکن کے بعض شعراء اور اہل کمال نے اپنی نغمہ سنجی اور زباں دانی میں شمالی ہند کے مشہور اساتذۂ سخن مثلاً میر و سودا، درد، جرات، اثر، میر حسن لکھنوی سے ٹکر لی ہے مگر افلاس کی نکبت نے ان کو ابھرنے نہ دیا، جن میں سے ایک قاضی غلام علی مہری المتخلص بہ علی ہیں، جو بمبئی کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ایک اچھی مثنوی حسنہ لقا و ہمایون مزاج الموسوم بہ تحفہ اعظم کہی تھی اور اس کو نواب آرکاٹ والا جاہ غلام غوث خان المتخلص بہ اعظم کے ملاحظہ میں پیش کیا تھا۔ بلحاظ زبان ہم کو خیال تھا کہ شاید یہ شمالی ہند کے شاعر ہوں اور مدراس میں سکونت اختیار کرلی ہو۔ مگر حسن اتفاق سے تذکرہ مخزن شعراء، مؤلفہ نور الدین حسین خان فائق کے مطالعہ سے جو زیادہ تر گجرات، بمبئی، سورت، کھمبات کے شعراء کے حالات پر مشتمل ہے۔ پتہ چلا کہ یہ بمبئی کے رہنے والے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ فائق مرحوم نے یہ تذکرہ لکھ کر جنوب مغربی ہندوستان کے اردو شعراء اہل کمال کو روشناس کرایا ورنہ تاریخ ادب اردو میں بڑی کمی رہ جاتی۔ افسوس ہے کہ مدراس کے اردو شعراء کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، بہ نسبت مدراس کے اہل بمبئی کا یہ کارنامہ بلحاظ صفائی زبان و محاورہ بندی بمقابلہ عمدۃ الامراء ممتاز و مستقیم جنگ نامی، اور باقر آگاہ شاندار ہے۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علی کوکنی نے سحر البیان مولفہ میر حسن کا جواب دیا ہے۔ اور دکن کی مثنویوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتی ہے۔ غرض ہم کو مخزن شعراء میں علی کے حالات ملے اور یہ پڑھ کر نہایت ملال ہوا کہ علی کوکنی

کو والا جاہ کے دربار سے جگر کاوی کا جو کچھ صلہ ملا تھا اس کو رہزنوں نے لوٹ لیا۔ اس سے زیادہ بدنصیبی ایک بیکس شاعر کے لئے اور کیا ہوسکتی ہے اور یہ دیکھ کر اور افسوس ہوتا ہے کہ اس مثنوی سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اگرچہ کہ یہ دو مرتبہ طبع ہوچکی ہے۔ مگر تاریخ ادب اردو کے جدید لکھنے والوں نے اس کا ذکر ابھی تک نہیں کیا ہے۔ اس لئے ہم یہاں اس مثنوی پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ فائق نے مخزن شعراء میں علی کا اس طرح تعارف کرایا ہے۔

> «علی تخلص۔ شیخ علی ملقب بمہری، متوطن بمبئی است، واز مشاہیر شعراء آنجاست، مسموع شدہ کہ یک قصۂ عشقیہ بنام نواب مدراج موزوں کردہ، مہری موصوف از بیمہری گردون دون آنچہ صلہ و انعام کہ یافتہ بود در راہ قطاع الطریقاں بدو دو چار شد، و آں ہمہ بدیشاں تواضع نمود، در فارسی ہم سرے رند من افکاراتہ»

مرا جلتا ہے جی اس بلبل بیکس کی تربت پر کہ گل کے آسرے پریوں لٹایا آشیاں اپنا

گویا شیخ علی مہری بمبئی کے رہنے والے تھے اور قاضیوں کے معزز خاندان سے تھے۔ مثنوی کی داخلی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علی کو فارسی پر بڑا عبور تھا، فن عروض و موسیقی کے بھی ماہر تھے، بلحاظ مذہب اہل تسن تھے شاعری میں تلمـــذ کے متعلق کوئی پتہ نہیں چلا، فائق اور آپکے بھانجہ و شاگرد قاضی ابراھیم خطیب نے بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ کلام میں پختگی ہے۔ زبان با محاورہ و شستہ ہے البـــہ کسی قدر فارسی کا اثر ہے۔ ممکن ہے کہ کسی اہل زبان سے علی مہری نے التفات کیا ہو۔

علی مہری کے معاصرین میں خوشتر (نواھیر) نے آتش و ناسخ کی صحبت پائی اور میاں سمجھو نے ذوق اور غالب سے استفادہ کیا، اور اس نواح میں نواب ابراھیم خاں المتخلص بہ محب والی سچین اپنے مکان میں محفل مشاعرہ منعقد کیا کرتے تھے۔ جس میں بقول قاضی نور الدین فائق مرحوم، خوشتر، میاں سمجھو، حافظ داود دلکش سیدو میاں، وغیرہ شریک رہا کرتے تھے۔ غرض علی بھی انہیں اہل کمال کے معاصر تھے نیز مہری کے تعلقات، حکیم محمد اشرف کاندھلوی (کاندھلہ مضافات دہلی) سے بھی تھے، چنانچہ مہری نے حکیم صاحب مرحوم کی مثنوی یوسف زلیخا، الموسوم بہ

تفسیر سورہ یوسف تالیف ۱۲۷۳ ھ. مطبوعہ سنہ ۱۲۷٤ ھ کا قطعہ تاریخ کہا تھا جو یہ ہے

ہوئی مطبوع تفسیر میر سورۂ یوسف — ہے جسمیں ذکر حسن و حشمت موفورۂ یوسف
نگاہیں شاہد مضمون پہ اس صورت سے ہیں شیدا — تھے اہل مصر جس صورت سے محو صورۂ یوسف
کہیں عشق زلیخا ہے کہیں مہر دل یعقوب — کہیں یکتا بیاں حسن نا محصورۂ یوسف
یہ پایا بلبل طبع علی نے جو کوئی تاریخ — رقم زد در سواد قصۂ مسطورۂ یوسف
اچانک ، وار شاخ حیرت سر برانو رکھ — کہا ہاتف نے تفسیر بدیع سورۂ یوسف

۱۲۷۳ ھ۔

وفات: قاضی صاحب نے سنہ ۱۲۹٦ ھ میں وفات پائی۔ ایک شاعر المتخلص بہ فرحت نے قطعہ وفات کہا تھا، « علام علی مداح نبی »۱۲۹٦، مادۂ تاریخ وفات ہے جو علی کی ایک اور تصنیف مصباح المجالس مطبوعہ کے آخری صفحہ پر درج ہے۔

تصنیفات: ایک مثنوی « مصباح المجالس » (تصنیف ۱۲٤٤ ھ) آپ سے منسوب ہے۔ جو فن سیرت میں ہے اور غالباً عروس المجالس مصنفۂ قاسم علی مہری کی تتبع میں لکھی گئی تھی۔ جس کے تقریبا ساڑھے سات ہزار اشعار ہیں۔ چونکہ اس میں بعض الفاظ دکھنی کے بھی استعمال کئے گئے ہیں مثلاً « پہ » کو « پو » سے کو « سوں »۔ مگر ان کی مثنوی زیر تبصرہ تحفۂ اعظم الموسوم بہ « خجستہ لقا » میں ایسے الفاظ متروک ہیں۔ جو اول الذکر کے اٹھارہ سال بعد سنہ ۱۲٦۲ ھ میں لکھی گئی ہے۔ غور طلب ہے۔ یا ممکن ہے متروک کردئیے ہوں اور اجتہاد سے کام لیا ہو۔ اور یہ سب سے پہلی تصنیف ہو۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ بمبئی (مطبع محمدی) سنہ ۱۳۰۹ ھ۔ میری نظر سے گزرا تھا۔ اور قلمی نسخہ مکتوبہ سنہ ۱۲۷٤ ھ مولوی عمر الیافعی کے کتبخانہ میں محفوظ ہے۔ مصباح المجالس کے دو نسخے انجمن ترقی اردو ہند علیگڈھ میں بھی ہیں۔ فہرست مطبوعہ انجمن مذکور مندرجہ اردو ادب مارچ سنہ ۱۹۵۳ع میں مصنف کا نام « علی، خوشدل » اور سنہ تصنیف سنہ ۱۲٤٤ ھ درج ہے۔ دوسرے نسخہ کا سنہ کتابت سنہ ۱۲۷۲ ھ ہے۔ اس لئے تحقیق طلب ہے کہ در اصل اس کا مصنف کوئی اور شاعر « خوشدل » ہے یا علی مہری؟ اس لئے اس کو قطعی طور پر علی مہری کی تصنیف قرار دینے میں غور کرنا ہوگا۔ فایق نے بھی اپنے تذکرہ میں صرف مثنوی تحفہ اعظم ہی کا اشارہ کیا ہے جو نواب آرکاٹ (مدراس) کے لئے کہی گئی تھی۔

مثنوی تحفۂ اعظم: اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ کتبخانہ جامعۂ عثمانیہ میں ہے۔ مصنف کا نام و تخلص درج نہیں۔ البتہ متن سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ وہی مثنوی تحفہ اعظم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قلمی نسخے خاندان والا جاہی میں موجود تھے، اور بیگمات والا جاہی اس کو شوق سے پڑھا کرتی تھیں۔ چنانچہ اثیمہ ست نواب نجف علی خان داماد محمد علی خان والا جاہ نے اپنی مثنوی گلشن مہو شاں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ نواب غلام غوث خان والا جاہ سنہ ۱۲۴۱ - ۱۲۷۳ھ کے ملاحظہ میں ہدیۃً پیش کی گئی تھی اور والا جاہ کے دربار سے علی کو معقول صلہ یعنی سات سو روپیہ نقد اور دوشالہ ملا تھا۔ جس کا اشارہ علی نے اس طرح کیا ہے۔

یہ ممدوح کی اس کے توصیف ہے   کہ یک دن دوشالے دئے، سات سے

چونکہ یہ مثنوی پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۶۲ھ مطابق سنہ ۱۸۴۶ ع میں بمبئی میں بحیات مصنف طبع ہوئی تھی اس لئے یہ در اصل سنہ ۱۲۶۱ھ میں تصنیف ہوئی اور نواب والا جاہ اعظم کے ملاحظہ میں پیش کی گئی۔ مطبوعہ نسخہ میں تاریخی مادوں کا سنہ ۱۲۶۲ھ غلط ہے اس لئے کہ ان مادوں کے اعداد ۱۲۶۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر ہم ذیل میں کرینگے۔

ترقیمہ: مولفۂ اضعف العباد الصمد ألباری قاضی غلام علی مہری المتخلص بہ علی ساکن بندر معمور بمبئی۔

تحریر مہتمم و مرتب:

« دریںولا، حسب خواہش شایقین ہمایون تبار و راغبان خجستہ اطوار سدۂ درگاہ مجیب قاضی محمد ابراہیم خطیب کہ نسبت خواہرزادگی و شاگردی از مؤلف موصوف میدارد این مثنوی را در مطبع فضل الدین کھمکر در سنہ ۱۲۶۲ ہجریہ مطابق سنہ ۱۸۳۴ عیسویہ بہ لباس طبع پوشانید » ۔

جملہ صفحات ۱۵۴ ۔ مسطر ۱۵۔ ابیات تقریبا ڈھائی ہزار۔

تاریخی قطعات: شد آویزہ ناگہ بگوش مراد   فلک گفت « منظور نواب باد »

ولہ: یہ تاریخ اردو میں رنگین ہے   یہی خانۂ لعبت چین ہے

محمد حسین کھٹکھٹے کا قطعہ یہ ہے۔

بنا گلدستہ جب یہ خوب و دلخواہ   کہا ہر ایک نے اس کو دیکھ واہ واہ

تب آیا جوش دل سے بر زمان رود یہ لاثانی ہوئی ہے مثنوی واہ
۱۲۶۱ ھ

ایک دوسرا نسخہ مطبوعہ مطبع مصطفائی، اقصر الاحر کتبخانہ آصفیہ میں ہے۔ اس نسخہ میں مثنوی کا نام «حجستہ لقا» درج ہے۔ اور یہ نواب مقبول الدولہ محمد مہدی علی خان بہادر ثابت جنگ لکھنوی المتخلص بہ قبول تلمید ناسخ کے اہتمام سے مطبع مصطفائی میں چھپی اور سلطان المطابع سے شایع ہوئی۔ جملہ صفحات ۵۲ مسطر ٤٦ بیت فی صفحہ۔ اس طرح اس نسخہ کے تقریبا ۲۳۹۲ ابیات ہیں۔

مثنوی سحر البیان مصنفہ میر حسن کے جواب میں بڑے بڑے اساتذہ نے زور مارا ہے، مثلا میاں مصحفی نے مثنوی بحر المحبت، جرأت لکھنوی نے مثنوی کارستان الفت، حسن و عشق، اور میاں سعادت یار خان رنگین نے قصۂ بینظیر، اور پنڈت دیا شنکر نسیم تلمیــــذ آتش نے گلزار نسیم اور آفتاب الدولہ قلق نے مثنوی طاسم الفت اور صغیر علی مروت نے مثنوی «...رجعفری» لکھی ہے۔ مگر دکن میں جنہوں نے میر حسن کی سحر البیان کا جواب لکھا ہے اُن میں جہاں تک ہمکو پتہ چلا ہے ایک تو صاحب زیر تذکرہ غلام علی مہری ہیں، اور دوسری ایک عورت بیبی والا جاہ (مدراس) المتخلص بہ انیمہ ہے۔ مگر مہری کی زبان شستہ، بامحاورہ۔ لطیف تشبیہات و استعارات سے مملو ہے۔ مناظر باغ و بہار، معشوق کا سراپا، خوب بیان کیا ہے جو میر حسن سے کم نہیں مگر ہماری رائے یہ ہے کہ اس من بمقابلہ میر حسن، فارسی کا عنصر غالب ہے۔ علی کوکنی نے بھی میر حسن کی طرح اپنی جگر کاوی کا اظہار اور یہ دعوی کیا ہے کہ میری مثنوی سحر البیــان سے زیادہ فصیح ہے۔ مثلا میر حسن:

بس عمر کی اس کہانی میں صرف	تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
جوانی میں جب ہوگیا ہوں میں پیر	تب ایسے ہوئے ہیں سخن بینظیر

علی کوکنی:

میں اس اہل کوکن کا استاد ہوں	سدا کوہکن مثل فرہـاد ہوں
کئی میں نے حمارا تراشی یہاں	ہر یک بات میں معر پاشی یہاں
خراب اور حستہ زیا جان سے	تب ایسے یہ نکلے گہر کان سے
وہی جانیں جو اہل انصاف ہوں	سدا موشگاف اور شعر باف ہوں
نہ باید مشوخی سر افراختن	بہانے حرف را گراں ساختن

اگرچه نه از ناظم دہلوی فصاحت میں افصح ہے یه مثنوی
په ممدوح میرا وه کشور ستاں که اسم عُلا جس کا ہے غوث خاں

صاحب مخزن شعراء گجرات، اہل دکن پر نکته چینی کو نظر انداز کرنے کے متعلق فرماتے ہیں
«چشم از استادان دہلی و لکھنؤ وغیرہ این که اگر دریں صیدگاہ از عین انصاف در محاورۂ شعراء گجرات پالعری بیند آهو گیری نکند وہمچو قلم انگشت بر حرف ایشاں نه ہند و نیز بر توارد مضامین احتمال سرقه نفرمایند، بجهت آنکه دواوین و اشعار اساتذه آنجا ما بر بُعد مسافت تمامی تا اینجامی رسند»

علی کے کلام پر سرقه کا گماں تو نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کے علی ایک قادرالکلام شاعر ہے۔ البته یه ضرور ہے که علی کے پیش نظر مثنوی سحرالبیان رہی ہے جسکو بموجب سطور بالا اپنی مثنوی سے بہتر نہیں سمجھتا نیز معشوق کی ایک جگه تعریف کرتے ہوئے یه بھی اشارہ کیا ہے۔

سرہاہے طلا کار رشک چمن دہری خوشنما مثنوی حسن
نه کچھ مثنوی حسن پر تھا حن که اسمیں مراحیں ہیں اور دل لگی
یعنی فراق میں تو سراپا درد ہونا چاہئیے وہاں مراح کو جگه کہاں۔

غرض علی نے اپنی مثنوی کو بلحاظ فصاحت و بلاغت سحرالبیان پر فوقیت دی ہے اور ہماری رائے میں بلحاظ واقعه نگاری، تسلسل مضامین، لطیف تشبیہات و استعارات و اشارات و کنایات و شستگی زبان و محاورہ بندی، بمبئی (گجرات) جیسے دور دراز مقام کی، قطع نظر بعض زباں کی لغرشوں کے، یه ایک بہترین مثنوی ہے اور اسکی کد و کاوش و جگر کاوی لایق داد ہے۔ اہل زبان نے بھی اسکو اچھی نظر سے دیکھا ہے چنانچه کپتان مہدی خاں قبول لکھنوی وزیر ثریا جاہ اودھ نے اسکو مکرر طبع مصطفائی (لکھنؤ ؟) میں چھپوایا تھا۔

مثنوی تحفۂ اعظم :—

مثنوی تحفۂ اعظم ۲۹ ابواب پر مشتمل ہے جن میں سے ایک باب مثنوی کے نواب والا جاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے متعلق ہے اور دوسرا تاریخی قطعه مثنوی پر ہے۔

(۱) حمد . . . . ۱۳ بیت

مراج کو ساتھ لانے میں • • • ۱۰۴ بیت
(۲۲) جادوئے ہند کا ہمایوں مراج کے ساتھ خجستہ لقا کی ملاقات کرانے میں ۱۱۰ ،،
(۲۳) خجستہ لقا کا ہمایوں مزاج کے ساتھ وصال ہونے میں • • ۱۱۸ ،،
(۲۴) خجستہ لقا کی ماں زہرہ جبیں کا دونوں کو وصال کے حال میں دیکھنے
اور ہمایوں مراج کو افسوں پڑھکے اُڑانے اور خجستہ لقا کو قید کرنے میں ۱۲۱ ،،
(۲۵) ہمایوں مراج کا دریائے مواج سے جنگل کے کنارے پر پہنچ کر بھٹکنے میں ۱۲۶ ،،
(۲۶) ہمایوں مراج کا کسی فقیر روشن ضمیر کے باغ کی سمت پہنچنے میں ۱۳۱ ،،
(۲۷) ہمایوں مزاج کا فقیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضر ہونے اور اس کے
وسیلے سے دونوں کی شادی ہونے میں • • • ۱۳۳ ،،
(۲۸) ہمایوں مراج کا خجستہ لقا کے ساتھ عیش کرنے اور جادوئے ہند کو بلوانے میں ۱۴۵ ،،
(۲۹) ہمایوں مراج کا خجستہ لقا کو ساتھ لے کر اپنے والدین کی خدمت میں آنے
اور نئے سرے سے پھر ان کی شادی ہونے اور عیش و عشرت کرنے میں ۱۴۸ ،،
(۳۰) یہ مثنوی مصنف کی طرف سے نواب کے منظور نظر ہونے میں
(۳۱) مثنوی کی تاریخوں میں

مثنوی کا نام : ہوالعزیز، مثنوی ہمایوں مراج و خجستہ لقا المسمیٰ تحفۂ اعظم »
تمہید :

طرفہ این نامہ کہ محسود بہار چمن است عطر پروردہ ہم از بوئے خوشش احسن است
باغی از سنبل و نسرین و گل یاسمن است تازہ از زخم دل و اشک تر و خون من است

خلاصہ وجہ تسمیہ چناں ست کہ این گلدستۂ چمن و ہدیہ انجمن را موسوم
بتحفۂ اعظم نمودہ بر سبیل تحایف دعا و بر سبیل وظایف ثنا
« بپارگاہ سلیمان جاہ بندگان عالی جناب نواب اعظم، اعظم الامراء والا جاہ
امیر الهند مختار الملک سراج الدولہ محمد غوث خان بہادر، بہادر جنگ نواب
دارالعلم مدراس المتخلص بہ اعظم، اعظم اللہ تعالیٰ شانہ و اتم علیہ نوالہ
و احسانہ گزرانید »

نام مؤلف : مؤلفۂ اضعف العباد اللہ الصمد الباری قاضی غلام علی مہری المتخلص بہ علی ساکن
معمورہ بمبئی

تعریف سخن :

پلا ساقیا مے جو بے مول ہو ہمیشہ جواہر کے ہم تول ہو
کھلے جس کے پینے سے باب سخن جہاں تاب ہو آفتاب سخن
سخن مطلع صبح جاوید ہے سخن مشرق مہر اُمید ہے
سخن کا ہے ہت سبز تر لالہ زار سخن کا ہے گلشن ہمیشہ بہار

مدح نواب غوث خاں والئی ارکاٹ

عنوان : از انقلاب چرخ امان یافت ہر غریب ور ظل غوث خان بہادر ہما بہاد
امیر جہان بخش والا جناب کہ نواب اعظم ہے جس کا خطاب
مہ آسمان مہر گیتی پناہ فلک احتشام و ملک بارگاہ
خد یو ولک جم سپہ سالار ملک ندیم شہنشاہ مختار ملک
سراج دول مسند آرائے ہند وزیر جہان فخر امرائے ہند
جوان و جوان بخت آفاق گیر خداوند حشمت امیر کبیر
امیر سلاطین ذی اقتدار عیان سایۂ لطف پروردگار
بہار گلستان انصاف و داد چراغ شبستان اہل مراد
جہان پرور و کامکار جہان در افسر افتخار جہان

مجسم ہوا اس کا جس دم وجود تھا پانی کے بدلے وہاں محر جود
کرم سے ہو ضع کون جو پذیر کہ ہے جود و انعام اس کا خمیر
کروں اس کی بخشش کہاں تک رقم ہے حاتم کا دل جس کے زیر قدم
عطا دیکھ جس کی ہو گریاں سحاب پھرے فرق دریا پہ خجلت کا آب
نظر آوے ہمت کا اس کی جو اوج رہے سر بگرداب حیرت سے موج
کرے گر نظر سرِ نگاہ کرم طلا پشت ماہی کے ہوں سب درم

ولادت خجستہ اقتباء :

عنوان : مہ پارۂ ز مطلع اُمید شد طلوع نامش پدر ملطف خجستہ لقا نہاد
پلا ساقیا مے نیسانئے گل کہ عشرت کا دور آکے پہنچا ہے کل

بجاتی ہے زہرہ فلک پر رباب　　وہ نکلے ہے اب برج سے مہتاب
یہ سنیئے کہ نُہ ماہ گزرے وہیں　　ہوی شہ کے گھر ایک لڑکی حسیں
عجب ماہ رخسار پیدا ہوئی　　ہر یک حور دیکھ اس کو شیدا ہوئی
خجستہ وہ صورت نظر کر تمام　　رکھا ہے خجستہ لقا سب نے نام
وہیں نذر گزرانیاں سب نے جا　　کیا عرض اے سایۂ کبریا
مبارک وہ فرزند ہو نیک ذات　　کہ ہے باقیات ازل صالحات
یہ سن مژدہ شہ نے باقبال و بخت　　رکھا سر بہ سجدہ بالائے تخت
پھر اس بعد کر لب سے گوہر نثار　　کہا لا نحا شکر پروردگار
نہ پیدا ہوا گرچہ فرزند نر　　پہ آباد میرا ہوا ہے یہ گھر
ہوا اس سے روشن چراغ سرور　　میرے دیدۂ دل نے پایا ہے نور
الٰہی اسے کر تو عالی تمیز　　پسر سے ہے مجھ کو یہ دختر عزیز
ایں نذریں خزانے کے کر بار بار　　کیا سب کو انعام دے سرفراز
وہیں اہلکاروں کو فرما دیا　　کہ آراستہ ہوئے دولت سرا
بچھیں فرش و قالین تا بار عام　　ہوا سار ہو جاویں حاضر تمام
تمامی کے برپا کریں سایہ بان　　ستونِ طلای پہ یکسر وہاں
جو اسباب عشرت کا درکار ہو　　سبھی بے کم و کاست تیار ہو
لیے نذریں اسی دم صغیر و کبیر　　ہوئے رونق افزائے پائے سریر

خجستہ لقا کی نوجوانی کا عالم:

کروں کیا بیاں نوجوانی کا حال　　ہوا ہے نمک ریز صبح جمال
وہ بارہ برس کا سن و سال تھا　　کہ کان نمک اس سے پامال تھا
جوانی کا عالم وہ قامت کا رنگ　　وہ چہرے پہ صبح قیامت کا رنگ
کیا اس کے جلوہ نے برپا شور　　رہا ہو کے سرگرم طوفان تنور
کرشمے، ادا، اور انداز سب　　ہوئے سر بسر فتنہ پرداز سب
کیا اس کے انوار تن نے غضب　　کیا ہے ہر یک بانکپن نے غضب
وہ آفت کی چنگاری سچ مچ بنی　　شرر بار و آتش فگن کچھ بنی
وہ شوخی، غرور اور طنازیاں　　لگیں کرنے خانہ براندازیاں

سراپا :

سراپا کی اس کے کروں کیا بیاں — کہ حیرت سے شق ہے قلم کی زباں
لٹیں جوں زلفوں سے حسنوں سے ابیچ — دلوں پر پڑا ہے الجھنے سے پیچ
جبیں ایک آئینہ تھا جلوہ گر — رخ دلبری جس میں آوے نظر
وہ آنکھوں کا عالم تھا جادو فریب — تھا نظروں تلے جن کے صبر و شکیب
مژہ پر دو، جانب سے اٹھیں پلٹ — دیا ہے انہوں نے صفوں کو اُلٹ
نگاہوں کی تھا وہ کافر وشی — بھریں مردمک ہر مردم کشی
یہ جوڑ ہیں یہ کیوں بنی جوی کے ساتھ — کھینچی ایک شمشیر ہے اس کے ہاتھ
چھپی ابر میں دیکھ ابرو، دھنک — رہا سر بسجدہ ہلال فلک
صفائی میں رخسار تھے جلوہ گر — نہ عکس صفا جس میں آوے نظر
وہ مسی کا عالم وہ گلرنگ تر — پڑا عکس سلم کا یاقوت پر
ساص گلو مطلع صبح دم — قیامت سی ڈوری وہ گردن کی خم
رس سا عدو بازو شانے تلے — تھے میزان الماس کے سب تُلے
حنائی وہ کف اور حنائی وہ ہاتھ — ہو پنجہ کش آفتاب ان کے ساتھ
کہے کوئی کیا انگلیوں کا کمال — کہ دس بدر ہیں جس میں اور دس ہلال
نہ سینہ وہ سرچشمۂ نور تھا — فروزندۂ شعلۂ طور تھا
حقیقت نہ لکھ سحر شفاف کی — ہے کشتی کھڑی جس طرف ناف کی
وہ زانو کا تختہ جہاں آئینہ — کرے کام ہی کیا وہاں آئینہ
علم حسن کہ دیکھ بالائے ساق — ہیں حیرت سے پا برہوا نہ رواق
قدم کی ہے نازک تری کا یہ حال — رخ گل پہ چلنے سے ہوتے ہیں لال
وہ آفت کا شعلہ سراپا وجود — کرے فتنۂ دہر جس کو سجود

جادوے ہند کا خجستہ لقا کے پاس آنا۔ طرز میر حسن۔

وہ آنے لگی دلربا اس طرح — چمن سیر ہووے صبا جس طرح
ادا سے قدم کو بڑھاتی ہوئی — نزاکت متانت دکھاتی ہوئی
لچک اور مٹک کی نوادر وہ چال — وہ گھنگرو کی جھنکار کڑیوں کی تال

خجستہ لقا اور باغ کی سیر:

نگہ بیم مست اس کی پہنچی جدھر جھکی شاخ مستانہ وش ہو اُدھر
پیا جام لالہ نے مدہوش ہو رہی ارغواں خود فراموش ہو
کیا یاسمیں نے گریباں چاک گئی سوسن لوٹ بر روئے خاک
وہ شاخوں پہ سوسن تھی بیجاں سی کھڑی تھی یہ نرگس پہ حیراں سی
غرض تھا وہ طرفہ یک عالم وہاں تھا باغ اس سے مخمور ہر دم وہاں
خراماں ہوئی ہے وہ مہوش جدھر گرے پھول مستانہ وش ہو ادھر

غرض ٹہلتی ہوئی جادوئے ہند کے پاس آئی تو دیکھا کہ ایک کاغذ کا پرچہ لئے ہوئے بیٹھی ہے، تو حسنہ لقا چپکے سے اس کے پیچھے جا پہنچی، تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ کس خیال میں محو ہے تو کیا دیکھا کہ

ہے کس شئے پہ موروود اسکا خیال کہ بیٹھی ہے اس طور سے مست حال
غرض اس دل آرام کو ناگہاں قضا و قدر لیکے آئے وہاں
قریب اس کے جب آئی یہ رشک ماہ پڑی ایک تصویر پر جا نگاہ
عجب روئے کاغذ پہ صورت پذیر تھا نقشہ کسی مہر کا بے نظیر
زہے حسن نور سرافروختہ قمر اس کے شعلے سے تھا سوختہ
عیاں اس کی صورت میں معنی کی بو لکھا جیسے کاغذ پہ تھا نقش ہو
و یا لے دبیر ازل نے قلم گئی حسن کی ایک آیت رقم
وہ تشبیہ تھی یک دل آرام کی کسی نوجوان گل اندام کی

عورت کا عشق مرد سے: حسنہ لقا تصویر کو دیکھ کر اس کے عشق میں چپکے چپکے رویا کرتی تھی

وہ تصویر پر پیار کی کر نظر خطاب اس سے کرتی تھی یوں تا سحر
اے غارت گر صبر و آرام جاں انیس دل و مونس ناتواں
کیا تو نے غارت مرا دیں و دل تو سنگدل ایک دم مجھ سے مل
ذرا ساتھ بیٹھ اور ہمدوش ہو بغل کھول مجھ سے ہم آغوش ہو
کہاں تک تری کج نگاہی سہوں ترے سامنے غم سے روتی رہوں

حالت فراق کا نقشہ میر حسن سے کم نہیں:

کہا کس نے بی بی ہے خاصہ دہرا تو کہنا نہیں مجھکو اب اشتہا
ذرا دیکھ سیر چمن آؤں گی جو حاضر ہے رکھدو میں پھر کھاؤنگی

کوئی لیکے آیا جو گاہے کو بین | تو رکھوانا پردوں کی ہو نکتہ چیں
جو گھبرایا دل پھر تو روبے چلی | کیا سب نے معلوم سونے چلی
کبھی بیٹھنا لے بیاض شگرف | گماں یہ کہ پڑھنے میں ہے دھیان صرف
دلوں کے ولے کھول رہیے ورق | وہی عشق کا یاد کرنا سبق
غزل حسب حال اپنے پڑھنا وورد | لے دیواں سودا اور اشعار درد
یہ کچھ مثنوی حسن بے تھا جی | کہ اس میں مزاحیں ہیں اور دل‌لگی
اگر جی میں آیا تو از بےدلی | یہ دو چار پڑھ لینا شعر علی

ہمایوں مزاج کا سراپا: دلکش تشبیہات :

گریباں سے تاباں وہ تکمے کا نور | تھا مطلع سے نجم فلک کا ظہور
جواہر کی کلغی وہ سورج کا دل | وہ موتی کے لٹکن سے پرویں خجل
متاع جوانی ترازو نشیں | عدو نورتن کے دو بازو نشیں
وہ بالا ثریا نمط برق وش | کواکب کو دیکھ اس پہ آجاوے غش

جادوے ہند، خجستہ لقا کو ہمایوں مزاج سے ملادیتی ہے اور خود بہانہ کرکے چلی جاتی ہے اس میں فارسی و عربی خوبصورت ترکیبیں لاجواب ہیں۔

اُٹھا درمیاں سے وہ پردہ شتاب | کیا دور فرقت کا اس نے حجاب
وہ پردے کے اُٹھتے ہی یکبار وہاں | یہ قدرت کے نکھرے ہیں انوار وہاں
دو دریائے اُلفت دو مست از شراب | دو بیتاب یعنی مہ و آفتاب
رس بے ملائے ہوئے دو بدو | وہ مشکل کے عقدے کھلے دوبدو
ذرا دیکھ یہ صنعت کردگار | کہ تکمے کے ہیں اوٹ سب کوہسار
ہو فضل اوس کا جو بین الیدیں | ہے تکا وہاں دوری مشرقین
غرض وہ پری پر دو مشتاق کو | ملا کشتۂ تیغ آفاق کو
پھر اس بعد اس ماہ کا تھام ہاتھ | بہ پہلو بٹھا دو عریبوں کو ساتھ
بہانے سے باہر وہ رخصت ہوئی | تہی غیر سے بزم اُلفت ہوئی

خجستہ لقا کی شادی کا سماں:

عنواں :

آں ہر دو دست کرد حمائل بگردنش | این در کنار دولت بے انتہا نہاد

پلا ساقیا بادۂ خوش گوار — نشہ جسکا دکھلادے طرفہ بہار
نئی کیفیت عشرت انگیز ہے — بہار نشاشت طرب خیز ہے
ہر یک برج مطلع ہے اُمید کا — لگا ہے لگن ماہ وخورشید کا
ہے معمور اوقات سکھ چین سے — موافق قران دو سعدین سے
حقیقت لکھوں کیا میں اس آن کی — جو بوسٹ بڑھی عطر اور پان کی
محل سے یہ پیغام آیا یہاں — کہ دولہے کی ہے انتظاری یہاں
یہ سنتے ہی نوشہ بصد عز و جاہ — ہوا مہر ساں سایۂ برج ماہ
محل میں درآمد ہو اس آن میں — چلا بلبل آسا گلستان میں
علم دیکھ خورشید قامت وہاں — ہوئی ایک برپا قیامت وہاں
خرامش پہ اس مہ کی ہر ہر قدم — لگی ہونے صدقے بہار ارم
کیا اس کے قامت نے برپا نشور — تجلی نے دکھلایا اپنا ظہور
پڑی اسکے آمد کی ہر سمت دھوم — کیا سب زلیخا وشوں نے ہجوم
ہر ایک شمع رو اس پہ پروانی ہو — لگی کہنے دل میں وہ دیوانی ہو
کہ یارب یہ رشک پری جان ہے — فلک پر و یا کوئی غلمان ہے
غرض مہوشیں جوق در جوق سب — ز شوخی دل اس میں با شوق سب
نثار اس پہ کر جاں بر نگ بہار — لگیں کرنے قدموں پہ لا گل نثار
اسے چھیڑ اسدم قرینے سے سب — لگیں کھلکھلانے ہر یک غنچہ لب
ز بہر شگوں مہوشوں نے وہاں — کئی لاکھ ٹوبوں سے شیریں دہاں
نئی کیفیت سے چمن در چمن — شکر ریز آفاق تھا انجمن
رہا یہ سماں حجلۂ نور تک — یہ پہنچا ہے اس چشمۂ نور تک
ہوئے ہر دو معشوق یکجا وہاں — ہوئی شادکامی دو بالا وہاں
اس عالم میں وہ شمع اعجاز حسن — سراپا تھی یک رایت افروز حسن
وہ قامت کی خوبی وہ چہرے کا نور — وہ سہرے سے پھولوں کا طرفہ ظہور
وہ مہندی سے گلگوں کف دستپا — جہاں خون عاشق ہو صرف حنا
وہ عطر سہاگ اور پھولوں کی بو — سواد ختن تھا ہر یک تار مو
بستی و جوڑے سے قامت کو زیب — عروسی وہ گہنا قیامت فریب
وہ ہر بال موتی پروئے ہوئے — تھے پروین جہاں ہوش کھوئے ہوئے

لکھوں کیا بیاں جلوہ آرائی کا	وہ شمشاد قامت کی رعنائی کا
بہم ہر دو ہم شعلۂ طور تھے	بآفاق نورٌ علیٰ نور تھے
جہاں تک کہ تھیں حسن کی خوبیاں	سر آمد ہوئیں ان پہ محبوبیاں
دکھایا وہ مصحف انہیں حسبِ حال	وہ یوسف و مریم کی صورت مثال
وہ آیت سلیماں و بلقیس کی	محبت کے عالم بے تدریس کی
وہ دو صورتیں ان کی گلزار سی	لگی دیکھنے دنگ ہو آرسی
وہ جانِ درخشاں وہ نورِ شہود	خدا ہی کی قدرت کا تھا ایک نمود
حقیقت میں دونوں وہ ایک نور تھے	تجلی سے وحدت کے معمور تھے
غرض ہو گئے فارغ ز روغ رسوم	گیا ہو کے تفریق یکسر ہجوم
ہوئی بزم غیروں سے اس دم تہی	اس عالم میں وہ ہر دو سرو سہی
ہو سیراب از جویبار وصال	لہکنے لگے از خمار وصال
جہاں تک انہیں عیش منظور تھا	نہ اس بزم امکان سے دور تھا
ہوئی صرف عشرت وہ شب اس طرح	تھا معمور دور طرب جس طرح
دبیر سحر نے بخط شعاع	لکھا میمنت نامہ با ارتفاع
دونوں خواب عشرت سے بیدار ہو	تبسم سے گلریز یکبار ہو
گئے سو نئے حمام فرحت کے ساتھ	نہا دھو کے نکلے ہیں عشرت کے ساتھ
غرض ایک چلہ شب و روز وے	بیک طرح تھے جلوہ افروز وے
جہاں تک کہ منظور تھا صبح و شام	پیا عیش و عشرت کا دونوں نے جام
اس عالم کو کر یاد جادوئے ہند	سراسر وہ منقاد جادوئے ہند
شراب محبت سے سرشار ہو	ولے اس کی دائم طلبگار ہو
دیا قاصدوں کو اسی وقت جتا	دے صورت و سیرت کا اس کی پتا
روانہ کیا ہے انہیں سو بسو	ملاقی ہو اس سے بصد جستجو
وہاں تک اسے جاہ و تکریم سے	وے لے آئے یکبار تعظیم سے
ہو دیدار سے اس کے تب فرحیاب	رہے شادماں جوں مہ و آفتاب
ہوا دل کو جب شاہزادے کے چین	اٹھا جوش کھانے غم والدین
کئی دن کو رخصت لے پھر شاہ سے	بڑی دھوم سے اور بڑی چاہ سے
روانہ ہوئے وے مہ و مہر اوج	چلے ساتھ لے اپنے احشام و فوج

غرض شہزادہ اپنے باپ کے شہر میں پہنچا، شاندار استقبال کیا گیا، شہزادہ ماں باپ کے قدموں پر نثار ہوگیا ماں باپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی، جشن منایا گیا۔ سب نے نذریں دیں اور دونوں خوش و خرم رہنے لگے۔ آخری بات اسی جشن اور نواب اعظم کی مدح پر ختم ہو جاتا ہے۔

علی کا کلام حمد و نعت سے لیکر باغ و بہار بلکہ افسردگی کا سماں کھینچنے تک میں لطیف تشبیہات اور استعارات سے خالی نہیں جو اسکی قادرالکلامی پر دال ہے بطور قند مکرر بعض اشعار نقل کئے جاتے ہیں کہ دماغ میں گونجتے رہیں۔

حمد:

خموشی ہے ناطق گلوں کی یہاں ہے ساقط زباں بلبلوں کی یہاں
ہرایک دشت دشت اسکی ہے بوسے مست ہر ایک کاہ سے سن صدائے الست

نعت:

ہو ہیبت سے تفتیدہ جان قلم ہوئی ہے دوپارہ زبان قلم
رکھا اشہب جاہ نے اسکے سُم پڑی گوش ہستی میں آواز قم
غلاموں کا اسکے کہوں کیا کمال کہ جنت میں ہے پائے کوباں بلال

مدح صحابہ:

انہیں اہل ایماں سے الخصوص ہے صدیق اکبر «ریاض خلوص»
عمر «جوہر تیغ اسلام» تھا فدا ختم مرسل پہ مادام تھا

نقارہ یا طاشہ پر لکڑیوں کی حرکت اور محاورہ بندی:—

نادر تشبیہ:

نہ چوبیں رواں تھیں سوئے پست واوج اچھلتی تھیں دریائے شادی کی موج
نواسنج لکوروں کی اس آن میں چٹکنے لگا، گل گلستاں میں
ترانا لگا بجنے باجوں کے ساتھ ترانے کے پھیلے ہیں عالم میں ہاتھ

بسنے سنورنے کی چہل پہل کیا خوب بول چال ہے :

کوئی رتھ پہ بیٹھا اپنے آئی وہاں کوی کہہ الہی، ہے وہ گاڑی کہاں
کہیں تھا خیال اپنے انداز کا کہیں دھیان انگیا و پشواز کا
کسو نے کہا، پیٹ سر، اے ہوا وہ گہنا یہاں سے مرا کیا ہوا ؟
کہیں کس کی زلفوں میں اٹکی ہے جاں لبوں پر کہیں آگیا رنگ پاں

لباس :

وہ انگیا وہ کرتی وہ جوبن کا تول دوبالا ہوا اسکے بازو کا مول
تلے اسکے زلفوں کے عالم غضب تماشا سحر غارت نیم شب
سیاہی وہ مسی کی لب پر نمود نمایاں شفق میں تھا چرخ کبود

مہ جبیں گائنوں کا کمال حسن دکھانے میں رخساروں کی کیفیت بڑی نزاکت و لطافت سے بیاں کی ہے -

ظہور سحر پر طلسم ان کا تھا گویا نخل فن جان و جسم انکا تھا
اٹھے تس پہ گرمی سے چہرے دہمک دکھانے لگی سرخروی بہبک
ہوئے گل سے رخسار شبنم فشاں لگی چھوٹنے بدر سے کہکشاں
سراپا جو ان کا نم آلود تھا چمن حسن کا شبنم آلود تھا

مقابلہ، (ڈرامہ) :

ہوی ہے کوی اوس گھڑی مل فروش ہوی کوی سچ مچ وہاں گل فروش
اڑے قہقہے ڈھول چلنے لگی صدا ہر چہل کی نکلنے لگی

نوجوانی کا عالم.

وہ بارہ برس کا سن و سال تھا کہ کان نمک اس سے پامال تھا
جوانی کا عالم وہ قامت کا رنگ وہ چہرے پہ صبح قیامت کا رنگ
کیا اسکے اطوار تن نے غضب کیا ہے ہر یک بانکپن نے غضب
وہ شوخی، غرور اور طنازیاں لگیں کرنے خانہ بر اندازیاں

معشوق کا سراپا:

بیاض گلو مطلع صبحدم قیامت سی ڈوری وہ گردن کی خم
زبس ساعد و بازو شانے تلے تھے میزان الماس کے سب تلے
علم حسن کو دیکھ بالائے ساق ہیں حیرت سے پا بر ہوا نہ رواق

عاشق کا سراپا:

جواہر کی کلغی وہ سورج کا دل وہ موتی کے لٹکن سے پروین حجل
متاع جوانی ترارو نشیں عدو نورتن کے دو بازو نشیں

میر حسن سے بعض اشعار کا موازنہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، علی کا تو دعویٰ ہے کہ میری مثنوی میر حسن سے افصح ہے جو ایک حد تک حق بجانب معلوم ہوتا ہے۔

میر حسن۔ باغ کا سماں:

گلوں کا لب نہر پر جھومنا اسی اپنے عالم میں منہ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر نشے کا سا عالم گلستان پر
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور

علی:

وہ پانی کا ہر سمت بھرنا وہاں وہ حوضوں میں جا جا کے گرنا وہاں
لگے تاک پر خوشے انگور کے ثریا تھے یا قمقمے نور کے
کہیں اپنا سو سن نے دکھلایا روپ تھی صدقے کہیں نرگ سوری پہ دھوپ
وہ شاخوں پہ شبو بھری تھی کہیں تماشے کو نرگس کھڑی تھی کہیں

میر حسن۔ سرمہ:

ستم تس پہ سرمہ کی تحریر سی کھنچی ہاتھ کافر کے شمشیر سی

علی۔ کاجل:

حو آنکھوں میں کاجل کی تحریر تھی ہر آہو گویا پا بہ زنجیر تھی

میر حسن۔ تکمہ:

گریباں پہ تکمہ اک الماس کا ستارہ سا مہتاب کے پاس کا

علی:

گریباں سے تاباں وہ تکمے کا نور تھا مطلع سے نجم فلک کا ظہور

میر حسن۔ اوڑھنی:

نمایاں ہو یوں اوڑھنی سے جھلک کہ جوں ابر میں برق کی ہو چمک

علی:

نہ پوچھ اوڑھنی کا تو مجھ سے کمال تھا ہر ماہی حسن کا ایک جال

میر حسن:

وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر نشے کا سا عالم گلستان پر

علی:

نگہ نیم مست اسکی پہنچی جدھر جھکی شاخ مستانہ وش ہو اُدھر

وہ شاخوں پہ سو سن تھی بیجان سی کھڑی تھی یہ نرگس ہو حیران سی

غرض یہ کسی اہل زباں کا نہیں بلکہ ایک کوکنی شاعر کی کد و کاوش اور فصاحت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ جو قابل صد ستایش ہے۔

جناب عابد رضا بیدار، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ذوق کے بارے میں، ایک ہمعصر اخبار کا تبصرہ

ذوق کی وفات پر سلطان الاخبار[۱] میں فارسی زبان میں دو تحریریں چھپیں پہلی تحریر ذوق کی حیات اور شاعری کے بارے میں ایک تقریظی نوٹ ہے اور دوسری، صادق الاخبار[۲] سے منقول قطعات تواریخ انتقال۔ یہ دونوں تحریریں کسی نے سلطان الاخبار سے نقل کر کے ۱۵ صفحے کا ایک کتابچہ سا دیا جو انجمن ترقی اُردو (ہند) کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

۱۔ سلطان الاخبار: سنہ ۱۸۳۵ء میں کلکتہ سے جاری ہوا اور سنہ ۱۸۵۷ء میں پریس ایکٹ کی نذر ہوا اس کے سنہ ۱۸۳۵ء، ۳۶ء، ۳۷ء، ۳۸ء، ۴۰ء اور سنہ ۱۸۴۱ء کے مکمل فائل اور سنہ ۱۸۳۹ء اگست تا دسمبر کا فائل، نیشنل آرکائیوز، میں محفوظ ہے۔ بیچ بیچ میں سے بعض پرچے غائب ہیں۔ ملاحظہ ہو، «ہندوستانی اخبار نویسی» از محمد عتیق صدیقی صفحہ ۵۲۔۲۴۲۔ ایک اور سلطان الاخبار کا ذکر «اختر شاہنشاہی» میں ملتا ہے، صفحہ ۱۵۲، جس کے ایڈیٹر کا نام نور اللہ تھا اور جس کا اجراء کلکتہ سے جنوری سنہ ۱۸۳۷ء میں ہوا، ممکن ہے یہ سلطان الاخبار، اول الذکر، سے الگ، ساتھ ساتھ نکلتا رہا ہو۔

اس کے ایڈیٹر رجب علی لکھنوی تھے۔ سجن لال کو اس کے ۵۳۔۱۸۵۲ء کے شمارے بھی ملے ہیں («اسلامک کلچر» حیدرآباد) مگر اس کے بعد کے بارے میں کسی کو علم نہیں۔ مندرجہ بالا تعزیت نامہ کی رو سے یہ نومبر سنہ ۱۸۵۴ء میں بھی قطعی طور سے نکل رہا تھا۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں تو صرف اس کے بند ہونے کی سرکاری اطلاع سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس وقت تک حیات تھا ورنہ سنہ ۱۸۵۴ء کے بعد کسی پرچہ کا پتہ اب تک نہیں چلا۔

۲۔ صادق الاخبار نام سے دہلی کے دو اخباروں کا ذکر صاحب «ہندوستانی اخبار نویسی» نے کیا ہے صفحہ ۸۶۔۲۸۲۔ جو صادق الاخبار جنوری سنہ ۱۸۵۴ء میں جاری ہوا، ہمارا «نوٹ» غالباً اس سے ماخوذ ہے۔ اس کے ایڈیٹر سید جمیل الدین خاں تھے انہیں سنہ ۱۸۵۸ء میں بغاوت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ کے بعد سزا ہوئی (صفحہ ۳۔۴۰۲)۔

ان تحریروں سے، عبارت کی قافیہ بندی سے قطع نظر کر کے مندرجہ ذیل متحقق معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ شیخ محمد ابراھــــیم خـاں ذوق کی وفات ۲۳ صفر سنہ ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۵٤ء کو ہوئی، اس وقت کے مہذب طبقہ کے لئے ذوق کی وفات ایک بہت بڑا حادثہ تھا، خود بہادر شاہ ظفر کے لئے یہ ایک ذاتی سانحہ تھا۔ آخری چہار شنبہ کی تقریب پر دربار منعقد ہو رہا تھا جہاں ظفر کو یہ خبر ملی، دربار فوراً برخاست ہو گیا، اور حکم ہوا کہ سارے راگ و رنگ بند کر دیئے جائیں، اور تمام ملازم اور شاہزادے جنازے میں شریک ہوں۔ اخبار کا بیان ہے کہ بادشاہ ایسا رویا کہ شاہزادوں کے انتقال کے بعد کسی نے اسے ایسا روتے نہیں دیکھا تھا، بادشاہ کو شیخ سے دلی محبت تھی اور خود شیخ مرحوم بھی، لکھنؤ اور حیدر آباد سے بلاوے پر بلاوا آنے کے باوجود دلی سے نہ ہلے۔

شیخ کو علوم متداولہ کے علاوہ کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا، فارسی کے متبحر عالم تھے، بہار عجم کا بڑا حصہ زبانی یاد تھا، تاریخ پر بھی اچھی نظر تھی۔

شیخ کی پیدائش ۱۲۰۳ھ میں ہوئی۔ فنون فارسیہ اور علومِ عربیہ میں مہارت حاصل کی، نحو و معانی، بیان و بدیع، عروض و قوافی، منطق، فلسفہ، حکمت، ہیئت، فقہ، تفسیر، حدیث اور دوسرے علوم دینی و دنیوی پر عبور حاصل کرنے کے بعد شاعری شروع کی۔ عربی میں بھی متفرق اشعار اور رباعیاں لکھیں۔ ۱۹ سال کی عمر میں ولی عہد سراج الدین ظفر کے یہاں باریابی ہوئی اور فرمائش پر قصائد اور غزلیں لکھتے رہے۔ ایک قصیدہ جو اعلیٰ حضرت کی مدح تہنیت میں ہے جس کا ہر شعر ایک وقت عربی، فارسی، حبشی، پشتو، ترکی، انگریزی، جرمنی، فرنچ، پنجابی، بنگالی، مارواڑی، پوربی، بھاشا، سنسکرت ولایتی (؟) اور جھک سالیہ (؟) زبانوں میں پڑھا جا سکتا تھا، اسی قصیدے پر خاقانی ہند کا خطاب ملا۔

۱۲۵۳ھ میں ظفر تخت نشین ہوا اور خاقانی ہند ملک الشعرا ہو گئے۔

شیخ کے شاگردوں میں دہلی کے علاوہ ادھر اُدھر سے بہت سے اُمیدوار آنے لگے۔ اور ڈاک کے ذریعہ لکھنؤ سے اصلاح کے لئے لاتعداد غزلیں آتی رہیں۔

اپنی طرف سے اس قدر بے نیازی کا عالم تھا کہ شاگردوں کے دیوان کے دیوان مرتب ہو گئے مگر اپنا دیوان مرتے دم تک مدوّن نہ کیا، کوئی کہتا تو کہہ

دیتے کہ اعلیٰ حضرت کے دیوان کی تہذیب، میرے دیوان کی ترتیب سے زیادہ مقدم ہے اور پھر میرا سارا کلام منتشر ہے جسے یکجا کرنے کی فرصت نہیں۔ شیخ نے قصیدہ، غزل، قطعہ، مخمس، مثلث، رباعی، مسدس، مثنوی، واسوخت، تضمین، اور تاریخ گوئی کے علاوہ ٹھمری، گیت، کبت، چار بیت، سگیت اور دوہرہ بھی کہا۔ اور پھر ان تمام کمالات سے متصف ہونے کے باوجود حسن اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر زبان و قلم سے کسی کو برا نہیں کہا۔ شیخ کے اقوال و افعال دستور العمل کا کام دے سکتے ہیں۔ اور دن رات کی ذہنی محنت و مشقت کے با وصف صرف تین گھنٹے سوتے تھے باقی تمام رات اوراد و وظائف میں گزر جاتی۔ ادھر کچھ دن سے وہ اس قسم کے شعر کہنے لگے تھے، خاص کر مطلع اور مقطع، جس سے پتہ چلتا تھا کہ اب یہ ختم ہوئے (اخبار نویس نے، چار شعر اور ایک تضمین دی ہے) ایک مجلس میں ایک شاگرد نے سعدی کی مشہور رباعی (؟) «بلغ العلی بکماله» پڑھی، شیخ نے متبسم ہو کر کہا ان چار مصرعوں میں سے کوئی ایک میری تاریخ وفات کے لئے کافی ہے۔ اس وقت کسی نے خیال نہیں کیا، مرنے کے بعد پتہ چلا، واقعتاً «بلغ العلی بکماله» سے سنہ ۱۲۷۱ھ بر آمد ہوتے ہیں۔

عید قرباں کے قصیدۂ تہنیت پر اعلیٰ حضرت نے ایک جاگیر بخش دی تھی، جس کے بعد شیخ نے ساری توجہ اپنی ایک نا تمام مثنوی کو مکمل کرنے میں لگادی تھی، ابھی اس کی تہذیب سے فراغت نہوئی تھی کہ ۵ صفر مطابق ۱۸ اکتوبر کو بخار میں مبتلا ہو گئے اور پھر پیچش اور بواسیر ہوگئی۔ بڑی تکلیف کا عالم تھا اور اس حالت میں یہ شعر پڑھتے رہے:

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

آخر چہار شنبہ کی رات کو روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

تواریخ وفات میں، ایک معجز نما تاریخ خود انہیں کے قلم سے ہے:

لکھ گیا ہے ذوق ہی یے قصد تاریخ وفات
دل تو لگتے ہی لگے گا حوریانِ عدن سے

دوسری تاریخوں میں وقار الدولہ محمد اسماعیل خاں فوق کی تاریخ قابل ذکر ہے، فوق ذوق کے لڑکے تھے۔

اصل عبارتیں مندرجہ ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

«آنجہانی شدن شاعر بے بدل خاقانی ہند محمد ابراھیم ذوق دہلوی نقل از سلطان الاخبار کلکتہ»

«افسوس صد افسوس کہ شاہنشاہ ملک سخوری خسرو اقلیم معنی پروری ملک الشعرا خاقانی ہند شیخ محمد ابراھیم خانی متخلص بہ ذوق اوستاد خاص حضرت ظل الٰہی سلطنت پناہی سلطان ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی خدیو دہلی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بتاریخ ۲۳ صفر الخیر سنہ یکہزار و دو صد و ہفتاد و یک ہجریہ نبویہ مطابق ۱۵ نومبر سنہ یکہزار و ہشت صد و پنجاہ و چہار عیسویہ صلی اللہ علی صاحبہا وسلم بداعی اجل لبیک اجابت گفتہ رخت ہستی ازیں دار سراسر پستی سوے عالم خدا پرستی بر بست و برحمت خدا پیوست۔ عالمے ازیں واقعۂ جانگزا غمناک شد و جہانے را گریبان عشرت چاک چاک، شور و فغان از عالم خاک تا بعالم افلاک برشد و صفحات صحیفۂ زمین از آب سرشک تر۔ بالجملہ ایں حادثۂ کبریٰ چناں مصیبت عظمیٰ است کہ سینۂ قلم بتحریر بدی اراں مشقوق است و روئے کاغذ مخروق۔

شہنشاہ جہاں را از وفاتش دیدہ برنم شد سکندر اشک حسرت ریخت کافلاطون زعالم شد

چوں نباشد کہ آنحضرت در معانی پروری و نازک خیالی دعوی بے ہمتائی داشت و در چار دانگ ہند و سنگ خود را ماننائے و مثالے نگزاشت۔ در سائر امصار و قریہ ہائے ہندوستان کسے از عاقلاں خرد پرور نیست کہ با ستماع واقعۂ شہادت او حرف حسرت بر زبان و انگشت حیرت بدنداں و دست مصیبت بریر زنخداں ندارد۔ گویند کہ ہر گاہ کہ ایں خبر تعزیت اثر بسامعہ خراش ملکہ حاں تراش حضرت خدیو دہلی گردیدہ تا آنکہ دربار عام بتقریب آخری چہارشنبہ مہیا و مہذب و محفل جلوس سلطانی منعقد و مرتب بود و جمیع ارکان دولت و اعیان حضرت از بہر اقتباس انوار ملازمت والا حاضر بودند در حال برخاست و فرمود کہ بساط نشاط پیچیدہ شود و محفل انبساط موقوف گردد و شاہزادگان فرخندہ فال بلند اقبال با سائر ملازمین درگاہ و حاضرین بارگاہ شریک مشایعت جنازۂ آں مغفور شوند۔ محقق است کہ شاہ دہلی در ایں ماتم چنداں اشک حسرت ریخت و نعرہ زد کہ گاہے چنیں گریہ و نالہ اش بوفات شاہزادگان مرزا دارا بخت و مرزا شاہ رخ و

مرزا فرخنده شاه وغیره ندیده اند و نشنیده۔ در حقیقت چون چنین بود که شیخ مرحوم با حضرت اقدس خیلے اخلاص دلی و اتحاد قلبی داشت که ہرچند بسا رقعات و مراسلات تلطف آمیز از دیگر ریاسات و امارات ہند مثل حیدرآباد دکن و لکھنؤ در خصوص طلب شیخ باوجوه مصارف زاد سفر و زاد راحله پیش او می رسید، ولیکن گاہے رشتۂ محبت و وفاق سلطانی نه گسیخت و بدیگران نیامیخت۔ چنانچه راجه چندو لال مختار ریاست حیدرآباد فرخنده بنیاد دکن کرار و مرار بعطائے مبالغ بسیار طلبش کرد و ہم چنین بسا مکتوب محبت اسلوب از دار الامارة لکھنؤ نیز وصول آورد ولیکن شیخ اصلا انگشت بر دیده ننهاد۔ این معنی عمده ترین بواعث خلوص محبت و اتحاد سلطانی با شیخ بود۔

در حقیقت شیخ در سایر علوم مختلفه متداوله و فنون متنوعۂ مستعمله والسنۂ متفرقۂ مروجه مهارت کمال داشت و در خیال بدی اعلام ارجمندی و روایات عالی پسندی می افراشت اگر در زبان ریختۂ اردو ملک الکلام خوانندش بجا است و در غزل سرائی و قصیده درآئی یکتای عالم گویندش سزا، ہرچند میر و مرزا و غیر ایشان از شعرای متقدمین ہمت باصلاح زبان ریخته بقدر وسع خود بر گماشته اند و باقصی غایت شسته، اما قصب السبق در میدان استعداد علمی و معلومات کتابی و زود رسی و زود گوئی و معنی آفرینی بدست اقتدار شیخ بوده و درین خصوصی گوے تسابق و تفوق از سابقین ربوده، و شرح بلاغت و بصارت وے در زبان پارسی چگونه توانم کرد که نمونۂ از خروار و دانۂ از انبار او این است که بهار عجم که معتمد ترین کتب لغات فارسیه است اکثر قصه اش بلکه قریب بتمام ازبر داشت و در کتب تواریخ ہم چندان دستگاہے داشت که گوئی خودش مجمع تواریخ واقعات اسود و احمر بود۔ بالجمله ذات والا صفات شیخ، گوہری از خزینۂ رحمت الهی و جوہری از گنجینۂ فضل نامتناهی بوده۔

ولادت شیخ در یکهزار و دو صد و سه سال هجری واقع گشت۔ از ایام صبا باد صبای خواطش انشاد اشعار شیرین و ایجاد تازه مضامین در بستان طبع والای او می وزید و لیکن بسبب کثرت شغل و تدبیر به تحصیل علوم متداوله توجه بیکو توجه بدانسو نتوانست برگماشت چون از تکمیل علوم مروجه و فنون متعارفه بپرداخت و کوس انفراد در مهارت فنون فارسیه و علوم عربیه مثل صرف و نحو و معانی و بیان و بدیع و عروض و قوافی و منطق و فلسفه و حکمت و ہیئت و فقه و تفسیر و

حدیث و دیگر علوم ابدان و ادیان در چہار دانگ ہندوستان نواخت۔ ہمہ تن مصروف بسوی شعر و شاعری گشت۔ کمالے کہ در آن ہم رسانید اظہر من الشمس و ابین من الامس است و در ہزاران غزل شیرین تر از عسل و صدہا قصائد حلاوت مشتمل، و در عربی ہم اشعار متفرقہ و رباعیات مختامہ رقم فرمودہ است۔

ہرگاہ کہ شیخ واردہ سالہ شـــد در عالم ولی عہدی خدیو دہلی باریاب حضور اقدس گردید ، غزلہائے شیرین و قصائد نمکین بر حسب امر جلیل القدر سلطان تحریر میکرد و مورد انعام شائستہ و اکرام بایستہ میشد و قصیدۂ از قصائد او کہ در مدح تہنیت اعلی حضرت نوشتہ بود کیفیتی عجیب داشت کہ علاوہ برصنایع و بدایع لفظی و معنوی، اشعار پیچیدہ گاہ عنوانش بہ پیچیدہ، زبان مختلف مثل پارسی و عربی و حبشی و ترکی و پشتو و پنجابی و بھاشا و شاستری و مارواڑی و بنگالی و پوربی و جھک سیالہ و انگریزی و حرمی و ولایتی و فرانسی وغیرہ مشتمل بود بدینوجہ کہ ہر شعرش بہ یکی از السنۂ مذکورہ راست می تواند خواند، ہرگاہ کہ قصیدۂ مذکور پیش خدیو دہلی گزاردہ شد از پیشگاہ اعلی حضرت سلطانی، خطاب خاقانی ہند بدو ارزانی شد و دیگر خلاع نادر و انعام متکاثر بیر بدو مرحمت شد۔

بستر چون خدیو دہلی در سال یکہزار و دو صد و پنجاہ و سہ ہجری تخت آرای سلطنت و اورنگ زیب مملکت شد، شیخ بخطاب ملک الشعرائے خاقانی ہند سرفراز و از اندے حسن خود مر گشت و بر حسب حکم والا برائے تحریر قصائد و غزلہائے تازہ مضمون زاریکۂ ملک الشعرا نشست، سال گزشتہ در سہ یکہزار و دو صد و ہفتاد ہجری بود ہرگاہ قصیدہ مشتمل برصنایع عجیب و بدایع غریب در تہنیت غسل شفائے اعلی حضرت در حیطۂ تحریر آوردہ پیش کشید خطاب حال مخاطب و خلاع فاخرہ مخلع و بانعام و اکرام سیر بار بحیر فیل و حوضہ نقرائی محظوظ گشت۔

بسا سخنوران دہلی و دیگر معنی پروران اطراف و اکناف آن داخل حرگۂ تلمیذان شیخ میباشند و اکثرے از دیگر بلاد و امصار بقصد حصول تعلیم و تربیت شیخ و دخول بزمرۂ شاگردانش می آمدند ۔ و بسا غزلہائے شعرائے دار الامارۃ لکھنو بذریعہ خطوط و مکاتیب بہ پیشگاہ شیخ می رسید و از نظر اصلاح او میگذشت، مشاقی وجودت طبع رسایش بدرجـــۂ بودہ کہ علاوہ برفرمایشہائے اعلی حضرت غزلہائے شاگردان خود را واپس

نمی کرد بلکه در حال قلم برداشته آنرا باصلاح شایسته صاف و سلیس می ساخت و باوجود چندین هجوم علایق و عوائق چیزے چیزے برائے ذات خود نیز می گفت۔ از توجهات استادانه اش مجلدات چند از دواوین شاگرداش مدون و مهذب شده است و لیکن عجب است که دیوان خاص خود را هنوز به ترتیب و تهذیب نیاورده تا آنکه جان شیرین بجان آفرین سپرد ۔ اگر گاہے التماس از احباب و تلامذه در خصوص تدوین دیوانے میرفت به تبسم میگذاشت و چون اصرار ازحد میگذشت میگفت که تهذیب دیوان اعلی حضرت مقدم بر ترتیب دیوان خود است، ماورائے آن مسودات غزل و قصائد خودم همه منتشر افتاده است، فرصت کجاست که آنرا فقره فقره از هرجا فراهم آرم۔ بسا اوقات خواهشمندان غزلهائے سابق را غزلهائے تازه به تحریر آورده می بخشید و تلاش منتشرات بر خود دشوارے شمرد ۔ بالآخر به تکلیف بعضے از دوستان صمیم و یاران قدیم اکثر غزلها و قصاید به کراریس متعدده فراهم آورده است، اما هنوز نقاب طبع در برسیده۔ عجب جوهر منفرد بود که در اصناف سخن مثل قصیده و غزل و قطعه و مخمس و مثلث و رباعی و مسدس و مثنوی و واسوخت و تضمین و تاریخ و دیگر اقسام هجده گانهٔ شعر ید طولائی داشت بلکه زیاده بریں پٹه و ٹهمری و کبت و چار بیت و گیت و سگیت و دوہرا نیز خیلے دلپسند و ارجمند میگفت ۔ ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء و الله ذو الفضل العظیم

این فضیلت بزور بازو نیست تا نه بخشد خدائے بخشنده

سبحان الله که باوجود چندین فضل و بلاغت و علو درجت و سمو مرتبت بحلیه اخلاق حمیده و اوصاف پسندیده هم چنان محلی بود که اقوال و افعال او را بطرز دستورالعمل طرازیده شود بجا است و در مدت العمر خود زبان و قلم خود را به تحریر و تبئین هجو و مذمت کس نیالوده ۔ طرفه تر اینکه با وصف چندان محنت و مشقت شبا روزے صرف مقدار سه ساعت به بستر عافیت می غنود ورنه همه شب باوراد بزرگان و وظائف صالحان اشتغال داشت حالا از مدت چند روز اکثر مضامین شعریه اش خصوصاً مطالع و مقاطع قصاید و غزلهایش که گاه گاه همچون شاهد رعنا از حجلهٔ طبع ۔ الایش سر می زد ترشح می کرد که پیمانهٔ عمر گرانمایه اش لبریز شده است ۔ اینجا چند مطلعات و مقطعات او بهر اطلاع ناظرین مرقوم می شود :

مطلع: ہیری عمر دو روزہ غافل اک پتلی ہے دو کل کی
که اک کل ررر آحر کی ہے اک کل روز اول کی

مطلع: لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی حوشی چلے

مقطع: کریں حدائی کا کس کس کی رنج ہم اے ذوق
کہ ہونے والے ہیں سب ہم سے عقریب جدا

مقطع: ذوق اس بحر فنا میں کشتئ عمر رواں حس جگہ پر جالگے وہ ہی کنارا ہوگیا

تضمین: ہے عنیمت کوئی دم نظارۂ فصل بہار پھر کہاں ہم اور کہاں یہ گلشن بہجت فزا
درعدم بودیم و دیگر درعدم خواہیم رفت این تماشائے جہاں را مفت می بینیم ما

دیگر از خوارق عادات شیخ بچشم عبرت باید دید و بگوش دل باید شنید که دریں ولا روزے یکے از شاگرداش دکر تواریخ انتقال اساتذۂ زماں باستاں پیش او میکرد۔ اتفاقاً در اثنائے محاورہ یکے از حاضراں مجلس رباعی مشہور مخدوم شیخ سعدی شیرازی یعنی

بلغ العلیٰ بکماله		کشف الدجیٰ بجماله
حسنت جمیع خصاله		صلوا علیه و آله

بر خواند۔ شیخ بہ تبسم فرمود که یکے از مصارع چارگانه این رباعی برائے تاریخ انتقال مرغ روانم از قفس عنصر اربعه کافی وافیست۔ آنگاہ ہرچند کسے خیال این معنی بخاطر خود نه بست، ولیکن بعد فوت شیخ چوں مصرع اولیش یعنی

بلغ العلیٰ بکماله

بحساب ابجد شمردہ شد فی الواقع تاریخ انتقال شیخ یعنی ۱۲۷۱ ہجری ازاں برآمد۔

بالجملہ ہرگاہ که قصیدۂ تہنیت عید قرباں محررہ آں مرحوم بدر بار گوہر بار سلطانی خواندہ شد و از حضور پُر نور اعلیٰ حضرت جانگیرے استمراری نسلا بعد نسلاً (نسل ؟) بدو عنایت گردید تکمیل مثنوی که از دیر باز ناتمام افتادہ بود آغاز کرد۔ ولیکن تہذیب آں ہنوز بہ کمال رسیدہ بود که تاریخ پنجم صفر مطابق ہجدہم اکتوبر بذہ السنه بعارضه بخار مبتلا شدہ، بعد چند روز گرفتار سر پنجۂ مرض پیچش و بواسیر گردید و شدائد بسیار برداشت و دراں حالت این مقطع بر زباں آورد

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا		کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ار مدت چند روز اکل و شرب یکقلم ترک گفته (کرده ؟) بود، ولیکن برائے تشفی حواطر عریزاں و خویشاں و نـدان حود اندک اندک دوا نوش می کرد۔ بالآخر شب چارشنبه (چهارشنبه ؟) ۲۳ ماه صفر ہذه السنة بعد مرور پاسے از شب طوطی روح پُر فتوح از قفس عنصری وارسته باعلی‌علیین آشیانه گزید۔ انّا لله و انّا الیه راجعون»

« از سلطان الاخبار که در ہفته دیگر رسیده »

«قطعات تواریخ انتقال حضرت ملک الشعرا خاقانی ہند شیخ ابراہیم خاں ذوق از ثمرات افکار ابکار شاعراں دہلی منقول از صادق الاخبار از نتائج طبع حودش مرحوم ابراہیم خاں که یاد ار حوارق عادات او میدہد، تاریخ که حود گفته:

لکھ گیا ہے ذوق ہی ہے قصد تاریخ وفات
دل تو لگتے ہی لگے گا حوریان عدن سے

قطعه تاریخ از وقار الدوله محمد اسماعیل حاں فوق پسر دوق:

ہر درد و غم کا دیکھا علاج اس جہاں میں فوق ہر لا علاج پایا تو درد پدر کا غم
اس درد و غم کے سال حو ہم ڈھونڈتے تھے آه ار روئے درد سال بھی پایا پدر کا غم
۱۲۷۱ھ

[اس قطعه کے بعد مولوی رعایت الحق سہارنپوری ، منشی عزت سنگھ عیش خاص شاگرد نصیر دہلوی، منشی گھنشیام داس تلمیذ نصیر دہلوی، حافظ محمد نظام الدین حوش، لاله کدار ناتھ ہوش، میر حمیل الدین ہجر اور مولوی ظہور علی تھانه دار کے قطعات دئیے گئے ہیں]

☆ ☆ ☆

جناب قاسم علی سجن لعل استاد تاریخ جامعہ عثمانیہ

مسودہ قانون ٹرسٹیان علیگڑھ پر مولانا الطاف حسین حالی کے خیالات

حیات جاوید میں مولانا الطاف حسین حالی نے مسودہ قانون ٹرسٹیان علی گڑھ کے متعلق سر سید احمد اور مولوی سمیع اللہ خان بہادر میں ناچاقی پیدا ہونے اور اس کے رفع دفع ہونے کا ذکر چند جملوں میں ختم کیا ہے[1]۔

میرے کتب خانے میں سر مور گزٹ اخبار کی ایک جلد محفوظ ہے، اگرچہ اس اخبار میں اس موضوع پر بہت کچھ بحث ہوئی ہے لیکن اس کے ایک شمارہ کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ پورا شمارہ اس موضوع کے لئے مختص کردیا گیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ شاید یہ ہے کہ مولانا الطاف حسین حالی کا ایک وقیع و مبسوط مضمون اس شمارہ کی زینت ہے[2]۔

مولوی سراج الدین صاحب ایڈیٹر نے اپنے اخبار میں اس اہم شمارہ کی ابتدا ان الفاظ میں کی ہے۔

> "مسودہ قانون ٹرسٹیان پر ہم آج کے اخبار میں عالی جناب مولوی خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی (سلمہ اللہ تعالی) کا مضمون چھاپتے ہیں۔ ایک مضمون کے ساتھ خواجہ صاحب کا نام بیان کردینا اس غرض کے لئے کافی ہے کہ اس کی بےشمار خوبیاں لوگوں پر ظاہر ہوجائیں۔ مضمون نہ تعریف کا محتاج اور نہ اس قلم میں یہ قابلیت ہے کہ اسکی تعریف کرسکے۔ وہ تو مثل آفتاب کے ہے جس کی عالمگیر اور سب پر یکساں احسان کرنے

۱۔ الطاف حسین حالی، حیات جاوید، پہلا حصہ، باب ٦، صفحہ ۲۵۳ اور ۲۵۸

۲۔ سر مور گزٹ مورخہ ۸ اگست ۱۸۸۹ء نمبر ۲۹ جلد دوم۔ اور ملاحظہ ہو خطبات عالیہ از مولوی انوار احمد صاحب زبیری صفحہ ۳٤ اور ۳۵۔ اسی موضوع پر ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی کا خط بھی اسی اخبار کے شمارہ مورخہ ۱۵ اگست سنہ ۱۸۸۹ء کو شائع ہوا۔

والی روشنی کسی نشاندہی کی محتاج نہیں ہوتی۔ یہ کہنا بھی مضمون کی قدر و منزلت کو صدمہ پہچانا ہوگا کہ اس کا متین اور شریف طرز بیان جس قدر دل پر اثر کرنے والا ہے اسی قدر وہ مضمون نگاروں کو عمدہ مضمون نگاری کا مفید سبق دینے والا ہے۔ طریق استدلال اور واقعات کا بیان گو سیدھا سادہ اور بےجا جانداری اور تصنع سے بالکل خالی ہے مگر عالمانہ کمالیت سے خالی نہیں۔ کالج کے متعلق بہت سے ابتدائی اور دیرینہ واقعات جو صرف پرانے دنوں کا دفینہ تھے اس مضمون میں حسب ضروریات بیان فرمائے ہیں۔ اور اس طریق سے وہ ہمیشہ کے لئے ایک وجود پکڑ گئے........ [1] "

جہاں تک مجھکو علم ہے مولانا الطاف حسین حالی کا یہ گراں قدر مضمون پہلی بار میرے عزیز دوست نجیب اشرف ندوی صاحب کے اصرار پر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے[2]۔

---

[1] سر مور گزٹ مورخہ ۸ اگست ۱۸۸۹ء

[2] دو سال پہلے میرے عنایت فرما خواجہ غلام السیدین صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے مولانا حالی کے خط کا ذکر کیا۔ صاحب موصوف نے کہا کہ اب تک ان کی نظر سے ایسی چیز نہیں گذری ہے ان کی خواہش پر میں نے اس کی نقل ان کو روانہ کردی تھی۔ دوسری مرتبہ جب وہ حیدرآباد تشریف لائے تو میرے کتب خانہ کو عزت بخشی اور اس شمارہ کو بار بار ملاحظہ فرماکر خوشی کا اظہار کیا۔

مسودہ قوانین و قواعد تقرر و طریقہ کارروائی ٹرسٹیان محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڈھ پر اور ان اعتراضات و شبہات پر جو مسودہ مذکور کی اکثر دفعات پر وارد کئے گئے ہیں

ریمارک

(مرقومہ عالی جناب مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی سلمہ اللہ تعالی)

یہ مسودہ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر لائف آنریری سکریٹری محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی نے کالج کے استحکام اور دوام کی غرض سے اور اس غرض سے کہ اس کی جائداد کی کامل حفاظت کی جائے اور مطابق قوانین سرکاری محریہ وقت کے اس کے لئے ٹرسٹی (یعنی امانت دار) مقرر کئے جائیں، کالج فنڈ کمیٹی کی باضابطہ اجازت سے تیار کر کے مئی ۱۸۸۹ع میں واسطے ملاحظہ ممبران کالج فنڈ کمیٹی چھاپ کر شایع کیا ہے اور اس کے شایع ہونے کے بعد جناب مولوی محمد سمیع اللہ خاں بہادر سی۔ ایم۔ جی نے بحیثیت ممبر کالج فنڈ کمیٹی کے اس کی دفعات پر اعتراضات اور شبہات لکھ کر تمام ممبروں کے پاس اس غرض سے بھیجے ہیں کہ وہ ان پر کامل غور کرنے کے بعد مسودہ مذکور کی منظوری یا عدم منظوری کی نسبت رائے تحریر کریں۔

اگرچہ میں ٹرسٹی یا کالج فنڈ کمیٹی کا ممبر نہیں ہوں لیکن چونکہ مدرسۃ العلوم مسلمانوں کی بھلائی کے لئے قائم کیا گیا ہے اسلئے ہر مسلمان اس بات کا حق رکھتا ہے کہ جو امر اس کے نزدیک مدرسۃ العلوم کے حق میں مضر، مسلمانوں کے لئے باعث شرم ہو اسکو صاف صاف لوگوں پر ظاہر کرے۔

جس روز سے مدرسۃ العلوم کی بنیاد پڑی ہے خود مدرسہ اور اس کے بانی ہمیشہ مخالفت اور طعن و تشنیع کے اماج گاہ رہے ہیں لیکن اب تک جتنے حملے اس پر ہوتے تھے وہ سب بیرونی تھے جن لوگوں کو مدرسہ سے کچھ تعلق نہ تھا ان میں سے بعضے تعصب سے بعضے نادانی و حماقت سے اور بعضے خبث طینت سے مدرسہ اور اس کے بانیوں کو متہم اور بدنام کرتے تھے لیکن بعنایت الہی ان

تمام مخالفوں اور مزاحمتوں سے مدرسہ کو بجائے اسکے کہ کچھ صدمہ پہنچے زیادہ قوت و استحکام ہوتا گیا۔ اور رفتہ رفتہ وہ اس آیت کا مصداق ہوگیا۔

«کزرع اخرج شطاءہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع»

لیکن جو اختلاف یا مخالفت مسودہ قانون مذکور کے ساتھ کی گئی ہے یہ ایک اندرونی مخالفت ہے جو خود مدرسہ کے بانی اور اس کے بعض اعوان و انصار میں پیدا ہوئی ہے اور اس لئے وہ مدرسہ کے حق میں نہایت خطرناک ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جناب مولوی محمد سمیع اللہ خان صاحب اور تمام ممبران کالج فنڈ کمیٹی کو بلا شبہ یہ استحقاق حاصل تھا اور حاصل ہے کہ مسودہ مذکور کی کل یا بعض دفعات سے اختلاف یا ان پر اعتراض کریں اور اس مسودہ کو من حیث المجموع منظور کریں یا نہ کریں لیکن جس طریقہ سے مولوی صاحب نے اس پر نکتہ چینی کی ہے اگر میری رائے غلط نہیں تو ایسی نکتہ چینی کا استحقاق ان کو یا کسی اور ممبر کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے اختلاف نہیں کیا بلکہ مخالفت کی ہے اور بیان کا ایسا عنوان اختیار کیا ہے جس سے ذاتی رنجش کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اکثر دفعات کو سید صاحب کی خود غرضی پر محمول کرتے ہیں۔ انھوں نے سید صاحب اور سید محمود کے مذہب پر بھی تعریض کی ہے جو کسی طرح ان کو زیبا نہ تھی۔ الغرض انھوں نے اس تحریر میں ایسا انداز اختیار کیا ہے۔ جو بلا شبہ سید صاحب کا اور ان تمام مسلمانوں کا جن کے دل سید صاحب کی عظمت اور احسان مندی سے لبریز ہیں دل دکھانے والا اور مدرسہ کے مخالفوں کا خوش کرنے والا ہے۔

انسان کی ان تمام کمزوریوں میں سے جو قابل تعریف ہیں سب سے زیادہ افسوس کے قابل یہ بات ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں کی ہزاروں خوبیوں کو جن کا اس کو یقین ہے ایک ادنی برائی کے شبہ سے جس کا کوئی ثبوت اس کے پاس نہیں بالکل نسیاً منسیا کر دیتا ہے اور اس کے تمام حقوق و احسانات پر پانی پھیر دیتا ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ جس طرح ادنی اور اوسط درجے کے لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں اسی طرح اعلیٰ طبقے کے لوگ بھی اس علت سے مستثنی نہیں ہیں۔

(باقی)

نقد و تبصرہ

عبدالرزاق قریشی، انجمن اسلام، بمبئی

لطائف السعادت

لطائف السعادت، نواب سعادت علی خاں والیٔ اودھ کے لطیفوں کا مجموعہ ہے جنہیں اردو کے مشہور شاعر انشاءاللہ خاں انشا نے جمع کیا ہے۔ یہ کتاب نایاب تھی۔ اتفاق سے ڈاکٹر آمنہ خاتون کو جو انشا سے خاص دلچسپی رکھتی ہیں، اس کا علم ہوا اور انہوں نے اس کی اوٹوگراف کاپی برٹش میوزیم، لندن سے منگائی۔ اور اسے مرتب کر کے شائع کیا۔ یہ لطیفے فارسی زبان میں ہیں۔ آمنہ خاتون نے اس خیال سے کہ بہت سے اردو داں فارسی نہیں جانتے اردو میں ان کا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ خود آمنہ خاتون کے الفاظ میں «مطبوعہ نسخے میں لطائف السعادت کا متن اس التزام سے لکھا گیا ہے کہ ہر سطر کی ابتدا اسی لفظ سے اور انتہا اسی لفظ پر ہوتی ہے جو اصل نسخے میں ہے» اور «دائیں طرف کے آدھے صفحوں میں متن اور بائیں طرف کے آدھے صفحوں میں اس کا ترجمہ ہے۔»

ترجمہ کے متعلق آمنہ خاتون کا بیان ہے کہ

> «اردو ترجمہ تقریباً تحت اللفظ ہے تاکہ فارسی متن سے قریب تر رہے»

اسی سلسلہ میں ایک دوسری جگہ لکھتی ہیں

> «فارسی متن کے سمجھنے میں ایسی غلطیاں نہیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے میری فارسی دانی مشکوک ہوگئی ہو یا لطائف السعادت کا مطلب خبط ہوگیا ہو»

ترجمہ بڑی حد تک شگفتہ ہے اور مطالب کہیں بھی خبط نہیں ہونے پایا ہے۔ اگر کہیں کوئی جملہ کھٹکتا ہے تو اسکی وجہ وہی تحت اللفظ ترجمہ ہے یا خود مصنف کے انداز بیان کی خرابی یا کم زوری۔

آمنہ خاتون نے کتاب محنت اور سلیقہ سے مرتب کی ہے۔ متن کو صحت کے ساتھ پیش کرنے کے علاوہ صحیح املا، اعراب وغیرہ کا بھی خیال رکھا ہے۔ مخطوطہ کی کتابت کے زمانہ کے متعلق اگرچہ مرتبہ نے کچھ نہیں لکھا، لیکن یہ یقیناً اس زمانہ

کا مخطوطہ ہے جس رسم خط سے متعلق آج کے سے قواعد نہیں تھے۔ یائے معروف و یائے مجہول کے املا میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ کاف فارسی و کاف عربی دونوں کا صرف ایک مرکز ہوتا تھا۔ اعراب، اعراب کی خاطر کم، حسن کی خاطر زیادہ لگائے جاتے تھے۔ الف ممدودہ پر کہیں مد لگاتے اور کہیں نہ لگاتے۔ آمنہ خاتون نے کتاب کی طباعت کے لئے جو نسخہ تیار کیا اس میں ان تمام باتوں کا خیال رکھا ہے۔ مخطوطہ میں بہت سے الفاظ کی ہجے غلط ہیں، مثلاً حشو (حوشو) اسطلاحی (اصطلاحی) وغیرہ۔ خاتون موصوف نے اپنے مرتبہ نسخہ میں صحیح ہجے استعمال کی ہیں۔ جو جو الفاظ اور عبارتیں انھیں غلط معلوم ہوئیں ان کی تصحیح کردی اور غلط لفظ یا جملہ (یعنی اصل) متن کے حاشیہ میں لکھ دیا ہے۔ ان غلطیوں کی تصحیح کے علاوہ انھوں نے بعض اور امور کا التزام کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

«ماضی مطلق اور مضارع کے صیغوں پر جو سابقے آتے ہیں اگر وہ معنوی ہیں تو علاحدہ لکھے جائیں، مثلاً نہ می دارد، می خواستم وغیرہ۔»

لیکن فارسی قواعد کی رو سے اس کی پابندی ضروری نہیں اور (نہ) تو بہر حال ملا کر لکھنا چاہیئے۔ نہ می دارد صحیح نہیں، نمی دارد صحیح ہے۔ چونکہ یہ فارسی لفظ ہے اس لئے فارسی قواعد اور انداز تحریر کی پابندی ضروری ہے۔

کتاب کا سب سے اہم سرمایہ وہ حواشی ہیں جو مرتبہ نے لکھے ہیں۔ بعض حواشی اردو، فارسی، عربی کے جید عالم و محقق ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے بھی جو آمنہ خاتون کے علمی رہبر ہیں لکھے ہیں۔ مرتبہ نے مشکل اور غیر معروف لفظوں کے معنی بھی حاشیے میں دیدئے ہیں۔ لیکن بعض معروف الفاظ کے معنی بھی لکھ دئے ہیں، مثلاً ڈونگی، پھسل پڑنا وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ترجمہ، حواشی اور تشریحوں کی وجہ سے یہ مجموعۂ لطائف اردو کی اہم کتابوں میں شمار ہوگا ورنہ اصل لطائف میں کوئی خاص دلکشی نہیں۔ ان کی قدر و اہمیت محض تاریخی حیثیت سے ہوسکتی ہے۔

اصل کتاب ختم ہونے کے بعد مرتبہ نے لطائف السعادت کے زیر عنوان چند صفحوں میں کتاب کی وجہ تالیف و رفتار تالیف سے بحث کی ہے۔ یہ بحث کسی قدر گنجلک مگر اہم ہے۔ وجہ تالیف خود انشا نے کتاب کی ابتدا میں

بتا دی ہے۔
لطائف السعادت کی تمہید میں انشا نے وجہ تالیف یہ بتائی ہے:

«۔۔۔ حضرت پیر و مرشد ۔۔۔ یعنی نواب سعادت علی خاں بہادر کے ملیح کلام کے در شہوار جو اکثر بیان کے بازار میں نظر آتے ہیں۔ سننے والے ان کی کثرت کی وجہ سے بھلا دیتے ہیں۔ یہ کمترین ۔۔۔ اس بات پر آمادہ ہوا کہ ان روشن موتیوں کو جان کے بدلے خرید کر سب کو تحریر کے ڈبے میں بند کرے تاکہ آنے والوں کے کام آئیں۔ اللہ کی عنایت سے امید ہے کہ قیامت کے دن تک ہر روز تازہ پھول کاغذ کے دامن کی زینت بنے۔ چوں کہ یہ تصنیف میرے پیر و مرشد جناب مستطاب نواب سعادت علی خان بہادر کی طبع بلند کے قلزم زخار کی موجوں کی جنبش ہے اگر اس کا نام لطائف السعادت رکھوں تو مناسب ہے۔»

اس بیان کی بنیاد پر آمنہ خاتون لکھتی ہیں کہ۔

«اس بیان میں دو باتیں اہم ہیں۔ پہلی انشا نے سعادت علی خاں کے کل لطیفے لکھ لئے تھے ۔۔۔ دوسری ان لطائف کی یہ کثرت تھی کہ سننے والے ان کی کثرت کی وجہ سے انھیں بھلا دیتے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ لطائف السعادت کے لطیفوں کی موجودہ تعداد انشا کے ان اقوال کی تائید نہیں کرتی اور کوئی وجہ نہیں کہ موجودہ نسخہ کے پیش نظر جس کے کاتب یا مالک کسی کا ہمیں علم نہیں ہم یہ فیصلہ صادر کردیں کہ لطائف السعادت اصل میں اسی قدر لکھی گئی تھی۔»

بہت ممکن ہے کہ پیش نظر نسخہ کامل نہ ہو لیکن انشا کے انداز طبیعت کو دیکھتے ہوئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اس کام کو ادھورا چھوڑ دیا ہو۔ انشا کے اس جملہ سے کہ «اگر اس کا نام لطائف السعادت رکھوں تو مناسب ہے» لازماً یہ نتیجہ نکالنا کہ کتاب کی تصنیف مکمل ہوچکی تھی صحیح نہیں۔ کتاب کی تکمیل بلکہ تصنیف سے پہلے بھی کتاب کا نام رکھ لینا ممکن ہے اور ایسا اکثر ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا جملہ «سب کو تحریر کے ڈبے میں بند کرے[1]» ضروری نہیں کہ انشا نے

[1] یہاں مرتبہ کو عبارت کے پڑھنے میں تسامح ہوا ہے۔ اصل عبارت ہے: درج تحریر نماید نہ کہ دُرج تحریر نماید۔

اپنے ارادہ کی تکمیل کر ہی لی ہو۔ اس لئے محض ان حملوں کی بنا پر اس مجموعہ کو نا مکمل قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ بہر حال بقول آمنہ خاتون «انشا کی تصانیف سے دلچسپی رکھنے والوں کو لطائف السعادت کے مکمل نسخہ کی تلاش جاری رکھنی پڑیگی۔»

آمنہ خاتون نے ایک شبہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ

«ممکن ہے کہ لطائف السعادت کے لطائف انشا کے دماغ کی پیداوار ہوں اور انہوں نے انھیں سعادت علی خاں سے منسوب کردیا ہو۔»

اس شبہہ کو ثابت کرنے میں مرتبہ نے جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ وزن رکھتی ہیں اور ان کے قبول کرنے میں کسی کو تامل نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس سلسلہ میں انشا کی حمایت یا «بچ» میں انہوں نے آزاد، مولوی عبدالحق اور حالی پر جو تیر چلائے ہیں وہ بلا وجہ ہیں، ان لطیفوں کی سنجیدگی خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نواب سعادت علی خان کے لطیفے ہیں انشا جیسے «ہنسوڑ» کے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض لطیفے ایسے ہیں جو لطیفے کے حدود میں نہیں آتے۔

دریائے لطافت کی مختلف عبارتوں کی مدد سے آمنہ خاتون نے لطائف السعادت کے مستند ہونے کا «مزید ثبوت» پیش کیا ہے۔ اس ثبوت کے بعد اس امر میں قطعی شبہ کی گنجایش نہیں رہ جاتی کہ لطائف السعادت کے لطیفے نواب سعادت علی خاں کے سنجیدہ دماغ کی پیداوار ہیں۔ انشا کی زندہ دلی اور ظرافت طبع کا نتیجہ نہیں۔

«دربار کی زبان اور آداب» کے زیر عنوان مرتبہ نے لطائف السعادت سے بہت سے اہم نتائج اخذ کئے ہیں۔ دربار کی زبان کا انداز کیا تھا، دربار کے آداب کیا تھے مثلاً انشا بغیر اجازت بیٹھ نہیں سکتے تھے، بے تحاشا ہنسنا خلاف ادب تھا وغیرہ۔ انشا کی بعض عادتوں کا بھی استنباط کیا ہے۔ بے تحاشا ہنسنے کے سلسلہ میں خاتون موصوف نے لطیفہ نمبر ۳۹ کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ «اس کا اندازہ کہ نواب کے پاس کس قدر فالتو وقت تھا اس سے ہوتا ہے کہ اس ایک تحقیق[1] میں اس نے بہتر ۷۲ منٹ صرف کردئیے۔»

---

[1] یعنی ایک لطیفہ پر۔

نواب سعادت علی خاں برابر مصروف رہتے رہے ہوں، ان کی مصروفیت آج کی سی مصروفیت نہیں ہوسکتی ۔ موجودہ زمانہ کا مدبر کہیں زیادہ مصروف رہتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ سیر و تفریح کرتا ہے، جلسوں اور مشاعروں کی صدارت کرتا ہے دعوتوں میں شریک ہوتا ہے ۔ دوسری جنگ عظیم کی ہولناکیاں اور اضطراب کے روز و شب شاید آمنہ خاتون کو نہ بھولے ہوں ۔ ان دنوں میں بھی انگلستان کا وزیر اعظم چرچل ہر روز بلاناغہ دن میں چند گھنٹے سویا کرتا تھا ۔ اس لئے نواب سعادت علی خاں کے ایک دن بہتر مدت تفریح کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ ان کے پاس فالتو وقت بہت تھا ۔

کتاب کے بعض ابواب مثلا (۱) انشا کی شرافت نسبی، حیثیت عرفی اور فضیلت علمی (۲) انشا آب حیات میں (۳) آب حیات میں انشا کے لطیفوں کی حقیقت (٤) قتیل کے خلوص میں اشتباہ وغیرہ اصل موضوع یعنی لطایف السعادت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ۔ خود آمنہ خاتون کو بھی اس کا احساس ہے کہ

> « اس کتاب میں بہت سے ایسے مضمون ہیں جن کا تعلق براہ راست
> لطائف السعادت سے نہیں ہے ۔ لیکن ان کا تعلق انشا سے ضرور ہے ۔
> تذکرۂ آب حیات کی اشاعت کے زمانے سے تاریخ ادب اردو میں
> سید انشا پر جو ظلم ڈھائے گئے ہیں ان کی نظیر دنیائے اردو میں
> نہیں ملتی ۔ »

مذکورہ بالا ابواب تقریبا ۸۵ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں ۔ بہتر ہوتا کہ انہیں ایک الگ رسالہ کی شکل میں شائع کیا جاتا ۔ اس صورت میں « مظلوم » انشا کی حمایت و وکالت نسبۃً زیادہ مؤثر طریقہ پر ہوسکتی ۔ بہر حال خاتون محترم نے ان مضامین میں داد تحقیق دی ہے اگرچہ کہیں کہیں عصبیت کی جھلک آگئی ہے ۔

آمنہ خاتون کی تحقیق و کاوش کے پیش نظر مطبوعہ نسخہ کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے ۔ کتابت و طباعت دوسرے درجہ کی ہے اور کاغذ بھی اوسط درجہ کا استعمال ہوا ہے ۔ ایسی علمی و محققانہ کتاب کو خوب صورت ٹائپ میں اعلا درجہ کے کاغذ پر چھپنا چاہئے تھا ۔

کتاب ڈاکٹر آمنہ خاتون سے نمبر ۳۳۹۱ فسٹ عیدگاہ، میسور سے طلب کی جاسکتی ہے ۔ قیمت پانچ روپے ۔

تبصرے

(۱) روشنی کے مینار ـ مصنفہ : جیلانی بانو ـ ناشر : نیا ادارہ لاہور
ضخامت : ۳۶۲ صفحات ـ قیمت : پانچ روپے

تقسیم ہند کے بعد جو نئے افسانہ نگار سامنے آئے ان میں ایک جیلانی بانو بھی ہیں۔ ان کے مختصر افسانے وقتاً فوقتاً ادب لطیف، سویرا، لیل و نہار اور صحیفہ وغیرہ میں چھپتے رہے ہیں اور اب پہلی بار ان کے افسانوں کا مجموعہ «روشنی کے مینار» کے نام سے ہمارے سامنے آیا ہے۔

یہ ان کے پندرہ مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے، ابتدا میں « تین لکیریں » کے عنوان سے خود مصنفہ کا لکھا ہوا ایک پیش لفظ ہے جس میں انھوں نے اپنے فن اور افسانوں کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔ تقریباً تمام افسانوں کے کردار مقامی ماحول سے اکٹھا کئے گئے ہیں۔ بھنور اور چراغ، پنچھوں کی رائے، چھمیا اور نئی عورت اچھے افسانے ہیں۔

موم کی مریم، مٹی کی گڑیا اور روشنی کے مینار میں فرائیڈ کے جنسی نظریات کا سہارا لینے کی کوشش کی گئی ہے جن میں اب کوئی جان نہیں رہی، اور پھر بھوک سلگنا (۱۸۱) نجیب الطرفیوں (۲۲۰) عواموں (۳۱۰) نعرہ پیٹنا (۳۱۲) حواسوں (۳۲۸) الفاظ و محاورات کے سلسلہ میں جگہ جگہ اس قسم کی بے راہ روی طبیعت پر گراں گذرتی ہے۔

نیا ادارہ لاہور نے اپنی روایت کے مطابق خوبصورت ٹائپ میں شاندار طریقہ پر اس کو چھاپا ہے۔ جو لوگ نئے افسانوں کی رفتار ترقی کا جائزہ لینا چاہتے ہیں ان کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۲) تلامذۂ غالب ـ مصنف : مالک رام ـ ناشر : مرکز تصنیف و تالیف، نکودر
ضخامت : ۳۱٤ صفحات ـ قیمت : سات روپے آٹھ آنے

غالبیات پر جن لوگوں کی نظر گہری ہے ان میں ایک مالک رام بھی ہیں۔ اس موضوع پر ان کے ان مضامین کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً علی گڑھ میگزین، اُردو ادب اور آجکل وغیرہ میں مستقل طور پر چھپتے رہتے ہیں، ان کی دو اہم کتابیں ذکر غالب اور دیوان

غالب بھی شائع ہوچکی ہیں۔ تلامذۂ غالب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس کے کچھ حصے اُردو ادب علی گڑھ کے بعض شماروں میں شائع ہوئے تھے۔ لیکن باقاعدہ ایک مکمل کتاب کی صورت میں یہ پہلی بار ہمارے سامنے آئی ہے۔

اس میں غالب کے ایک سو چھیالیس شاگردوں کے حالات زندگی بڑی محنت اور تحقیق سے جمع کئے گئے ہیں اور پھر ہر ایک کے کلام پر مختصر سا تبصرہ اور اس کے کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔ ان شاگردوں کے حالات کے سلسلہ میں جہاں کہیں کسی اہم شخصیت کا ذکر آگیا ہے اس کے حالات بھی مختصر طور پر حاشیے میں دیدئیے ہیں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ چھبیس شاگردوں کی تصویریں بھی مہیا کی گئی ہیں جن میں چھ سات پہلی بار منظر عام پر آئی ہیں۔

اس طرح موضوع کی اہمیت، مصنف کی محنت اور اس کے جچے تلے اور دلکش انداز بیان نے کتاب کو کافی دلچسپ بنادیا ہے۔ کتابت و طباعت بھی معیاری ہے۔ امید ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

(۳) فکر و ادب ۔ مصنف دیویندر اسر ۔ ناشر: مکتبۂ قصر اُردو، اُردو بازار، دہلی
ضخامت ۱۹۰ صفحات ۔ قیمت: تین روپے آٹھ آنے

جو لوگ آج کل، شاہراہ اور تحریک وغیرہ کا پابندی سے مطالعہ کرتے ہیں ان کے لئے اسر کا نام کوئی نیا نہیں ہے وہ نہ صرف ایک اچھے افسانہ نگار ہیں بلکہ ان کے تنقیدی مضامین بھی جچے تلے اور غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ گیت اور انگارے کے نام سے چھپ چکا ہے۔ فکر و ادب ان کی دوسری تصنیف ہے۔

یہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے پہلے اور دوسرے باب میں ادب اور زندگی سے متعلق تمام اہم مغربی مفکرین کے نظریات پیش کرکے ان پر تنقید کی گئی ہے اور باقی تین ابواب میں ادیب، ادب اور تنقید کے مسائل بیان کرکے ان کے صحیح منصب کو متعین کیا گیا ہے، کتاب مجموعی طور پر بصیرت افروز ہے اور خاص طور پر اس کا تیسرا باب پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں ادیب کی آزادی، ادیب اور سیاست، ادب اور سرکار پرستی، ادب، جمہوریت اور آمریت کے ذیلی عنوانوں کے تحت ادیب اور حکومت کے نازک رشتوں کو واضح کرکے بتایا ہے کہ ادیبوں کے لئے حکومت کا عتاب اور اس کی

عنایتیں دونوں روپ قاتل ہیں۔

ہر ادب سے دلچسپی رکھنے والا اس کا مطالعہ کر سکتا ہے اور خاص طور پر جو ادیب مارکس، ڈارون اور فرائڈ کی پیروی کر کے ترقی پسندی کے تمام حقوق اپنے لئے محفوظ کر لیتے ہیں ان کے لئے اس کا مطالعہ کافی دلچسپ ہوگا۔

(٤) تصویر جاناں ۔ مرتب : خواجہ حمید الدین شاہد، ناشر : مشترکہ کمیٹی مجلس اشاعت دکنی مخطوطات و دکھنی ساہتیہ پرکاش سمیتی حیدر آباد دکن
ضخامت : ٧٠ صفحات قیمت درج نہیں۔

یہ ٧٢٨ اشعار پر مشتمل ایک دکھنی مثنوی ہے جو سنہ ١١٨٨ھ میں لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے لکھی تھی۔ جیسا کہ خود شفیق نے مثنوی کے آخر میں ظاہر کیا ہے۔

سراپا کی مجھے تھی فکر منظور   ہوئی ضمناً کہانی یہ بھی مذکور

اس مثنوی میں مثالی محبوب کا سراپا بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور آخر میں خانہ پری کےلئے ایک گدا زادہ اور شہزادی کا فسانۂ عشق بھی نظم کر دیا ہے۔

یہ مثنوی مخطوطہ کی شکل میں بعض لائبریریوں میں محفوظ تھی۔ مرتب کے بیان کے مطابق اس کی ترتیب کی طرف سب سے پہلے ابو عمر صاحب یافعی نے سنہ ١٩٢٨ء میں توجہ دی اور اپنے ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ حیدرآباد کے ایک سہ ماہی رسالہ تجلی میں اسے شائع کرایا تھا۔ لیکن مستقل کتاب کی صورت میں اب یہ پہلی بار ہمارے سامنے آئی ہے۔

زیر تبصرہ نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد اور سپرو کمیٹی الہ باد کے نسخوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور جہاں کہیں کوئی مشکل لفظ آ گیا ہے اس کے نیچے اس کے معنی بھی دے دیئے ہیں۔ ابتدا میں مرتب کی طرف سے چودہ صفحات کا ایک مقدمہ ہے۔ جس میں شفیق کے حالات زندگی، انؔ کی تصانیف کا حال اور زیر تبصرہ مثنوی کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں، متن کی صحت کا کافی خیال رکھا گیا ہے شفیق کی ادبی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

(٥) رضوان شاہ و روح افزا ۔ مرتب : سید محمد، ناشر : مشترکہ کمیٹی مجلس

اشاعت دکنی مخطوطات و دکھنی ساہتیہ پرکاش حیدر آباد دکن
ضخامت۔ ١٦٦ صفحات قیمت: دو روپیے۔

یہ ابوالحسن تانا شاہ (۹۸۔۱۰۸۳ھ) کے عہد کے ایک دکھنی شاعر فائز کی مثنوی ہے۔ جس کے بنیادی کردار رضوان شاہ اور روح افزا ہیں، رضوان شاہ چین کے بادشاہ کا اکلوتا لڑکا ہے، جو روح افزا نامی پری پر عاشق ہوجاتا ہے اور مختلف مصائب کا سامنا کرنے کے بعد اپنی محبوبہ کو حاصل کرلیتا ہے۔

مختلف لائبریریوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں، مرتب نے کتب خانۂ سالار جنگ، کتب خانۂ آصفیہ اور بعض خانگی نسخوں کو سامنے رکھ کر زیر تبصرہ نسخہ مرتب کیا ہے۔

ابتدا میں مہدی نواز جنگ کے قلم سے چار صفحات کا ایک پیش لفظ ہے جس میں مجلس دکھنی مخطوطات کے قیام، اس کے علمی کارنامے اور مرکزی و صوبائی حکومتوں کی عنایات کا ذکر ہے۔ پھر مرتب کی طرف سے دس صفحات کا ایک مقدمہ ہے، اس میں مثنوی کے مصنف فائز کے حالات معلوم نہ ہونے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اس کی زبان، اس کے پلاٹ اور اور اس کے مختلف نسخوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں چار صفحوں کی فرہنگ ہے جس میں مثنوی کے مشکل الفاظ کے معنی دئیے گئے ہیں۔

مثنوی محنت سے مرتب کی گئی ہے اور دکھنیات پر کام کرنے والوں کے لئے کام کی چیز ہے۔

(٦) **چندر بدن و مہیار** ۔ مرتب: محمد اکبر الدین صدیقی ۔ ناشر: مشترکہ کمیٹی مجلس اشاعت دکنی مخطوطات اور دکھنی ساہتیہ پرکاش سمیتی، حیدرآباد
ضخامت: ۱۲۰ صفحات ۔ قیمت: درج نہیں

چندر بدن و مہیار ایک مشہور دکھنی مثنوی ہے جس کو مقیمی نے گیارھویں صدی ہجری میں مرتب کیا تھا۔ مختلف کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود تھے۔ سنہ ۱۲۹۰ھ میں کریمی پریس بمبئی کی طرف سے یہ ایک بار شائع بھی ہوئی تھی لیکن مثنوی کی ادبی اور لسانی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ کوئی اس کو جدید تقاضوں کے مطابق ترتیب دے کر شائع کرتا اور یہ خدمت محمد

اکبر الدین صاحب صدیقی نے انجام دی ہے۔

ابتدا میں تہتر صفحات پر مشتمل مرتب کا مقدمہ ہے جس میں مقیمی کے حالات زندگی، اس کی تصانیف، اس کے معاصرین شعرا کا حال، مثنوی کی ادبی خصوصیات، اس کے پلاٹ کی مقبولیت اور مختلف کتب خانوں میں اس مثنوی کے موجودہ نسخوں کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور مختلف تاریخی شہادتوں کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مقیمی کے آباء و اجداد کا تعلق مشہد سے تھا لیکن وہ خود بیجاپور میں پیدا ہوا اور فارسی کے ساتھ ساتھ دکھنی میں بھی مہارت پیدا کی۔ مذکورہ بالا مثنوی کے علاوہ ایک فارسی دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے۔ اس طرح مقیمی کے تعین حالات کے سلسلہ میں ڈاکٹر زور اور ڈاکٹر نذیر احمد کے بعد یہ تیسری کوشش ہے اور ایک نئے زاویۂ نظر کو پیش کرتی ہے۔

مثنوی میں جہاں کہیں مشکل لفظ آگئے ہیں فٹ نوٹ میں ان کی وضاحت کردی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ دکھنی ادب سے دلچسپی رکھنے والے احباب اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

(۷) **بستان المحدثین** ۔ مترجم: مولانا عبد السمیع دیو بندی، ناشر نور محمد کارخانۂ تجارت کتب آرام باغ کراچی، ضخامت: ۲۳۰ صفحات

قیمت: پانچ روپے

بستان المحدثین در اصل شاہ عبد العزیز رح کی تصنیف ہے، ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے بعد جس شخص نے تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے علم حدیث کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے وہ ان کے لائق فرزند شاہ عبد العزیز ہیں۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی اہم تصانیف کے تراجم کے سلسلہ میں تو کچھ کام ہوا ہے لیکن شاہ عبد العزیز اور ان کے علمی کارناموں کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب نے جو کہ علمی اور دینی کتابیں شائع کرنے میں اپنی ایک روایت رکھتا ہے اس طرف توجہ کی ہے اور شاہ صاحب کی کتاب بستان المحدثین کا اردو ترجمہ شائع کرکے اس کمی کو کسی حد تک پورا کیا ہے۔

اصل کتاب فارسی میں ہے۔ اس میں حدیث کے تقریباً ایک سو ایسے مجموعوں

کا تعارف ہے جو علم حدیث کے لئے سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس ضمن میں ان کے مرتبین اور شارحین کے حالات زندگی بھی نہایت تفصیل کے ساتھ آگئے ہیں، اس طرح یہ کتاب بلند پایہ محدثین اور ان کی تالیمات کا ایک ایسا تذکرہ ہے جس کا مطالعہ علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے ہر فرد کو کرنا چاہئے۔

ترجمہ نہایت آسان واضح اور صاف ہے۔ ابتدا میں مترجم کی طرف سے دو صفحوں کا ایک مختصر سا نوٹ ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ یہ ترجمہ کن کی فرمایش سے کیا گیا۔ اور اس ترجمہ میں کن باتوں کا خیال رکھا گیا۔ امید ہے کہ علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے احباب اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

(٨) اصح السیر ۔ مصنف: ابو البرکات عبد الرؤف داناپوری، ناشر: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، ضخامت ٦٥٦ صفحات
قیمت دس روپے۔

رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ پر اب تک اردو زبان میں بیسیوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، بعض بہت مقبول ہوئیں اور بعض گوشۂ گمنامی میں پڑی رہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا محبوب موضوع ہے کہ سعدی کے قول کے مطابق نہ اس کے حسن کی کوئی انتہا، نہ بیان کرنے والے کے پاس الفاظ کی کمی۔ مستسقی پیاسا ہی مرجائے گا اور دریا بہتا رہے گا سیرۃ کے موضوع پر چھپنے والی ہر نئی کتاب اس قول کی تصدیق کرتی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کی ابتدا میں تقریباً چوالیس صفحات کا ایک مقدمہ ہے جس میں مصنف نے یہود و نصاری کی اپنے مذہب سے بے پروائی، قرآن و حدیث کا تحفظ، سیرت رسول کی تدوین میں کام آنے والا مواد اور اپنی کتاب کی خصوصیات پر تفصیل سے بحث کی ہے اور پھر قرآن و حدیث کی مدد سے رسول اللہ کے حالات زندگی نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ مقدمہ کی زبان مناظرانہ ہے لیکن اصل سیرت کی زبان متین و سنجیدہ ہے۔ واقعات کی چھان بین اور مسائل کی وضاحت میں بڑی احتیاط اور عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ بلا شبہ اس موضوع پر تواریخ حبیب اللہ، سیرۃ النبی، رحمۃ اللعالمین النبی الخاتم اور حیات سرور کائنات کے بعد اُردو زبان میں یہ چھٹی اہم کتاب ہے۔ اُمید ہے کہ لوگ اس کو ذوق و شوق سے پڑھیں گے۔

○ ○ ○

ضمیمہ

مَقالہ نُما

مرتبین

عالی جعفری ۔ حامد اللہ ندوی

فہرست عنوانات

۱ ابوالاعلیٰ مودودی :

اسلام میں قانون سازی کا دائرۂ عمل اور اُس میں اجتہاد کا مقام

(ترجمان القرآن ۵۸ء جنوری ۲۰۹-۲۲۰)

یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ کی ایک نشست میں مورخہ ۳ جنوری ۱۹۵۸ء کو یونیورسٹی ہال (لاہور- پاکستان) میں پڑھا گیا - اس میں مسئلہ اجتہاد اور اس کے متعلقہ گوشوں پر توضیحی نظر ڈالی ہے - آخر میں استدراک کے عنوان کے تحت مقالہ پر ایک صاحب کے عائد کردہ اعتراضات مع جوابات درج کئے ہیں -

۲ ابوالاماں امرتسری :

گرونانک اور قرآن

(ثقافت لاہور ۵۸ء مارچ ۴۳-۴۷)

کتب سماوی اور خاص کر قرآن مجید کے احترام کے متعلق گرونانک کے اقوال کی وضاحت کی ہے -

۳ ابوزہرہ محمد :

کتاب و سنت

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء مارچ اپریل ۲۱)

استنباط احکام کے سلسلے میں قرآن و حدیث کا درجہ متعین کیا گیا ہے - اور بتایا گیا ہے کہ جو شخص حدیث سے بے نیاز ہو کر علم شریعت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ گمراہ ہے -

۴ مصنف - احمد راتب النفاخ :
مترجم - خلیل حامدی

مغربی مفکرین کی اسلام سے بے خبری

(چراغ راہ کراچی ۵۸ء جنوری ۲۱-۳۱)

اس مقالہ میں مستشرقین اور ان کے مسلمان شاگردوں کے علمی و اسلامی کارناموں کا جائزہ لیتے ہوئے دکھایا ہے کہ وہ اسلام اور اس کے اصولوں سے بے خبری برتتے اور اسلام کی مسخ شدہ صورت پیش کرتے ہیں -

۵ امین احسن اصلاحی :

ریاست کا اسلامی تصور

(ترجمان القرآن ۵۸ء جنوری ۲۲۱-۲۲۶)

یہ مقالہ عربی میں تھا جو بین الاقوامی مجلس مذاکرہ منعقدہ لاہور (پاکستان) میں پڑھا گیا تھا - یہاں اس کا اردو ترجمہ درج ہے - اس میں اسلامی تصور ریاست کی وضاحت کی ہے جس کا تعلق خلافت ، امامت اور امارت سے ہے - ویسے ریاست کی اصطلاح اسلام نے استعمال نہیں کی ہے -

۶ امین محمد تقی :

فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء فروری ۸۵-۱۰۷)

روم و یونان کے نظام قانون پر مختصر طور سے روشنی ڈالنے کے بعد عربوں کے نظام قانون کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اور آخر میں اسلامی نظام قانون کو آخری مگر جامع قانون کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

۷ اطہر شاہ کشمیری

آل عمران کے بعض نئے گوشے

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء جنوری ۱۷-۲٤)

سورۂ آل عمران کے نزول کا پس منظر اور اس کے بعض اہم مقامات کی وضاحت۔

۸ بدر عالم

عصمت انبیاء پر ایک تحقیقی نظر

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء مارچ اپریل ۳۶-٤۳)

عصمت کے شرائط بیان کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ انبیاء کرام معصوم تھے۔ اگر ان سے کوئی بھول بھی ہوئی ہے تو پتہ چلنے کے بعد انہوں نے خدا سے معافی مانگی ہے۔

۹ حمید اللہ ڈاکٹر

فقہ کی تشکیل اور آغاز کا معمہ

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء مارچ ۱٦۵-۱۸٤)

یہ مقالہ جامعۃ الجزائر کے پروفیسر قانون گ، ہ، بوسکے کے ایک مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اس میں فقہ اسلامی کے آغاز و ارتقا سے بحث کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ فقہ اسلامی بذات خود ایک نظام قانون ہے۔ اس پر فارسی، رومی اور یہودی قوانین کا کوئی اثر نہیں۔ (باقی)

۱۰ حمید اللہ ڈاکٹر :

موتمر مستشرقین عالم کا اجلاس میونک سنہ ۱۹۵۷ء

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء مارچ ۲۲۸-۲۳۵)

موتمر مستشرقین عالم کا چوبیسواں اجلاس ۲۸ اگست تا ٤ ستمبر ۱۹۵۷ء میونک مغربی جرمنی میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں دنیا بھر کے تقریباً پندرہ سو فضلا نے حصہ لیا۔ اس مضمون میں اس اجلاس کی مختصر روئداد اور اس میں پڑھے ہوئے بعض اہم مقالوں کی فہرست دی گئی ہے۔

۱۱ خلیفہ عبد الحکیم ڈاکٹر .

اسلام اور مذہبی رواداری

(ثقافت لاہور ۵۸ء مارچ ٦-۱۷)

دینی آزادی کا مفہوم، صلح پسندی، یہود و نصاریٰ سے مراعات، عبادت گاہوں کا احترام، آزادی اور رواداری، غیر مسلموں سے معاہدے، تبلیغ کے طریقے، بنیادی تصور، ان ذیلی عنوانات کے تحت اپنے مقصد کو واضح کیا ہے۔

۱۲ خلیل حامدی:

بین الاقوامی اسلامی مذاکرہ کے شب و روز

جنوری سنہ ۱۹۵۸ء میں پاکستان میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی اسلامی مذاکرہ کے شبانہ روز کے تاثراتی واقعات پیش کئے ہیں۔

۱۳ ڈاکٹر بشیر احمد:

مسئلہ اجتہاد اقبال کی نظر میں

(ثقافت لاہور ۵۸ء جنوری ۱۸-۳۱)

مسئلہ اجتہاد کے سلسلہ میں اقبال جو نظریات رکھتے تھے ان کی تفصیلات خود ان کے اشعار و خطوط کی مدد سے بیان کی گئی ہیں۔

۱۴ سعید رمضان۔

ہم کیا چاہتے ہیں؟

(چراغ راہ کراچی ۵۸ء فروری ۳۵-۴۱)

اس عنوان کے تحت المسلمون (دمشق) کی دعوت اور پروگرام درج ہے۔

۱۵ سہیل عتیق الرحمٰن۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

(الفرقان لکھنؤ ۵۸ء مارچ اپریل ۳۳-۵۴)

حکیم عبد الرحیم اشرف ایڈیٹر المنبر کے جماعت اسلامی سے الگ ہونے کی داستان اور مولانا مودودی کے بعض نظریات پر اشرف صاحب کے اعتراض۔

۱۶ شمس محمد سلیم الدین:

ارتقائے انسانیت کا اعلیٰ مقام

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء فروری ۳۴-۴۵)

پرویز صاحب نے اپنی مشہور تصنیف معارف القرآن میں معراج کے جسمانی ہونے کی مخالفت کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات کا مذاق اڑایا ہے۔ یہ مضمون اسی کا جواب ہے۔

۱۷ عبد الرحمٰن شوق۔

منکرین حدیث بعض احکام الٰہی کے بھی منکر ہیں

(عارف لاہور ۵۸ء مارچ ۱۵-۱۸)

منکرین حدیث کا خیال ہے کہ نماز پنجگانہ کا قرآن میں ذکر نہیں۔ مضمون میں قرآن کی آیتوں سے نماز پنجگانہ کی فرضیت ثابت کی گئی ہے۔

۱۸ عبدالرحمٰن خان منشی۔

پردہ

(فاران کراچی ۵۸ء مارچ ۹-۱۷)

پردہ کی اہمیت کا بیان تاریخی واقعات اور قرآن و حدیث کی روشنی میں۔

۱۹ عبد الرحمٰن خان منشی:

کثیر الازدواجی

(فاران کراچی ۵۸ء فروری ۳۲-۳۷)

اسلام نے چار بیویوں کی جو اجازت دے رکھی ہے اس کے فوائد کی تفصیل۔ اور اس کی تائید میں بعض تاریخی حقائق

اور مغربی مفکرین کے بیانات کا حوالہ۔

۲۰ عبداللہ المدوسی:

یہودی مذہب

(فاران کراچی ۵۸، مارچ ۲٤-۳۸)

یہودی مذہب کے آغاز کی تاریخ اور اس کی تعلیمات پر روشنی ڈالنے کے بعد یہودیوں کی اجتماعی حالت اور مملکت اسرائیل کے قیام کا تاریخی و سیاسی پس منظر نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۲۱ عبدالوہاب عزام:

مسلم معاشرہ کو تہذیب جدید کا چیلنج

(ترجمان القرآن ۵۸، فروری ۲۷۷-۲۹۸)

جدید تہذیب جس کی پرورش مغربی تہذیب نے کی ہے ان عناصر کی حامل ہے جو خوبصورت انسانی معاشرہ کو درہم برہم کرتی رہی ہے، اسی لئے اس کے معائب اور اسلامی معاشرہ کے محاسن بلکہ عناصر ترکیبی کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ تہذیب جدید سے گریز لازمی و واجب ہے۔

۲۲ عثمانی ظفر احمد:

خطیب بغدادی اور منکرین حدیث

(مقام رسالت کراچی ۵۸، فروری ۲۰-۲۹)

منکرین حدیث نے خطیب بغدادی کی تاریخ کا سہارا لے کر امام ابو حنیفہ کو بھی منکر حدیث ثابت کرنے کوشش کی ہے۔ مضمون میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

(باقی)

۲۳ قمر امرتسری:

بہائی مذہب کا پس منظر

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۸، مارچ ۲۳-۳۹)

عبداللہ مستوفی کی کتاب "شرح زندگانی من" کے بعض اقتباسات کی مدد سے ثابت کیا گیا ہے کہ بہائی مذہب روسی ڈپلومیسی کی پیداوار ہے۔

۲٤ ابیب السعید مصری:

اسلامی حکومت میں ملازموں کے حقوق و فرائض

(ترجمان القرآن ۵۸، جنوری ۱٤۵-۱٦۲)

اسلامی لٹریچر میں مرقومہ عنوان سے متعلق وافر مواد ملتا ہے جنہیں اکٹھا کرنا چاہئے۔ اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ دور میں ملازمت اور ملازموں کے سلسلے میں جو قوانین اور نظریات مروج ہیں، ان سے کہیں بہتر امور اسلامی لٹریچر فراہم کرتا ہے۔ اس کا سرسری ذکر اس مقالہ میں ملتا ہے۔

۲۵ محمد اسحاق :

حفاظت حدیث قدرت کا ایک فرض ہے

(عارف لاہور۵۸ء فروری ۱۹-۳۱)

داخلی اور خارجی دونوں قسم کے اسباب بیان کرنے کے بعد بتایا ہے کہ قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت بھی قدرت کے ذمہ ہے -

۲۶ مصنف. محمد محمد حسین ڈاکٹر.

مترجم : خلیل حامدی.

دام ہمرنگِ زمیں

(چراغ راہ کراچی ۵۸ء جنوری۷-۲۰)

«اسلامی ثقافت اور دور حاضر کے ساتھ اس کا تعلق» ان مقالات کا مجموعہ ہے جو سنہ ۱۹۵۳ء میں امریکہ کے موتمر اسلامی میں پڑھے گئے تھے - موجودہ مقالہ اسی پر تبصرہ ہے جو بیروت کے عربی رسالے « الآداب » اور مصر کے « الازہر » میں چھپ چکا ہے - یہاں اسی کا ترجمہ درج ہے - اس میں دکھایا گیا ہے کہ یہ مقالات چند ایک کے سوا بیشتر اسلام دشمن عالموں کے لکھے ہوئے ہیں اور جو دوست ہیں ان کی تحریریں بھی یکسر پاک و صاف نہیں ہیں -

۲۷ محمد نجات اللہ صدیقی .

انفرادی ملکیت

(چراغ راہ کراچی ۵۸ء فروری۱۸-۲۳)

(مسلسل) اس قسط میں فرد و اجتماع کے مابین حقوق ملکیت کی تقسیم پر گفتگو کی ہے -

۲۸ مصطفے احمد زرقاء.

تعزیرات اسلامی

(ترجمان القرآن۵۸ء فروری ۲۹۹-۳۰۸)

تعزیرات کا مفہوم اور اس کی نوعیت بیان کرتے ہوئے شریعت اسلامیہ کے پیش نظر اسلامی تعزیرات پر روشنی ڈالی ہے -

۲۹ مظاہری ابراہیم احمد :

برمی زبان میں ترجمہ و تفسیر

(تذکرہ کراچی۵۸ء جنوری ۲۱-۲۷)

برمی زبان میں قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا وقتاً فوقتاً جو کچھ کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس کا سرسری تعارف -

۳۰ مہدی غلام :

اسلام میں فرد کے حقوق

(ترجمان القرآن ۵۸ء جنوری ۲۲۷-۲۳٤)

یہ مقالہ بین الاقوامی مجلس مذاکرہ منعقدہ لاہور، پاکستان میں پڑھا گیا تھا - اس میں اسلامی معاشرے کے ایک پہلو سے بحث کی گئی ہے یعنی یہ کہ اسلامی معاشرے

نے مرد کو کیا حقوق دیئے ہیں۔

۳۱ میر ولی الدین:

اسلامی تہذیب

(ترجمان القرآن ۵۸ء جنوری ۲۳۵-۲۴۷)

"کلچر" کا مفہوم بتلانے کے بعد اسلامی تہذیب کی نوعیت و کمیت توضیحی طور پر بیان کی ہے۔

۳۲ ندوی ابوالحسن علی

اسلامی زندگی کی تشکیل میں حدیث و سنت کا مقام

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء جنوری ۱۰-۱۶)

قرآن مجید، رسول اللہ کی ذات گرامی اور آپ کے ارشادات و ہدایات نے اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں کس قدر حصہ لیا، اس کی تفصیلات۔

۳۳ نعمانی محمد منظور

مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے میرا تعلق اور میری رائے کے مختلف دور

(الفرقان لکھنؤ ۵۸ء مارچ اپریل ۵۵-۹۹)

جماعت اسلامی کے قیام سے لے کر موجودہ دور تک مضمون نگار نے مولانا مودودی میں زہد و تقویٰ کی جو کمی محسوس کی اس کی تفصیل اور ان کی تائید و حمایت پر اظہار افسوس۔

۳۴ یعقوب شاہ۔

سود کے متعلق چند سوالات

(ثقافت لاہور ۵۸ء مارچ ۱۵-۳۳)

اسلام نے "ربوا" کو ناجائز قرار دیا ہے۔ آیا ہر قسم کا سود جو آجکل رائج ہے ربوا میں آتا ہے۔ یا کچھ ایسی صورتیں بھی ہیں جن پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس سوال کو قرآن و حدیث اور علماء کے اقوال سے حل کرنے کی ایک کوشش۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۵ اشفاق سیتا پوری۔

ریاض خیر آبادی کی ایک جھلک

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۸ء جنوری ۲۵-۳۴)

ریاض کے کلام کو پڑھنے کے بعد جو تصور قائم ہو سکتا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ شراب و کباب سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ وہ وارث علی شاہ سے بیعت اور فرض و سنت کے پابند تھے۔ شعر و شاعری اور زبان و ادب کا یہ رسیا بڑا خوش مذاق اور باذوق شاعر تھا۔ لکھنوی اسکول سے تعلق رکھنے کے باوجود اس نے ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ ان کی

شخصیت کا کچھ اندازہ رئیس احمد جعفری کی « رند پارسا » سے چل سکتا ہے ۔ انھیں اپنے بھائیوں سے بڑا تعلق تھا ۔

۳۶ اثر محمد علی خان :

تذکرۂ شعرائے رامپور کا ایک بلند پایہ شاعر

(اردو کراچی ۵۸ء جنوری ۸۹-۹۲)

مفتی بشیر الدین احمد بشیر کے حالات زندگی اور ان کے کلام کا نمونہ ۔

۳۷ احمد بشیر :

اکیلا

(سویرا لاہور شمارہ ۲۳- ۱۸۱-۱۹۴)

میراجی کی زندگی کا نفسیاتی تجزیہ اور اس کے بعض چشم دیدہ حالات ۔

۳۸ ادارہ :

بہادرانِ اسلام ۔
حضرت عبداللہ بن عمر

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۸ء فروری ۲۳-۲۸)

حضرت عبداللہ بن عمر کے حالات زندگی اور ان کے علم و فضل کا تذکرہ ۔

۳۹ ادارہ :

بہادرانِ اسلام ۔
حضرت ابوہریرہ دوسی

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۸ء مارچ ۲۵-۲۸)

حضرت ابو ہریرہ کے حالات زندگی اور ان کی کثرت روایت کے سلسلے میں ایک عام شبہ کا ازالہ ۔

۴۰ ادارہ :

مخمس دراحوال شاہجہاں آباد

(اردو کراچی ۵۷ء اکتوبر ۳۱۷-)

جعفر علی خان حسرت کے حالات زندگی اور دہلی پر ان کے لکھے ہوئے ایک شہر آشوب کا تعارف ۔

۴۱ اسعد گیلانی :

شاہ اسمٰعیل شہید

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء مارچ - اپریل)

شاہ اسمٰعیل شہید کے حالات زندگی اور ان کے علمی، تبلیغی اور جہادی کارناموں کا تذکرہ ۔

۴۲ امانت حسین، قاضی عبد الودود :

شاد عظیم آبادی شاگرد صفیر بلگرامی

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء فروری ۴۳-۴۴)

شاد عظیم آبادی، صفیر بلگرامی کے شاگرد تھے اس کی تائید میں سید امانت حسین اور قاضی عبد الودود کے بعض خطوں کا خلاصہ ۔

۴۳ ایوب قادری :

ریتا شاہ

(العلم کراچی ۵۸ء حوری تا مارچ ۳۸-۵۴)

حضرت اچھے میاں کے خلیفہ شاہ شہاب الدین مست معروف بہ میاں ریتا شاہ قادر گمج (ضلع پٹنہ) کے حالات زندگی، اور ان کی بعض کرامات کا تذکرہ -

۴۴ برکاتی منظورالحسن

سید سراج الدین احمد

(آجکل دہلی ۵۸ء فروری ۵۰-۵۵)

غالب کے خطوط میں سراج الدین نامی دو شخصیتوں کے نام ملتے ہیں - جن میں سے ایک ٹونک والے سراج الدین ہیں - انہی ٹونک والے سراج الدین کے حالات زندگی پر اس مضموں میں روشنی ڈالی گئی ہے -

۴۵ بزمی عزیز فاروق

اُردو زبان کے کچھ ہندو ارباب قلم

(شاعر بمبئی ۵۸ء جنوری ۲۰-۲۵)

اردو زبان کی ابتدا کا مختصر سا حال بیان کرنے کے بعد چندر بھان برہمن سے لے کر جگن ناتھ آزاد تک ہر عہد میں جو ہندو ادیب و شاعر پیدا ہوئے ان کا اجمالی تذکرہ کیا ہے -

۴۶ بشیر الدین پنڈت :

حاجی سید احمد صاحب بغدادی اور ملا محمد نظام صاحب

(العلم کراچی ۵۷ء اکتوبر تا دسمبر ۵۷-۶۹)

مشہور عالم صوفی اور قاری حاجی سید احمد بغدادی اور شاہجہاںپور کے ملا محمد نظام کے تعلقات اور حالات و واقعات بیان کئے ہیں -

۴۷ تمکین کاظمی .

علامہ شبلی نعمانی

(صبا حیدر آباد شبلی نمبر ۲۱-۳۲)

شبلی کے حالات، ان کی سماجی زندگی اور ان کی بعض نظموں کا پس منظر بیان کیا گیا ہے -

۴۸ تنہا محمد یحیٰی :

آہ ! خواجہ غلام الثقلین

(اردو کراچی ۵۸ء جنوری ۸۰-۸۸)

خواجہ غلام السیدین کے والد خواجہ غلام الثقلین کی زندگی کے بعض چشم دیدہ حالات -

۴۹ جائسی کبیر احمد :

دارالمصنفین کے بہاری رفقا (۱،۲،۳)

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء جنوری تا اپریل)

سید سلیمان ندوی، حاجی معین الدین ندوی، سید ابوالحسنات علی ندوی کے حالات

زندگی اور ان کے علمی و ادبی کارناموں کا تذکرہ۔

۵۰ جوش ملیح آبادی:

یادِ رفتگاں

(ماہ نو کراچی ۵۸ء جنوری ۷۔۹)

لکھنؤ کے دو بزرگ میر ضامن علی جلال اور میر بارق کے سلسلہ میں مضمون نگار کے بعض دلچسپ مشاہدات۔

۵۱ چشتی عبد الحلیم:

ابن الجرزی (۳)

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء جنوری ۶۲۔۷۶)

یہ مضمون کی تیسری قسط ہے۔ اس میں ابن الجرزی کی تقریباً تیس کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۵۲ حفیظ جالندھری ابوالاثر:

بقلم خود

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۳۸۔۴۱)

حفیظ کو شعر و شاعری سے دلچسپی کس طرح پیدا ہوئی اور زندگی کے مختلف مرحلوں میں اس کا کیا حال رہا۔ اس کی خود نوشتہ تفصیلات نہایت دلچسپ پیرایہ میں۔

۵۳ راز یزدانی:

نظام رامپوری کے سوانح حیات

(آجکل دہلی ۵۸ء مارچ ۱۵۔۲۱)

سید محمود ذکریا شاہ نظام پوری کے حالات زندگی نہایت تفصیل کے ساتھ۔

(باقی)

۵۴ رزاقی ضمیر احمد:

جہاں آرا بیگم

(تذکرہ کراچی ۵۸ء مارچ ۲۵۔۲۹)

اورنگ زیب عالمگیر کی بہن جہاں آرا بیگم کی رحمدلی کے بعض اہم واقعات کا تذکرہ۔ حیات صالح و دیگر تاریخی کتابوں کی مدد سے۔

۵۵ زبیری محمد امین:

وقار الملک مرحوم

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۲۷۔۲۸)

وقار الملک کے حالات زندگی، مختصر طریقے پر بیان کئے گئے ہیں۔

۵۶ زور محی الدین قادری:

شبلی کے بارے میں چند غیر مطبوعہ اطلاعات

(صبا حیدرآباد شبلی نمبر ۳۳۔۳۹)

زور صاحب کے والد حافظ ابوالبرکات شاہ غلام محمد زعم قندھاری نے تین جلدوں میں اپنی ایک سوانح لکھی ہے۔ جو ابھی طبع نہیں ہوئی۔ اس میں بعض مقامات پر مولانا شبلی کا ذکر ہے، حیدرآباد میں حالی اور شبلی کے طرفداروں کی نوک جھونک بیان کرنے کے بعد انہی مقامات کو یہاں پیش کیا گیا ہے۔

۵۷ زینت ساجدہ:

حیاتِ شبلی

(صبا حیدرآباد شبلی نمبر ۱۱-۲۰)

مولانا شبلی کے حالات زندگی اور ان کے علمی کارناموں پر ایک سرسری تبصرہ۔

۵۸ سخاوت مرزا

تذکرۂ عروس الاذکار

(اُردو کراچی ۵۸ء جنوری ۱-۳۲)

تذکرۂ عروس الاذکار کا تعارف۔ یہ حیدرآباد کے اُردو شعرا کا نایاب تذکرہ ہے جس کو مولوی نصیر الدین نقش نے سنہ ۱۲۸۷ تا ۱۲۹۲ھ میں مرتب کیا تھا۔ اس میں تین سو دس شعرا کے چشم دید حالات بیان کیے گئے ہیں۔

۵۹ سخاوت مرزا

حضرت مخدوم عبدالحق ساوی

(العلم کراچی ۵۸ء جنوری تا مارچ ۶۶-۷۳)

حضرت عبدالحق ساوی متوفی سنہ ۱۱۶۵ھ کے حالات زندگی اور ان کی اولاد، خلفا، معاصرین اور تصانیف کا تذکرہ۔

۶۰ سندر لال

شری اروند گھوش

(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۸ء فروری ۲۲-۲۵)

بنگال کے مشہور ادیب اور سیاسی رہنما شری اروند گھوش کے بعض حالات جو ان کی سیاسی اور ادبی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔

۶۱ شاہ علی ڈاکٹر:

فنِ سوانح نگاری

(اُردو کراچی ۵۷ء اکتوبر ۲۶۷-۳۱۶)

سوانح عمری کیا ہے۔ اس کے ماخذ کون سے ہیں۔ ان سب پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

۶۲ صلاح الدین احمد:

حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ

(عارف لاہور ۵۸ء مارچ ۱۱-۱۳)

خواجہ بختیار کاکی کے حالات زندگی اور ان کی بزرگی کے چند واقعات۔

۶۳ عالم خوندمیری:

اسلامی فکر کی تشکیلِ جدید میں شبلی کا حصہ

(صبا حیدرآباد شبلی نمبر ۴۷-۵۶)

اسلامی تعلیمات کو معقولات کی مدد سے جدید ذہن کے مطابق بنانے میں شبلی نے جو کام انجام دیا اس کا تفصیلی تذکرہ۔

۶۴ عبدالعلی خان:

محمد علی جوہر

(العلم کراچی ۵۸ء جنوری تا مارچ ۸۰-۹۹)

مولانا محمد علی جوہر کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمی، سیاسی، صحافتی اور ادبی زندگی کی تفصیلات۔

٦٥ عبد الواحد ابوظفر:

مقامات شبلی

(صبا حیدرآباد شبلی نمبر ٥٧-٦٧)

مضمون نگار نے شبلی کی علمی و ادبی سرگرمیوں کی جولان گاہ اعظم گڈھ، علی گڈھ، حیدرآباد، لکھنؤ، ان چار مقامات کو قرار دے کر ان کی لکھنؤ اور بمبئی کی شاعرانہ زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔

٦٦ عبد الواحد سندھی:

سسی پنوں

(ساقی کراچی ٥٨ء فروری ٦١-٦٢)

سندھ کے گیارھویں صدی ہجری کے ایک فارسی شاعر رضا ٹھٹھوی کے حالات اور اس کی فارسی مثنوی سسی پنوں کا تعارف۔

٦٧ عیاذ انصاری:

مولانا حسین احمد مدنی

(نگار لکھنؤ ٥٨ء مارچ ٧-١٠)

مولانا حسین احمد مدنی کی سیاسی زندگی کے کچھ اہم واقعات اور ان کی اخلاقی خوبیوں کا ذکر۔

٦ فاروقی نثار احمد:

مولانا آزاد کی شخصیت کے چند پہلو

(شاہراہ دہلی ٥٨ء مارچ ١٤-١٨)

مولانا آزاد کے علم و فضل، حافظہ، ذوق شعری، اسلوب بیان، سیرت اور خلوت پسندی وغیرہ کا تذکرہ۔

٦٩ قاضی اطہر مبارکپوری:

ساتویں صدی ہجری کے رجال السند و الہند (١، ٢، ٣)

(معارف اعظم گڈھ ٥٨ء جنوری تا مارچ)

ساتویں صدی ہجری اور اس سے پہلے کے ہندوستانی اور سندھی ارباب فضل و کمال کے حالات عام طور پر نہیں ملتے۔ مضمون نگار نے بڑی محنت سے عربی زبان میں رجال السند و الہند کے نام سے اس موضوع پر ایک کتاب مرتب کی ہے جو بہت جلد چھپ جائیگی۔ مضمون میں اسی کتاب کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

٧٠ قاضی عبد الودود:

فہرست کتب خانۂ گارساں دتاسی

(نوائے ادب بمبئی ٥٨ء جنوری ٥-٣٧)

گارساں دتاسی کے حالات زندگی، اس کے فروخت شدہ کتاب خانہ کا ذکر اور اہم کتابوں کے نام۔

٧١ قاضی معراج دھولپوری:

منشی بال مکند بے صبر

(اُردو ادب علی گڈھ ٥٧ء دسمبر ٩٤-١١٩)

بے صبر پر لکھے ہوئے بعض مضامین سے متعلق مختار الدین آرزو کی کچھ فرو گذاشتوں کی تصحیح، اور بے صبر اور ان کی تصانیف کے سلسلہ میں کچھ مزید معلومات۔

۷۲ قریشی عبد الرزاق:

سیف طیب جی مرحوم

(نوائے ادب بمبئی ۵۸ء جنوری ۴ـ ۴۷)

بدر الدین طیب جی کے پوتے سیف طیب جی مرحوم سابق صدر انجمن اسلام بمبئی کے حالات زندگی اور ان کے سماجی و علمی کارناموں کا تذکرہ۔

۷۳ پی، ایس اے:

اقبال

(اقبال لاہور ۵۸ء جنوری ۲۸ـ۶۰)

اقبال نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس کی تفصیل بیان کرنے کے بعد ان کے سیاسی اور مذہبی افکار کا جائزہ لیا ہے۔

۷۴ مالک رام

نواب علی بہادر خاں (باندہ)

(آجکل دہلی ۵۷ء فروری ۳۳ـ۳۷)

غالب نے اپنے بعض خطوط اور اشعار میں علی بہادر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی کی وضاحت کے سلسلے میں نواب علی بہادر خاں باندہ اور ان کے آباو اجداد کے حالات زندگی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

۷۵ ماہر القادری:

یادِ رفتگاں ـ علی اختر مرحوم

(فاران کراچی ۵۸ء مارچ ۳۹ـ۴۴)

علی اختر کی زندگی کے وہ گوشے جو ماہر کے مشاہدہ میں آئے۔

۷۶ محمد باقر ڈاکٹر:

شیخ عبد القادر ـ ایک ادارہ

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۲۵ـ۲۶)

شیخ عبد القادر کی شخصیت کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

۷۷ محوی صدیقی:

تذکرۂ فرح بخش

جن تذکروں میں مرزا غالب کا ذکر ملتا ہے ان میں تذکرۂ فرح بخش بھی ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں اس کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ پچیس شعرائے بھوپال کے حالات پر مشتمل ہے۔ نواب یار محمد خاں شوکت نے اس کو سنہ ۱۲۸۷ھ میں مرتب کیا تھا اور یہ سنہ ۱۲۸۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا تھا۔

۷۸ مہر غلام رسول:

مولانا ابوالکلام آزاد کی غیر معمولی صلاحیتیں

(شاہراہ دہلی ۵۸ء مارچ ۹۔۱۳)
مولانا آزاد کی علمی صلاحیت، حافظہ کی پختگی، عزم و استقامت کی استواری، اور اخلاق کی بلندی وغیرہ کا تذکرہ۔

۷۹ ندوی عبد الباری:

عبد کی واپسی اپنے رب کے پاس

(الفرقان لکھنؤ ۵۸ء مارچ اپریل ۲۵۔۳۲)
مولانا مدنی سے متعلق مضمون نگار کے تاثرات ذاتی مشاہدات کی روشنی میں۔

۸۰ ندوی محمد لقمان۔

شوقی عربی کا ایک جدید شاعر

(فاران کراچی ۵۸ء فروری ۲۵۔۳۱)
قاہرہ میں پیدا ہونے والے انیسویں صدی عیسوی کے ایک عربی شاعر شوقی کے حالات زندگی اور اس کے کلام پر تبصرہ۔

۸۱ ندوی نجیب اشرف۔

سوانح میر خود ان کی تصانیف کی روشنی میں

(العلم کراچی ۵۷ء اکتوبر تا دسمبر ۷۰۔۸۷)
میر کی تصانیف کی روشنی میں ان کے سوانح بیان کئے گئے ہیں۔

۸۲ نعمانی محمد منظور:

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے میری واقفیت اور تاثرات

(الفرقان لکھنؤ ۵۸ء جنوری ۱۸۔۳۲)
مولانا حسین احمد مدنی سے متعلق اپنی واقفیت اور اپنے تاثرات بیان کئے ہیں اور ان کی محبت رسول، خاکساری، عزیمت و فیاضی اور مہمان نوازی کا حال ذاتی مشاہدات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

۸۳ وفا راشدی:

سندھ کا ایک باکمال شاعر

(ساقی کراچی ۵۸ء جنوری ۴۷۔۴۸)
سندھ کے ایک باکمال سندھی اور اُردو شاعر عبد الحسین خان سانگی کے حالات زندگی اور ان کی اُردو شاعری کا تجزیہ۔

۸۴ ہاشمی نصیر الدین۔

یادگار شبلی

(ساقی کراچی ۵۸ء فروری ۲۲۔۲۵)
نعیم النساء بیگم، ایم۔ اے۔ عثمانیہ اور ان کی کتاب یادگار شبلی کا تفصیلی تعارف۔

۸۵ ہاشمی نصیر الدین:

علامہ شبلی اور حیدرآباد

(صبا حیدرآباد شبلی نمبر)
حیدر آباد اور وہاں کے بزرگوں سے مولانا شبلی کے تعلق اور خط و کتابت کا تذکرہ۔

تاریخ و سیاسیات

۸۶ ادارہ:

آثار کہن - مینامتی

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۱۲۱-۱۲۲)

پاکستان کے قیام کے بعد آثار قدیمہ کے ماہرین نے ماضی کے جن آثار کا کھوج لگایا اس کا سرسری تذکرہ اور مشرقی پاکستان کے ایک سلسلہ کوہ میںامتی سے متعلق کچھ جدید انکشافات۔

۸۷ اقبال الدین احمد

جنگ بدر

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء مارچ اپریل)

جنگ بدر اور اس کے اسباب و نتائج کی تفصیل۔

۸۸ اطہر شاہ

رفاہ عام (۱)

(برہان دہلی ۵۸ء مارچ ۱۷۴-۱۸۵)

خلفائے راشدین اور بنو امیہ کے عہد حکومت میں رفاہ عام کے جو جو کام ہوئے ان کی تفصیل۔ (باقی)

۸۹ بیدار عابد رضا۔

قطر - خلیج فارس کی ایک عرب ریاست

(ثقافت لاہور ۵۸ء جنوری ۶۲-۶۶)

جزیرہ نمائے قطر، سعودی عرب کے شمال مشرقی ساحل میں ایک چھوٹی سی مسلم ریاست ہے جس پر شیخ علی بن عبداللہ حکومت کر رہے ہیں - اسی ریاست کی جغرافیائی، تاریخی، تعلیمی، معاشی، مذہبی اور لسانی حالت پر اس مضمون میں بحث کی گئی ہے -

۹۰ خلیل راعی اسامی:

اسلام اور فن تاریخ

(الفرقان لکھنؤ ۵۸ء جنوری ۳۷-۴۱)

تاریخ و تذکرے کی ابتدائی شکلوں پر روشنی ڈالنے کے بعد فن تاریخ سے مسلمانوں کی دلچسپی، بعض اہم مسلم مورخوں کی تصنیفات اور ان کی امتیازی خصوصیتوں کو بیان کیا ہے

۹۱ ربیری محمد امین:

بھوپال کا علمی جائزہ

(اردو کراچی ۵۸ء جنوری ۱۱۵-۱۴۷)

سنہ ۱۷۰۰ء سے لے کر اب تک بھوپال کے نوابوں، بیگموں، عالموں، شاعروں، ادیبوں اور دوسرے فنکاروں نے جو بھی علمی و ادبی خدمت انجام دی ہے اس کا تعارف -

۹۲ شریف المجاہد:

تحریک مجاہدین میں بنگالیوں

کا حصہ

(تذکرہ کراچی ۵۸ء مارچ ۱۳۔۲۰)

سید احمد شہید کی تحریک جہاد کا مختصر سا تعارف اور اس تحریک کو آگے بڑھانے والے بنگالی مجاہدین تیتو میر، حاجی شریعت اللہ، دودھو میاں، مولوی عنایت اللہ، مولوی ولایت اللہ اور دیگر حضرات کا تفصیلی تذکرہ۔

۹۳ صدیق اے ایچ ۔

ہند کے مسلم دور حکومت میں کتب خانے

(آجکل دہلی ۵۸ء مارچ ۴۷۔۵۰)

محمد بن تغلق، فیروز شاہ تغلق، بہمنی سلطنت کے بعض مسلم حکمراں، بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب، دارا شکوہ، نوابان اودھ و دیگر حکمرانوں کے دور حکومت میں کتابوں کو جمع کرنے کا جو کام کیا گیا اس کی تفصیل۔

۹۴ ظہیر الدین مفتاحی :

تاریخی حقائق

(برہان دہلی ۵۸ء جنوری ۴۹۔۵۹)

آج سے ہزار سال پہلے کی مسلم اقلیت، اور آج کی مسلم اقلیت، آج سے ہزار سال پہلے کی مسلم حکومتوں اور آج کی مسلم حکومتوں کا ایک سبق آموز مقابلہ۔

۹۵ فارق خورشید احمد :

حضرت ابوبکر کے سرکاری خطوط (۸)

(برہان دہلی ۵۸ء فروری ۶۹۔۷۶)

یہ مضمون کی آٹھویں قسط ہے ۔ اس میں یزید بن ابی سفیان، ابو عبیدہ بن جراح، خالد بن ولید کے نام حضرت ابوبکر کے چار خطوں کا خلاصہ درج کیا گیا ہے ۔

۹۶ ماہر القادری ۔

بابل کے کھنڈروں میں

(فاران کراچی ۵۸ء فروری ۴۹۔۵۳)

سنہ ۱۹۳۳ء میں ماہر القادری کو عراق جانے کا اتفاق ہوا تھا ۔ مضمون میں اسی سفر کے مشاہدات کو تاریخی پس منظر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔

۹۷ محمد سلیم کیانی ۔

مشرق وسطیٰ کا لاوا (۱۔۲)

(چراغ راہ کراچی ۵۸ء جنوری، فروری)

مشرق وسطیٰ کا سرسری سا تاریخی جائزہ، وہاں کی تیل کی پیداوار اور اس سے متعلقہ امور سیاست پر تبصرہ ۔

۹۸ ندوی ابوالجلال :

پیکران بے سخن

(ماہ نو کراچی ۵۸ء ۱۲۶۔۱۲۸)

وادی سندھ کی قدیم تہذیب اور اس

کی مہروں کو پڑھنے کے سلسلے میں بعض کوششوں کا ذکر۔

۹۹ ندوی سید سلیمان :

پاکستانی مورخین کے لئے جدید راہ عمل

(العلم کراچی ۵۷ء اکتوبر تا دسمبر ۵۰-۵۶)

تلاش و تحقیق اور حق گوئی و بےباکی کا مشورہ دیا ہے۔ اور نئی تاریخ لکھنے کے سلسلے میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوسکتی ہے ان کی طرف اشارے کئے ہیں۔

تنقید ، ادب ، لسانیات

۱۰۰ آغا ناصر

ریڈیو ڈرامہ میں مکالمہ نگاری

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۵۷ - ۵۹)

اسٹیج ڈرامہ اور ریڈیو ڈرامہ کا فرق واضح کرنے کے بعد ریڈیو ڈراموں میں آواز اور مکالموں کی اہمیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۱۰۱ احمل اجملی :

ترقی پسندوں کی روایت پرستی

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء جنوری ۳۹-۴۳)

مہر نیمروز بابت جولائی اگست ۵۷ء میں ترقی پسند ادیبوں کی روایت پرستی سے متعلق شہاب جعفری کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون اُسی کا جواب ہے۔

۱۰۲ اختر علی تلہری :

غالب کی ترکیب «ضروری الاظہار»

(فروغ اُردو لکھنؤ ۵۸ء جنوری ۲۴-۲۹)

غالب کی ترکیب «ضروری الاظہار» کو نظم طباطبائی اور صاحب نور اللغات نے ضروری کو مہمل سمجھتے ہوئے غلط قرار دیا تھا۔ مگر مقالہ نگار نے عربی کی مختلف مستند کتابوں اور لغت المنجد کے پیش نظر ان کے بیانات کو دلائل کے ساتھ غلط اور غالب کی ترکیب کو صحیح قرار دیا ہے۔

۱۰۳ ادیب مرزا.

افسانہ

(ادب لطیف لاہور ۵۸ء فروری ۴۵-۵۲)

سنہ ۱۹۵۷ء میں چھپے ہوئے مختصر افسانوں کا جائزہ۔

۱۰۴ ادیب سید لطیف حسین :

رتن ناتھ سرشار کی ناول نگاری

(آجکل دہلی ۵۸ء جنوری ۴ - ۱۱)

اردو کی قدیم داستان طرازی کا ذکر کرنے کے بعد ناول نگاری کے آغاز پر روشنی ڈالی ہے اور پھر سرشار کے ناولوں کا ادبی، فنی اور تہذیبی تجزیہ نہایت تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

۱۰۵ اظہار کاظمی۔

ڈرامہ

(ادب لطیف لاہور ۵۸ء فروری ۲۸-۴۴)

سنہ ۱۹۵۷ء میں چھپے ہوئے اردو ڈراموں کا ایک تفصیلی جائزہ۔

۱۰۶ افتخار اعظمی:

اُردو کی سیاسی شاعری میں روش کا مقام

(آجکل دہلی ۵۸ء جنوری ۲۴-۳۹)

اردو کی سیاسی شاعری کا مختصر طور پر ذکر کرنے کے بعد روش کی سیاسی شاعری کا نہایت تفصیل کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔

۱۰۷ افضل امام پھلواری:

زیب النسا اور دیوان مخفی

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء مارچ، اپریل ۳۳-۳۸)

دیوان مخفی کے اشعار کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ دیوان زیب النسا کا نہیں بلکہ کسی خراسانی شاعر کا ہے جو روزگار کی تلاش میں ہندوستان چلا آیا تھا اور یہ شاعر مخفی رشتی ہی ہوگا جس کا حال صبح گلشن صفحہ ۳۹۳ میں ملتا ہے۔

۱۰۸ امتیاز علی عرشی:

کچھ غالب کے متعلق

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء فروری ۱۷-۱۸)

سیرالمحتشم، اودھ اخبار شمارہ ۲۶ اور نویں جلد وغیرہ میں غالب کا جو ذکر آیا ہے اس کا خلاصہ۔

۱۰۹ بوسانی الکزاندر:

ایک یورپین کی نظر میں اُردو کی اہمیت

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء جنوری ۵۸-۶۲)

اردو شعر و ادب سے متعلق مشہور اطالوی مستشرق پروفیسر الکزاندر بوسانی کے تاثرات۔

۱۱۰ بیخود جعفری۔

تنقید نشاط رفتہ (۲)

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء مارچ، اپریل ۲۱-۲۴)

ڈاکٹر عندلیب شادانی کے مجموعہ کلام «نشاط رفتہ» پر تنقید۔ دوسری قسط۔

۱۱۱ تاش لکشمی نرائن وششٹ:

میر کی اخلاقی قدریں

(برہان دہلی ۵۸ء فروری ۱۰۸-۱۲۲)

میر کی اخلاقی شاعری کا تجزیہ۔ پس منظر کے ساتھ۔

۱۱۲ تاثیر ڈاکٹر محمد دین:

علامہ اقبال کا اسلامی سوشلزم

(عارف لاہور ۵۸ء فروری ۳۴-۳۸)

مغربی مطامہائے زندگی پر اقبال کی تنقیدوں کا جائزہ۔

۱۱۳ ترمذی حامد حسین:

انگریزی غزل کا ایک دور

(تذکرہ کراچی ۵۸ء فروری ۲۰)

ملکۂ الزبتھ کے عہد میں انگریزی غزلیات کو جو عروج حاصل ہوا اس کے وجوہ۔ اور ہیئت و افکار کے لحاظ سے ان کا تفصیلی تجزیہ۔

۱۱۴ تمکین کاظمی

وجد کی شاعری

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء دسمبر ۵-۲۹)

سکندر علی وجد کے حالات زندگی اور ان کے کلام پر ایک بسیط تبصرہ۔

۱۱۵ تہور حسین خواجہ:

ٹکسالی اُردو

(اردو کراچی ۵۸ء جنوری ۴۷-۵۴)

دہلوی اردو کو ٹکسالی اردو کا درجہ کس طرح مل گیا۔ اس کے اسباب بیان کئے ہیں۔

۱۱۶ جلیلی علی احمد:

جلیل حیدر آباد میں

(آجکل دہلی ۵۸ء جنوری ۱۳-۱۸)

حافظ جلیل حسن جلیل المخاطب بہ نواب فصاحت جنگ کی اس ۳۸ سالہ زندگی کا حال جو انھوں نے حیدرآباد میں گذاری اور ان کی شاعری پر تبصرہ۔

۱۱۷ حفظ الرحمٰن:

ہندوستان پر فارسی زبان و ادب کے اثرات

(ہندستانی ادب ۵۸ء فروری ۹-۱۶)

زبان و تہذیب کا باہمی ربط کیا ہے اس کو مختصراً بیان کرنے کے بعد فارسی نے ہندوستان پر کیا اثر ڈالا اور خود ہندوستانی تہذیب کا اثر فارسی میں کہاں تک ہے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے

۱۱۸ رشید حسن خاں:

غدر اور ادب پر اس کے اثرات

(شاعر بمبئی ۵۸ء فروری، مارچ ۳۱-۴۰)

۱۸۵۷ء کے غدر کے وقت انگریزوں کی سیاسی برتری اور اردو ادب کی جو حالت تھی اسکو بیان کرنے کے بعد ان شعرا کے کلام پر تبصرہ کیا ہے جو غدر سے متاثر ہوئے۔

۱۱۹ رضوی وقار احمد:

نئی اُردو تنقید

(آجکل دہلی ۵۷ء جنوری ۴۹-۵۰)

نئی اردو تنقید کو نہیں دیکھا اور اس کو

پروان چڑھانے والوں کا ایک اجمالی تذکرہ۔

۱۲۰ رفیق خاور:

راگ راگ زندگی،
رنگ رنگ زندگی

(ساقی کراچی ۵۸ء جنوری ۹۔۲۷)

پنجاب کے مشہور اردو شاعر شیر افضل جعفری کی شاعری پر ایک مسوط تبصرہ۔

۱۲۱ رئیس احمد جعفری:

واجـــد علی شاہ اختر کی شاعری

(ثقافت لاہور ۵۸ء جنوری ۳۲۔۴۲)

واحد علی شاہ کی شاعری اور ان کی ادب نوازی کا مختصر تعارف۔

۱۲۲ سحر ابو محمد:

اُردو میں قصیدہ نگاری

(اردو کراچی ۵۷ء اکتوبر ۳۲۳۔۳۴۱)

انشاء، مصحفی، ذوق، مومن، غالب اور ظفر وغیرہ کے قصائد پر ایک تفصیلی بحث

۱۲۳ سحر ابو محمد:

قصیدہ نگاری کا دور آخر اور عزیز لکھنوی

(نگار لکھنؤ ۵۸ء مارچ ۲۵۔۳۰)

اردو قصائد پر مختصراً اور عزیز لکھنوی کے قصائد پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

۱۲۴ [illegible]

مثنوی حضرت بی بی مریم اُردو

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء دسمبر ۱۲۰۔۱۴۹)

غلام امام خاں ہجر کے حالات زندگی اور ان کی مثنوی بی بی مریم کا تفصیلی تعارف۔ یہ ایک تاریخی مثنوی ہے۔ ایک سو سال پہلے لکھی گئی ہے، اور تقریباً سات سو اشعار پر مشتمل ہے۔

۱۲۵ سعید نفیسی:

جدید فارسی ادب

(ثقافت لاہور ۵۸ء جنوری ۴۳۔۵۱)

اُنیسویں صدی کی ابتدا سے لے کر اب تک تراجم و تخلیقات کی صورت میں جدید فارسی ادب نے جو کچھ ترقی کی اس کا اجمالی جائزہ۔

۱۲۶ شیر علی کاظمی:

اُردو اور بنگلہ زبانوں میں اندو آریائی نسل کے مشترک الفاظ

(اردو کراچی ۵۷ء اکتوبر، ۵۸ء جنوری)

تقریباً سات سو ایسے الفاظ کی وضاحت جو اردو بنگلہ میں مشترک ہیں

۱۲۷ شبنم سبحانی:

ادب اور مذہب و سیاست

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء مارچ اپریل)

جو لوگ ادب کو مذہب اور سیاست سے الگ رکھنا چاہتے ہیں ان کے افکار پر تنقید

اور صالح ادب پیدا کرنے کے لئے مذہب اسلام کی اہمیت کا تذکرہ۔

۱۲۸ شمیم رشید احمد:

مظہر امام۔ شاعر فردا

(شاعر بمبئی فروری مارچ ۴۱ - ۴۶)

مظہر امام کی شاعری پر ایک مختصر سا تبصرہ۔

۱۲۹ صدق جائسی

دربار کی ایک رات

(ساقی کراچی ۵۸ء مارچ ۲۸ - ۳۵)

جونیر پرنس حیدرآباد کے دربار میں مضمون نگار، فانی اور دیگر شعرا کی ایک رات کس طرح گذری اس کا تفصیلی حال، افسانوی رنگ میں۔

۱۳۰ صدیقی ڈاکٹر آفتاب احمد

ایک تقابلی مطالعہ

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء جنوری ۲۶-۳۸)

ایک مشترک موضوع «سعدی» کو لے کر شبلی اور حالی کی تحقیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ (باقی)

۱۳۱ صدیقی اکبر الدین:

مرزا محمد مقیم مقیمی سلمی (۲)

(نوائے ادب بمبئی ۵۸ء جنوری ۳۸-۵۹)

یہ مضمون کی دوسری قسط ہے۔ اس میں مقیمی کی تصانیف، اس کے معاصر شعرا کا تذکرہ اور ان مثنویوں کا تعارف ہے۔ جن میں قصہ چندر بدن کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۱۳۲ صدیقی محمد اکبر الدین:

ولی دکھنی اور غواصی دکھنی

(تذکرہ کراچی ۵۸ء فروری ۱۳-۱۴)

ولی اور غواصی دونوں ہم عصر تھے۔ غواصی کی شاعری کو ولی نے پسند کیا اور بعض غزلیں بھی اسی کی بحر میں لکھیں۔ مضمون میں اس پس منظر کو سامنے رکھ کر دونوں کی شاعری سے بحث کی گئی ہے۔

۱۳۳ عابد سہیل:

۱۸۵۷ء میں ہندی شاعری

(آجکل دہلی ۵۸ء مارچ ۴۳-۴۶)

سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق جو ہندی اشعار ملتے ہیں ان کا تجزیہ۔

۱۳۴ عبادت بریلوی:

غالب کے تغزل کا سماجی پہلو

(آجکل دہلی ۵۸ء فروری ۹-۱۵)

غالب کی غزلیات میں اس زمانہ کے سماجی اقدار کا جو اثر ملتا ہے، اس کا ایک تفصیلی تجزیہ۔

۱۳۵ عبادت بریلوی ڈاکٹر:

مومن کا تغزل

(اُردو کراچی ۵۷ء اکتوبر ۲۷۲-۴۰۲)

مومن کی غزلیات پر ایک سیر حاصل تبصرہ۔

۱۳۶ عبد الحق:

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۲۲-۲۴)

حالی جادو بیاں

شاعروں اور ادیبوں کے جادو بیاں سے کے لئے حالی نے جن شرائط کو ضروری قرار دیا ہے ان کو پیش کرکے بتایا ہے کہ خود حالی ان پر عمل کرکے جادو بیاں بن گئے۔

۱۳۷ عبد القوی دریابادی

نثر اکبر الہ آبادی (۱، ۲، ۳)

(فروغ اُردو لکھنؤ ۵۸ء جنوری تا مارچ)

اکبر کے خطوط کا تعارف اور ان پر تبصرہ۔

۱۳۸ عبد اللہ ڈاکٹر سید۔

میں اور میر

(سویرا لاہور، نمبر ۲۳، ۱۲-۲۶)

اپنے ذہنی و فکری ارتقا کی داستان اور میر کے ساتھ بتدریج بڑھنے والی دلچسپیوں کی تفصیلات دلچسپ پیرایۂ بیاں میں۔

۱۳۹ عبد اللہ ڈاکٹر سید:

تنقید

(ادب لطیف لاہور ۵۸ء فروری ۷-۱۷)

سنہ ۱۹۵۷ء میں اُردو تنقید کے سلسلہ میں جو کام ہوا اس کا ایک سرسری جائزہ۔

۱۴۰ عبد المغنی:

مجاز۔ ایک روایت پسند شاعر

(اُردو ادب علی گڑھ دسمبر ۵۷ء ۳۰-۴۲)

اُردو ادب میں روایت اور بغاوت کے مفہوم کو مختصر طور پر واضح کرنے کے بعد بتایا ہے کہ مجاز ترقی پسند شاعروں کی طرح بغاوت پسند نہیں بلکہ ایک روایت پرست شاعر تھا۔

۱۴۱ عرشی امتیاز علی۔

غالب اور برہان

(آجکل دہلی ۵۸ء مارچ ۴-۱۳)

برہان قاطع کے اس نسخہ کا تعارف جس کو سامنے رکھ کر غالب نے قاطع برہان ترتیب دی تھی۔ برہان کے آخری باب پر غالب کے اعتراضات کا خلاصہ اور اس کی علمی اہمیت پر تبصرہ۔

۱۴۲ عشرت رحمانی

ناول

(ادب لطیف لاہور ۵۸ء فروری ۲۴-۲۸)

سنہ ۱۹۵۷ء میں چھپے ہوئے اُردو ناولوں کا جائزہ۔

میکدۂ شاد

۱۴۳ عطا کاکوی:

(آجکل دہلی ۵۸ء جنوری ۲۷-۲۸)

شاد عظیم آبادی کی خمریاتی شاعری

کا ایک مختصر سا تجزیہ۔

۱۴۴ عمر حیات ملک ڈاکٹر۔

ادب مشرق پر ادبیات مغرب کا اثر

(ماہ نو کراچی ۵۸ء فروری ۱۷۔۲۰)

مشرقی و مغربی ادبیات نے ایک دوسرے پر کیا اثر ڈالا اس پر مثالوں کے ساتھ بحث کی ہے۔

۱۴۵ غلام احمد چودھری۔

حسان بن ثابت اور ان کی شاعری (۲)

(برہان دہلی ۵۸ء جنوری ۳۰۔۳۹)

یہ مضمون کی دوسری قسط ہے۔ اس میں اسلام اور شعر و شاعری کے تعلق کو واضح کرنے کے بعد حضرت حسان کو شاعر اسلام کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور ان کی مرثیہ نگاری، ہجو گوئی، اور مدحیہ و حکمیہ شاعری پر مختصر طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۴۶ فرمان فتحپوری۔

قدیم اُردو شعرا پر تاریخی نظر

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء جنوری ۴۴۔۵۳)

اُردو شاعری کے آغاز سے لے کر ولی دکھنی تک جتنے قدیم اُردو شعرا گذرے ہیں ان کے حالات اور اس سلسلہ میں مختلف مورخین کے بیانات پر تنقید۔

۱۴۷ قاضی عبد الودود:

درد و شاد

(آجکل دہلی ۵۸ء بہ حوالۂ تحریک دہلی)

شاہ جمال حسین اور شاہ وارث علی اشکی کے دہلی جانے اور درد کا تلمذ اختیار کرنے کے سلسلہ میں حیات فریاد مرتبہ شاد عظیم آبادی کے بعض بیانات پر تنقید۔

۱۴۸ عبد الواحد سندھی۔

چنیسر نامہ

(ساقی کراچی ۵۸ء جنوری ۶۱۔۶۳)

دسویں صدی ہجری کے ایک فارسی شاعر ادراکی کے حالات اور اس کی فارسی مثنوی چنیسر نامہ کا تعارف۔ یہ مثنوی سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں مکمل ہوئی تھی۔

۱۴۹ قریشی فرید الدین:

عربی خطابت دور جاہلیت میں

(فاران کراچی ۵۸ء مارچ ۱۸۔۲۳)

عربوں کی بعض قومی خصوصیات کا ذکر، اور دور جاہلیت کی عربی خطابت کے کچھ نمونے۔

۱۵۰ کریم الدین احمد:

امیر مینائی کا غیر مطبوعہ کلام

(اُردو کراچی ۵۸ء جنوری ۵۵۔۶۸)

غزل، مسدس، مثنوی، واسوخت وغیرہ

کے سلسلہ میں امیر مینائی کا جو غیر مطبوعہ کلام مضمون نگار کو ملا ہے اس کا تعارف۔

۱۵۱ کشفی ابوالخیر۔

عسکری بحیثیت نقاد

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء فروری ۳۱-۳۳)

محمد حسن عسکری کی تنقیدی صلاحیتوں کا ایک مختصر سا تجزیہ۔

۱۵۲ کلیم الدین احمد:

محمد حسن عسکری

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء جنوری ۱۱-۲۲)

محمد حسن عسکری کے تنقیدی مضامین کا تجزیہ۔ یہ کلیم صاحب کی کتاب اردو تنقید پر ایک نظر طبع دوم کا ایک حصہ ہے۔

۱۵۳ کنور اخلاق احمد:

شہاب جعفری

(شاہراہ دہلی ۵۸ء مارچ ۵۶-۶۲)

شہاب جعفری کی شعری صلاحیتوں کا تجزیہ۔ ان کی نظموں، غزلوں اور رباعیوں کی مدد سے۔

۱۵۴ مالک رام:

غالب سوسائٹی

(آجکل دہلی ۵۸ء مارچ ۲۵-۲۷)

غالب کی قبر پر سنگ مرمر کی چوکھنڈی بنانے اور اس کے لئے ایک دروازے اور کشادہ صحن کا انتظام کرنے والی غالب سوسائٹی کی بنا اس کے ارکان اور اس کے مقاصد کا تذکرہ۔

۱۵۵ ماہی جائسی۔

عزیز کا مقام ہندوستانی شاعری میں

(ہندستانی ادب ۵۸ء جنوری ۹-۱۰)

عزیز لکھنوی کے مجموعہ کلام «گلکدہ» کے متعلق آزاد و اقبال وغیرہ کے تاثرات۔ اور ان کے کلام کی بعض خصوصیات کا تذکرہ۔

۱۵۶ ماہی جائسی

عزیز کا مقام اُردو شاعری میں

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۸ء جنوری ۱۹-۲۳)

مرزا عزیز لکھنوی کی شاعری پر ایک مختصر مضمون۔

۱۵۷ مایا جمیل:

مشرق و مغرب ادب کے آئینے میں

(ماہ نو کراچی ۵۸ء فروری ۲۱-۲۳)

اردو زبان و ادب پر انگریزی کے اثرات اور انگریز ادیب اور مورخین کی اردو اور ہندوستانی تاریخ سے دلچسپی کی داستان بیان کی گئی ہے۔

۱۵۸ محمد حسین ڈاکٹر:

ادب۔ تعارف اور تشریح

(شاعر بمبئی ۵۸ء فروری مارچ ۱۵-۳۰)

ادب کا مفہوم، ادب سنجیدہ و ادب لطیف

کی تفصیلات اور انسانی معاشرہ میں ادب کی اہمیت پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے -

۱۵۹ محمد صادق ڈاکٹر

آزاد کا سفر ایران

(ماہ نو کراچی ۵۸ء جنوری ۱۰-۱۲)

محمد حسین آزاد نے اپنا پہلا سفر ایران کس مشن کے سلسلہ میں کیا تھا اس پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے -

۱۶۰ محمود احمد سعید

اُردو کے اسالیب

(اردو کراچی ۵۸ء جنوری ٦٩-۷۹)

اسلوب بیان کی قسمیں، ادب میں ان کی اہمیت اور مختلف موضوعات کے لئے مختلف اسلوب اختیار کرنے کی اہمیت کو مثالوں سے واضح کیا ہے -

۱٦۱ محمود فاروقی

حکایات خونچکاں

(چراغ راہ کراچی ۵۸ء جنوری ٤٦-۵۰)

سن ستاون (اٹھارہ سو) کے پس منظر میں غالب کی ایک غزل « ظلمت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے » کا مطالعہ پیش کیا ہے -

۱٦۲ محی الدین احمد :

مولانا شبلی نعمانی کی فارسی شاعری

(صبا حیدر آباد شبلی نمبر ۷۷-۹۳)

شبلی کی فارسی شاعری کا تجزیہ، انتخاب کلام کے ساتھ -

۱٦۳ مختار الدین احمد :

فغان بے خبر میں غالب کا ذکر

(آجکل دہلی ۵۸ء فروری ۱۹-۲۲)

خواجہ غلام غوث بے خبر کے مختصر حالات زندگی، بے خبر اور غالب کے تعلقات کی تفصیل، اور بے خبر کے اردو رقعات، تقریظوں اور خطوں وغیرہ کے مجموعے «فغان بے خبر» میں غالب، غالب کے تلامذہ اور ان کے احباب کے نام لکھے ہوئے خطوں کا خلاصہ -

۱٦٤ مسیح الزماں :

غالب

(آجکل دہلی ۵۸ء فروری ۲۳-۲۸)

غالب کی شاعری کا پس منظر بیان کرنے کے بعد ان کے افکار کا تجزیہ کیا ہے -

۱٦۵ معصومی ابو محفوظ الکریم:

قدامہ بن جعفر الکاتب - نقد الشعر طبع جدید (۱، ۲)

(برہان دہلی ۵۸ء فروری، مارچ)

نقد الشعر کے مختلف ایڈیشنوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کے تازہ ایڈیشن مرتبہ

ایس۔اے۔ بونیاکر پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔یہ ایڈیشن سنہ ۱۹۵۶ء میں لیڈن سے شائع ہوا ہے۔

۱۶۶ مہر غلام رسول:

پنج آہنگ

(آجکل دہلی ۵۸ء فروری ۶۔۷)

مرزا غالب کے کلیات نثر فارسی کی پہلی کتاب پنج آہنگ کے مضامین، ترتیب، طباعت اور اشتہار وغیرہ کا تفصیلی تعارف۔

۱۶۷ نارنگ گوپی چند:

سنہ ۱۸۵۷ء اور غالب

(اردو کراچی ۵۸ء جنوری ۳۳۔۴۵)

دستنبو، خطوط اور اشعار کی مدد سے سنہ ۱۸۵۷ء سے متعلق غالب کے عمل اور ردعمل کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۶۸ ندوی عبدالسلام:

قدیم و جدید شعرا اور ان کی شاعری پر ایک مبسوط تبصرہ

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء جنوری، فروری، مارچ)

ولی سے لے کر سیماب تک تمام مشہور شاعروں کی محاکاتی، ظریفانہ، اخلاقی، قومی، سیاسی اور وطنی شاعری پر ایک تفصیلی بحث اور اس کے محاسن و معائب کا تذکرہ۔ (باقی)

۱۶۹ نذیر احمد ڈاکٹر:

چندر بدن و مہیار کا مطالعہ اور اس کے مصنف کے تعین کے سلسلہ میں محمد اکبرالدین صدیقی صاحب کی کوشش کا جائزہ

(اردو ادب علی گڑھ ۵۷ء دسمبر ۵۲۔۹۳)

مثنوی چندر بدن و مہیار کے مصنف کی تعیین کے سلسلہ میں محمد اکبر الدین صدیقی صاحب کا ایک مضمون نوائے ادب ماہ اکتوبر ۵۷ میں شائع ہوا تھا نذیر احمد صاحب کا یہ مضمون اسی کا جائزہ ہے۔

۱۷۰ نظر انصار اللہ جورجوی:

دیوانِ ذوق مرتبۂ آزاد پر ایک نظر

(نگار لکھنؤ ۵۸ء مارچ ۳۱۔۳۵)

محمد حسین آزاد کے مرتب کردہ دیوان ذوق میں غلطی سے بہت سے دوسرے شاعروں کا کلام بھی نقل کردیا گیا ہے اور بہت سا خود ذوق کا کلام نقل ہونے سے رہ گیا ہے اسی کی طرف مضمون میں نشاندھی کی گئی ہے۔

۱۷۱ نقاد دہلوی:

خیر بہوروی۔ایک وطن پرست شاعر کی حیثیت سے

(نگار لکھنؤ ۵۸ء مارچ ۳۶۔۳۹)

خیر بہوروی کی سیاسی شاعری کا تفصیلی تعارف۔

۱۷۲ مقوی سید قدرت:

غالب اور ٹونک

(ماہ نو کراچی ۵۸ء فروری ۱۳-۱۵)

غالب نے نواب وزیر محمد خاں والی ٹونک کی مدح میں جو دو قصیدے لکھے ان کی تاریخوں کی تعیین اور وزیرالدولہ کی وفات کے بعد غالب نے جو خط والی رامپور کو لکھا اس کے عمل اور ردعمل پر بحث۔

۱۷۳ وحید ایس-اے:

اقبال کے مرثیے

(اقبال لاہور ۵۸ء جنوری ۱-۱۸)

داغ، سوامی رام تیرتھ، فاطمہ، شبلی، حالی، ہمایوں، سرراس مسعود، اکبر اور اپنی والدہ مرحومہ وغیرہ کی یاد میں اقبال نے وقتاً فوقتاً جو مرثیے کہے ان کا تجزیہ۔

۱۷۴ وزیر آغا:

شاعری

(ادب لطیف لاہور ۵۸ء فروری ۱۷-۲۴)

سنہ ۱۹۵۷ء میں اردو شعرا نے شاعری کی مختلف صنفوں میں جو کچھ طبع آزمائی کی ہے اس پر ایک سرسری نظر۔

۱۷۵ وزیر آغا ڈاکٹر:

غزل کا مزاج

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۴۲-۴۷)

غزل نے مغرب کے بجائے مشرق میں کیوں جنم لیا اس کے اسباب بیان کرنے کے بعد اس کی خصوصیات اور اس کے ہیئت پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

۱۷۶ ہوش اعظمی ڈاکٹر:

تاریخ مثنوی پر ایک طائرانہ نظر

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء مارچ، اپریل ۱۷-۲۰)

مثنوی کی ابتدا۔ اس کی تاریخ اور اس کے ادوار پر مختصر سی بحث۔

آرٹ

۱۷۷ ا-ا-ا.

جے پور کا سنٹرل میوزیم

(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۸ء فروری ۲۱)

جے پور سنٹرل میوزیم کی تاریخ اور اس کی بعض نادر چیزوں کا سرسری تذکرہ۔

۱۷۸ ادارہ.

مغربی پاکستان کے عوامی رقص

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۴۸-۵۰)

مغربی پاکستان کی معاشرتی زندگی پر ایک سرسری روشنی ڈالنے کے بعد وہاں کے بعض ناچوں جیسے خٹک ناچ، لُختی

ناچ، جھومر، ھمگڑا، لڈی، سمی اور ککلی وغیرہ کا جائزہ لیا ہے۔

۱۷۹ جلال الدین احمد:

زین‌العابدین

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۵۴-۵۶)

بنگال کے پہلے مسلم مصور زین‌العابدین کے حالات زندگی اور ان کی تصویروں کی فنی اہمیت پر تبصرہ۔

۱۸۰ رفعت مارالدین (مترجم):

اسلامی صنائع لطیفہ اور یورپی صنائع پر ان کا اثر (۱، ۲)

(برہان دہلی ۵۸ء فروری، مارچ)

یہ اے ایچ کرسٹی کے ایک مقالے «اسلامک مائنر آرٹسٹ» کا ترجمہ ہے۔ اس میں تصویر سازی سے متعلق اسلامی تصور کو پیش کرنے کے بعد خطاطی، منبت کاری، مرصع کاری، و دیگر فنون لطیفہ کی عہد بہ عہد ترقی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۸۱ ستیہ وتی ملک:

کمارل سوامی اور ان کا فن

(آجکل دہلی ۵۸ء مارچ ۲۲-۲۴)

تلنگانہ کے ایک کسان گھرانے میں پیدا ہونے والے مصور کمارل سوامی کے حالات زندگی اور ان کے فن پر تبصرہ۔

۱۸۲ شاھد احمد.

تجدید موسیقی

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مارچ ۱۲۸-۵۳۰)

بر اعظم ہند کی قدیم موسیقی میں امیرخسرو، سلطان حسین شرقی والی جونپور اور دوسرے بزرگوں نے جو جدت طرازی کی اس کا سرسری تذکرہ کرنے کے بعد اس سلسلہ میں ریڈیو پاکستان، فلمی ادارے اور پاکستان آرٹ کونسل کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۸۳ تقی محمد خاں خورجوی:

لوازمات موسیقی

(ساقی کراچی ۵۸ء مارچ ۳۷-۴۰)

ایک موسیقار میں کن چیزوں کا ہونا ضروری ہے اس کا تذکرہ واقعاتی رنگ میں۔

معاشرتی حالات

۱۸۴ رشید احمد ارشد:

لیبیا کی آزاد اسلامی مملکت

(العلم کراچی ۵۸ء جنوری تا مارچ ۵۹-۶۵)

لیبیا کی قدیم تاریخ، وہاں کی موجودہ آبادی و رقبہ اس کا دور غلامی، اس پر دوسری جنگ عظیم کے اثرات، اس کی

آزادی اور موجودہ انتظامات کی تفصیل۔

۱۸۵ عابدی امیر حسن:

ایران

(آجکل دہلی ۵۸ء جنوری ۴۰-۴۲)

موجودہ ایران کی تمدنی، تہذیبی، جغرافیائی، لسانی اور ادبی حالت کا ایک مختصر خاکہ۔

۱۸۶ فارق خورشید احمد:

کچھ قاہرہ کے بارے میں

(برہان دہلی ۵۸ء جنوری ۴۰-۴۸)

یہ مضمون کی دوسری قسط ہے۔ اس میں قاہرہ کے مسلمانوں کی تہذیبی، علمی، مذہبی، سیاسی، لسانی اور معاشرتی حالت کا ایک عام نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

تعلیمات

۱۸۷ سلیم کیانی (مترجم):

معلم اور اس کی امتیازی خصوصیات

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء فروری ۶۳-۶۷)

یہ سر گلبرٹ ہائیٹ کے مضمون کا ترجمہ ہے۔ اس میں ان خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے جو ایک اچھے معلم میں ہونے چاہئیں۔

۱۸۸ عبد اللہ ڈاکٹر سید:

نیا نظام تعلیم

(ماہ نو کراچی ۵۸ء جنوری ۴۷-۵۰)

مضمون میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں جو نظام تعلیم رائج ہے۔ وہ سراسر غیر قدرتی اور پاکستانی مزاج کے خلاف ہے۔ اب دینی مدرسے اور دنیوی مدرسے الگ الگ قائم کرنے کی ضرورت نہیں شبلی کی تحریک ندوۃ العلما کی طرح طریقۂ وحدت تعلیم کو جاری کرنا چاہئے جس میں ملا اور بابو کی تقسیم باقی نہ رہے اور دین دنیا ایک ساتھ چلیں۔

نفسیات

۱۸۹ افضل صدیقی:

بچہ اور جھوٹ

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء جنوری ۵۳-۵۸)

بڑے، بچوں کو کس طرح غیر شعوری طور پر جھوٹ سکھاتے ہیں، اور انہیں اس دروغ گوئی سے بچانے کا بہترین طریقہ کیا ہے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۹۰ ابراہیم ابو خالد:

بچہ اور اس کا تدریجی

نشو و نما (۱، ۲)

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء فروری مارچ اپریل)

پہلی قسط میں زندگی کے آغاز سے دو سال کی عمر تک بچہ میں پیدا ہونے والے تغیرات کا ایک نفسیاتی جائزہ لیا ہے۔ اور دوسری قسط میں شفقت مادری کو بچہ کی زندگی میں جو اہمیت حاصل ہے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۹۱ شیر، بشیر احمد:

فیشن ۔ ایک نفسیاتی مطالعہ

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء مارچ اپریل ۲۵۔۳۲)

انسانی معاشرہ میں فیشن کی بنیادی اہمیت اس کی خصوصیات۔ اس کے محرکات اس کی قسمیں اور مشرق و مغرب کی فیشن پرستی کا موازنہ۔

۱۹۲ مسعود جاوید:

اسلامی ادب میں صنفی جذبات

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء جنوری ۹۔۱۸)

اسلامی ادب اور صنفی جذبات کی مختصر سی تشریح کرنے کے بعد بعض غزلوں، مثنویوں اور افسانوں پر روشنی ڈال کے بتایا ہے کہ ایک اسلام کا صحیح شعور رکھنے والا ادیب کس حد تک اپنے ادب میں صنفی جذبات کو کام میں لا سکتا ہے۔

فلسفہ

۱۹۳ اسما رشید (مترجم):

یہ دور اپنے براھیم کی تلاش میں ہے

(مہر نیمروز کراچی ۵۸ء مارچ اپریل ۹۔۱۳)

فلسفۂ انقلاب کا ایک باب۔ فلسفہ انقلاب جمال عبد الناصر کی مشہور کتاب (The Philosophy of revolution) کا اردو ترجمہ ہے۔ اور اردو اکیڈمی سندھ کراچی کی طرف سے شایع ہو رہی ہے۔

۱۹۴ ڈار بشیر احمد:

ہندوستان میں وحدت وجودی اور توحیدی نظریات

(اقبال لاہور ۵۸ء جنوری ۶۱۔۹۹)

شنکر اچاریہ اور رامانوج نے فلسفۂ ویدانت کی جو تشریح کی ہے اس کا خلاصہ۔

۱۹۵ سعید شیخ ایم:

فلسفہ اخوان الصفا

(اقبال لاہور ۵۸ء جنوری ۱۹۔۲۷)

۹۸۳ء میں چند فلسفیوں اور سائنسدانوں نے مل کر بصرہ میں اخوان الصفا نامی ایک خفیہ تنظیم قائم کی تھی، جس کی

ایک شاخ بغداد میں تھی۔ اسی تنظیم کے مقاصد اور افکار کا تجزیہ اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

۱۹۶ ندوی سید ابو ظفر:

جوگ بشسٹ

(برہان دہلی ۵۸ء مارچ ۱۵۶-۱۷۱)

ہندو تصوف کی ایک کتاب جوگ بشسٹ کا تفصیلی تعارف۔ جس کو شری والمیک نے سسکرت میں تصنیف کی تھی۔ شاہزادہ دارا شکوہ نے اس کا ترجمہ فارسی میں کروایا۔ زیر تعارف نسخہ اس کا اردو ترجمہ ہے اور کتب خانہ الاصلاح دسنہ کی ملکیت ہے۔

متفرقات

۱۹۷ ا-ا:

ریڈ کراس

(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۸ء جنوری ۱۶-۱۸)

ریڈ کراس کے قیام کی تاریخ اور ان خدمات کا تذکرہ جو اس نے اب تک دنیا کے مختلف گوشوں میں مختلف اوقات میں انجام دئیے ہیں۔

۱۹۸ شبیر احمد خان غوری:

علمائے ہند کی کلامی خدمات (۳)

(برہان دہلی ۵۸ء جنوری ۵-۲۹)

یہ مضمون کی تیسری قسط ہے۔ اس میں چوتھی صدی ہجری کے سندھ کی عام مذہبی، علمی اور معاشرتی حالت بیان کرنے کے بعد وہاں کے تین بڑے شہر دیبل، منصورہ اور ملتان کے متعدد علماء کی کلامی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۹۹ غوری شبیر احمد خان:

فارابی کی منطق (۳، ٤، ۵)

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء جنوری تا مارچ)

مسلمانوں میں علوم و فنون کی تدوین کا آغاز، غیر زبانوں سے ترجموں کی ابتدا، عباسی خلافت میں علوم و فنون کی سرپرستی، ارسطا طالیسی منطق کے ترجموں کا آغاز، سرکاری مترجمین، فارابی کے پیشرو مسلمان منطقین، کندی اور اس کا اسکول، پیروان ارسطو کا مدرسہ، ان ذیلی عنوانوں کے تحت اپنے موضوع کا پس منظر نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (باقی)

۲۰۰ فریدی نسیم احمد:

ارشادات خواجہ محمد معصوم

(الفرقان لکھنؤ ۵۸ء جنوری فروری)

خواجہ محمد معصوم کے تقریباً پچیس خطوں کا خلاصہ۔

مطبوعات اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(۱) ولی گجراتی از: ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی

امام غزل شاعر ولی کے سوانح حیات، زبان
کی خدمات اور اجتہاد پر تفصیلی بحث

۱۵۵ صفحات قیمت سوا دو روپئے

(۲) کتب خانہ جامع مسجد میں اُردو مخطوطات مرتبہ: حامداللہ ندوی

تقریباً ۷۵ اردو مخطوطات نثر و نظم کا تفصیلی تعارف

بڑی تقطیع ۱۴۰ صفحات، قیمت چار روپئے

ملنے کا پتہ

منیجر ادبی پبلشرز

۸۔ شیفرڈ روڈ

بمبئی ۸

اپنے ہندی داں دوستوں کو

یہ خوبصورت ادبی تحفے پیش کیجئے

دیوناگری رسم الخط میں

(۱) عالم خیال	(شوق قدوائی)	قیمت ۱ روپیہ ۸۷ نئے پیسے
(۲) مثنوی زہر عشق	(شوق لکھنوی)	قیمت ۲ روپئے ۷۸ نئے پیسے
(۳) سنیما کا عشق	(پطرس بخاری)	قیمت ۲ روپئے ۵۰ نئے پیسے

اعلیٰ کاغذ و طباعت، نفیس جلد اور گرد پوش

منیجر: ادبی پبلشرز شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

پرنٹر پبلشر حامداللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸ میں چھپواکر
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription :

Inland & Pakistan : Rs. 4 Foreign : Shillings 8

(inclusive of postage)

Price per copy : Rupee One

Vol. [illegible]] July - September [illegible] [No. 3

All remittances to be made to:

THE ADABI PUBLISHERS

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

شائع کردہ

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ بمبئی ۱

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون۔
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع۔
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ: چار روپے مع محصول ڈاک
ششماہی: دو روپے
فی پرچہ: ایک روپیہ

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
۹۲ دادابھائی نوروجی روڈ
بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں:

ادبی پبلشرز
۸ شیفرڈ روڈ
بمبئی ۸

پاکستان میں: رائلٹس ایمپوریم (پاکستان)
پوسٹ بکس نمبر [illegible]

نواے ادب بمبئی

جلد ۹ — اکتوبر ۱۹۵۸ ع — شمارہ ٤

شذرات

ریاست بمبئی کی جدید تشکیل نے اس علاقہ میں اردو کے موقف کو خوشگوار طریقہ پر متأثر کیا ہے۔ اس جدید ذو لسانی صوبہ میں جہاں گجرات، جس نے اردو کی ابتدائی نشو و نما میں بہت زیادہ حصہ لیا ہے، شامل ہے وہیں سابق صوبہ متوسطہ کے اضلاع، برار اور مرہٹہ واڑے کے الحاق نے جہاں تک اردو کا تعلق ہے اسے اردو کا ایک اہم علاقہ بنا دیا ہے۔ صوبہ متوسط کے ان اضلاع اور برار میں اردو کو کافی مقبولیت حاصل ہے اور مرہٹہ واڑا کا علاقہ تو چند برسوں پہلے ریاست حیدر آباد کا اہم جز رہا ہے۔ اورنگ آباد نے اردو کی توسیع و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ساری ریاست میں اردو کو اس کا صحیح مقام دلانے کی سنجیدہ باقاعدہ کوشش شروع ہوگئی ہے، ہر علاقے میں انجمن ترقی اردو کی شاخیں قائم ہو رہی ہیں اور اب یہ طے کیا گیا ہے کہ دسمبر کے آخری ہفتہ میں اورنگ آباد میں ایک کل ریاست کانفرس کی جائے۔ امید کہ یہ کانفرس تعمیری حیثیت سے کامیاب ہوگی۔

اورنگ آباد کا انتخاب شاید اس خیال سے کیا گیا ہے کہ وہاں حال میں مرہٹہ واڑا یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس جامعہ کی رسم افتتاح ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نے ادا کی اور اردو کے سلسلہ میں ریاست کے وزیر تعلیم اور وائس چانسلر نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے ہم کو قوی امید ہے کہ اس یونیورسٹی میں اردو کو اس کا جائز مقام ضرور مل کر رہے گا۔

اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا دلچسپ ہوگا کہ گجرات میں اردو سے دلچسپی اس قدر بڑھ رہی ہے کہ اردو کی بہت سی کتابیں، گجراتی حروف میں شائع کی جارہی ہیں تاکہ وہ لوگ جو اردو حروف سے آشنا نہیں ہیں لیکن اس زبان کو بولتے اور سمجھتے ہیں ان سے مستفید ہوسکیں۔

مرہٹی ادیبوں نے اس سے بڑھ کر اردو سے دلچسپی لینا شروع کر دی ہےاور ایک قوم کے زندہ ادیبوں کی حیثیت سے انہوں نے مرہٹی بولنے والوں کو اردو کی بہترین تخلیقات سے روشناس کرانا شروع کر دیا ہے۔اس سلسلہ میں سب سے زیادہ کام ہماری ریاست کے محکمۂ تعلیم کے نائب معتمد جناب سیتو مادھوراؤ پاگڑی کر رہے ہیں، وہ تقریباً دس زبانوں پر عبور رکھتے ہیں جن میں اردو اور فارسی بھی شریک ہیں، جب سے وہ بمبئی تشریف لائے ہیں انہوں نے اردو نظم ونثر سے متعلق ایک سلسلۂ مضامین ہی لکھنا نہیں شروع کیا ہے بلکہ حال ہی میں انہوں نے دیوان غالب کو بھی مرہٹی بولنے والوں تک پہنچانے کی مستحسن خدمت انجام دی ہے، دوسرے ادیب جو اس سلسلہ میں کام کر رہے ہیں وہ پروفیسر ار، بی. جوشی ہیں، جہاں انہوں نے اردو کے نو افسانہ نگاروں کی تیرہ کہانیوں کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے وہیں کرشن چند کے ایک ناول کا ترجمہ بھی واتاہت کے نام سے چھاپا ہے.

یہ تو دوسری زبان دانوں کا کام تھا، ہم کو اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اردو زبان کے خزانہ کو ملک کی دوسری زبانوں کے انمول جواہرات سے کہاں تک مالا مال کر رہے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے یہاں بنگالی ہندی اور پنجابی کتابوں کے ترجمے موجود ہیں لیکن ان کی مجموعی مقدار بھی سمندر میں چند قطروں سے زیادہ نہیں ہے، خود ہماری ریاست میں خوش قسمتی سے ایسے بہت سے ادیب موجود ہیں جو ایک طرف اردو سے اور دوسری طرف گجراتی اور مرہٹی سے اچھی طرح واقف ہیں، کیا وہ اس طرف متوجہ ہوں گے.

یہ چیز ہم کو ایک دوسرے کے سمجھنے میں مدد کریگی اور غلط فہمی کی دیوار آہستہ آہستہ منہدم ہوتی جائیگی.

ہمارا یہ خیال بے بنیاد نہیں ہے، بلکہ انجمن ترقی اردو (ہند) اور دوسرے اداروں نے اردو کو اس کا صحیح حق و مقام دینے کے لئے جو تعمیری قدم اٹھائے ہیں اور جن کا خوشگوار نتیجہ ہمارے سامنے آ رہا ہے اس کا ثبوت ہیں، اگرچہ وہ تاریک بادل چھٹ نہیں گئے ہیں لیکن فضا رفتہ رفتہ صاف ہو رہی ہے، لیکن اس کامیابی کو مکمل کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہم اپنے عملی قدم کو زیادہ تیزی اور ثبات کے ساتھ بڑھائیں.

اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ہمدردوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ادارہ نے اب کام کو وسیع کرنے کے لئے ایک ریسرچ اسسٹنٹ کے تقرر کا فیصلہ کیا ہے. اس سلسلہ میں ہم نے یہ بھی طے کیا ہے کہ گجرات ودکن کی کمیاب و قدیم تصانیف کو اڈٹ کرکے شائع کیا جائے. چنانچہ ادارہ کے ایک رکن جناب عبدالرزاق صاحب قریشی کو گجرات کے مشہور شاعر پیر عبدالولی عزلت کے کلام کی ترتیب کا کام سپرد کر دیا گیا ہے. انڈیا آفس کے کتب خانہ کے نسخہ کی عکسی نقل حاصل کر لی

گئی ہے اور انشاء اللہ یہ انتخاب اس سال مرتب ہو جائیگا۔

کچھ دنوں پہلے ہمنے یونیورسٹیوں میں تحقیقی مقالوں کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ چونکہ ایک یونیورسٹی کے کام کر نے والوں کو دوسری یونیورسٹیوں کے کام کی خبر نہیں ہوتی اسلئے اکثر یک وقت ایک ہی موضوع پر مختلف طلبہ کام کرتے رہتے ہیں، اور اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ ہم اس سلسلہ میں یونیورسٹیوں سے ضروری معلومات حاصل کر کے نوائے ادب میں شائع کردینگے. ہمنے ہندوستان و پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں کو اس سلسلہ میں ایک گشتی مراسلہ ارسال کیا تھا اس کے ساتھ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اساتذہ سے بھی درخواست کی تھی، یونیورسٹیوں نے تو کم لیکن اکثر ہمارے دوستوں نے ضروری معلومات لکھکر بھیجدی ہیں، اس وقت تک جو کچھ مل سکا ہے وہ اس شمارہ میں شائع کیا جارہا ہے آیندہ شمارہ میں باقی یونیورسٹیوں سے متعلق معلومات پیش کئے جائینگے۔

اس سلسلہ میں اس بات کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ بہت سی یونیورسٹیوں میں جہانتک اردو کا تعلق ہے تحقیقی کام کا کوئی انتظام نہیں ہے. ضرورت ہے کہ ان جامعوں کے اساتذہ اور اس علاقہ کے اردو دوست اصحاب اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھائیں.

اس سہ ماہی کا جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے علمی حادثہ صوبہ بہار کے شاعر و طنز نگار اسحم ماپوری کی وفات ہے، نور محمد اسحم ایک اچھے شاعر، ایک اچھے انشاء پرداز اور ایک اچھے طنز نگار ہی نہ تھے بلکہ زبان وادب کی خدمت کا عملی جذبہ رکھتے تھے اسی جذبہ کے ماتحت انھوں نے اپنے وطن گیا سے رسالہ «ندیم» شائع کرنا شروع کیا اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں اس کا شمار اچھے ادبی وعلمی رسالوں میں ہونے لگا. اس کے سالنامے خاص قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے. یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس رسالہ نے بہار کے اردو دوستوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اس چیز کا جائزہ لیں کہ اردو کی ترقی میں صوبہ بہار کا کیا حصہ ہے. میر کلو کی گواہی،میری اسیری، سیکنڈ ہینڈ موٹر،ہاتھی، کرائے کا ٹم‌ٹم' صاحب کا کتا وغیرہ ان کی طنز نگاری کا درجہ متعین کرنے کے لئے کافی ہیں. لیکن ان سب سے بڑھ کر جو چیز ان کو سارے صوبہ میں محبوب بنائے ہوئے تھی وہ ان کا خلوص، ان کی خاکساری ان کی خوش مزاجی اور انسان دوستی تھی تقریباً ربع صدی سے خاکسار کو ان کی خدمت میں نیاز حاصل تھا، خداوند تعالی مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت‌فرمائے.

قاضی عبدالودود، بار۔ایٹ۔لا، پٹنہ

بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء سنہ ۱۸۵۷ع تک

(۱)

"Trifles make perfection, and perfection is no trifle"

(۱) ڈاکٹر اختر اورینوی اردو کے مشہور افسانہ نگاروں میں ہیں، اور غالباً اس سے عام طور پر اتفاق کیا جائے گا کہ بہار کے اردو بولنے والوں میں ان سے بہتر افسانہ نویس پیدا نہیں ہوا۔ وہ افسانوں کے ساتھ تنقیدی مضامین لکھتے رہے ہیں، اور ادھر چند سال سے ادبی و لسانی تحقیقات نے بھی انھیں اپنی طرف متوجہ کیا ہے، «بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا سنہ ۱۸۵۷ع تک» («بہار») جو ابھی حال میں اشاعت پذیر ہوا ہے، ان کا مقالۂ تحقیقی ہے جس پر دانشگاہ پٹنہ نے انھیں ڈی۔لٹ کی سند عطا کی ہے۔ اس مقالہ کی علت غائی یہ دکھانا ہے کہ وہ ایک جویائے حقیقت کی حیثیت سے کس طرح اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

(۲) «بہار» ایک مقدمہ اور دو ابواب پر مشتمل ہے، کتابیات [۱] وغیرہ مزید برآں۔ بعض وجوہ سے پہلے باب دوم کے اس حصے کی طرف توجہ کیجاتی ہے جس کا عنوان «بہار میں اردو شاعری» ہے (ص ۱۹۵ تا ص ۳۴۵)۔

(۳) مصنف اس حصے میں جن چیزوں [۲] سے ظاہرا براہ راست کام لینے کے مدعی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) سفینۂ خوشگو (۲) چمنستان شعرا (۳) تذکرۂ میر حسن (۴) تذکرۂ شورش (۵) تذکرۂ مسرت افزا (۶) گلزار ابراہیم (۷) تذکرۂ ہندی مصحفی (۸) گلشن ہند (۹) تذکرۂ عشقی (۱۰) گلشن بیخار (۱۱) معراج الخیال (۱۲) تذکرۂ کریم الدین (۱۳) سخن شعرا (۱۴) جلوۂ خضر (۱۵) گل رعنا (۱۶) نوائے وطن (۱۷) تاریخ شعرائے بہار (۱۸) بہار و اردو شاعری (۱۹) بہار کی اردو شاعری (صدائے عام) (۲۰) شعرائے بہار (اردو سنہ ۲۳ء)

---

[۱] مصنف نے لکھا ہے کہ کتابیات میں مکمل فہرست مآخذ نہیں۔ [۲] اس مقالے میں ان چیزوں کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے: ک ۱۔سفینۂ خوشگو، ک ۹۔تذکرۂ عشقی۔مقالات اور بعض کتابوں کے نام لازماً وہ نہیں جو لکھنے والوں نے رکھے تھے۔

(٢١) بہار و اُردو (ندیم بہار نمبر سنہ ٤٠ء) (٢٢) ادبائے بہار (نقوش شخصیات نمبر ٢) (٢٣) جواہرسخن (٢٤) پنجاب میں اُردو (٢٥) سیدھا رستہ (معاصر) (٢٦) بیبی ولیہ (ندیم) (٢٧) نسخ گوہر جوہری (٢٨) مقالہ متعلق گوہر جوہری (اُردو) (٢٩) یادگار عشق (٣٠) اشعار سجاد (معاصر) (٣١) مقدمۂ دیوان جوشش (٣٢) اشعار تپاں (معاصر) (٣٣) مقدمۂ دیوان رضا (٣٤) مثنوی عاشق (معاصر) (٣٥) مقالہ متعلق عاشق (ندیم) (٣٦) عبارت متعلق حسرت (ساتھی) (٣٧) دیوان کمال (٣٨) نسخ دیوان راسخ (٣٩) مقالہ متعلق راسخ (اُردوئے معلیٰ) (٤٠) ایضاً انگریزی (٤١) ایضاً از قیس (٤٢) انتخاب اشعار راسخ (٤٣) بیاض مراثی پھلواری (٤٤) پھلواری کے متفرق مراثی (٤٥) مراثی فرد (٤٦) یوسف زلیخا قلمی (٤٧) اشعار بالاں مع تمہید مختصر (معاصر) (٤٨) اشعار ثابت مع تمہید مختصر (معاصر) (٤٩) الفت (معاصر) (٥٠) ایضاً (صدائے عام) (٥١) اشعار حضور (معاصر) (٥٢) الہامات شاد (٥٣) تذکرۃ الکرام (٥٤) تذکرۃ الصالحین (٥٥) تجلیات الانوار (٥٦) سیر المتاخرین (٥٧) ریاض السلاطین (٥٨) تاریخ مگدھ (٥٩) خطبۂ صدارت صلاح الدین خدا بخش۔

(٤) بعض ضروری باتیں جن میں سے بیشتر کا تعلق مصنف اور بعض کا مجھ سے ہے، ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(١) بعض کتابوں کے حوالے اس طرح دئیے ہیں کہ پڑھنے والا لازماً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ مصنف ان کے ذاتی مطالعے کے مدعی ہیں، لیکن « بہار » سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعی ان کی نظر سے گزری ہیں۔ سفینۂ خوشگو انھوں نے دیکھا ہوتا تو صفحہ ١١٢ میں اسے « اُردو شاعری کا تذکرہ » نہ کہتے۔ نوائے وطن انھوں نے پڑھی ہوتی تو « بہار » اس کے حوالوں سے بھری ہوتی۔ ایک دو مقاموں سے قطع نظر مصنف وہ باتیں بھی جو پہلے پہل ک ١٦ میں کہی گئی ہیں دوسروں کے حوالے سے لکھتے ہیں مثلاً « بہار » صفحہ ١٤٧ میں ک ١٨ کی عبارت ذیل نقل ہوئی ہے :

> « ناصر الدین اور کیقباد کی جنگ (جنگ در اصل نہیں ہوئی) کے حالات کو خسرو سے بہت پہلے ایک بہاری شاعر نے قلمبند کیا تھا۔ خسرو کی قران السعدین ہر جگہ مشہور ہے لیکن غریب بہاری شاعر کا بھی ایک شعر یاد رہے :

«منکی اجڑی نگری کو تب کریں آباداں ناصر دیں سے جب ملیں موجدین کباداں»

شاد لکھتے ہیں کہ بہار کے دھرم سنگھ نے ایک مسدس میں ناصر الدین و کیقباد کا واقعہ نظم کیا تھا. استاد (فریاد) کہتے تھے کہ اس کا ایک ورق کسی نے انھیں دکھایا تھا اور وہ اس کا ایک شعر پڑھا کرتے تھے. شاد نے دھرم سنگھ کا زمانہ نہیں بتایا. «خسرو سے بہت پہلے» ہونا حال کے اختراعات سے ہے. قران السعدین باپ بیٹے کی مصالحت کے بعد ہی نظم ہوئی تھی، اس بات کو کہ بہاری شاعر نے خسرو سے بہت پہلے اسے قلمبند کیا تھا، قبول کرلینا تعجب انگیز بات ہے. شاعر کا متن بھی جو ک ۱۶ میں ہے «بہار» سے کسی قدر مختلف ہے.

(۲) قدیم تذکروں کو مصنف نے بالاستیعاب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اُن کے بعض مقامات کا پڑھ لینا کافی سمجھا ہے.

(۳) کچھ مطالب اس طرح پیش ہوتے ہیں کہ پڑھنے والے کو یہ پتہ چلانا مشکل ہوجاتا ہے کہ کیا اپنی طرف سے لکھا ہے اور کیا اس چیز سے لیا ہے، جس کا حوالہ دیا ہے. اقتباس ذیل کے آخری لفظ «ہوئے» پر ہندسہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق حاشیہ ہے، اور حاشیہ سے یہ خبر ملتی ہے کہ ک ۲۲ سے ماخوذ ہے، مگر صرف آخری بات، یا کل مطالب، اس کا فیصلہ ک ۲۲ کی طرف رجوع کئے بغیر ممکن نہیں. میرا قیاس ہے کہ سب کچھ اسی سے لیا ہے، اقتباس میں جن کتابوں کے حوالے ہیں، ان میں سے صرف ایک میری دی ہوئی فہرست میں ہے، کتابیات سے سب غیر حاضر ہیں:

> «مرزا بیدل کی جائے پیدایش میں اختلاف ہے، انھیں کوئی بخاری کہتا ہے، کوئی لاہوری، کوئی دہلوی، کوئی اکبر آبادی اور کوئی عظیم آبادی. خوشگو نے اکبر آبادی لکھا ہے، آزاد نے ید بیضا، خزانۂ عامرہ اور سرو آزاد میں عظیم آبادی بتایا ہے. عقد ثریا میں بھی عظیم آبادی تسلیم کیا گیا ہے. علامہ سلیمان ندوی کا خیال بھی یہی ہے کہ مولد و منشا صوبۂ بہار ہی تھا. اس کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی میں گزرا ہے. بیدل کے والد اور چچا نے آرہ ضلع کے ایک بزرگ شاہ کمال قادری سے بیعت کی تھی، وہ بھی انھیں کے دامن فیض سے وابستہ

ہوئے» ص ۱۹۷

(٤) مصنف نے پرانی باتوں کے ثبوت میں اکثر اپنے عہد یا اس سے کچھ قبل کے لکھنے والوں کے اقوال پیش کئے ہیں، میں نے یہ فرض کرلیا ہے کہ یہ صحیح نقل ہوئے ہیں، اور یہ التزام نہیں کیا کہ اس نوع کے مآخذ کی طرف رجوع کرکے، یہ دیکھ لیا جائے کہ عبارت یا مطالب صحیح طور پر پیش ہوئے ہیں یا نہیں۔

(٥) مصنف نے بعض اوقات متناقض و متضاد اقوال پیش کئے ہیں، اور یہ بتانے سے احتراز کیا ہے کہ کسے ترجیح ہے۔

(٦) مصنف نے ص ۱۹۳ میں لکھا ہے کہ «ان ادبی نمونوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائیگی جن سے لوگ عمومی طور پر واقف نہیں» مصنف نے جو اشعار منتخب کئے ہیں، ان سے اس دعوے کی بہت کم تصدیق ہوتی ہے۔

(٧) مصنف نے کسی دوسرے شخص کا قول اظہار اختلاف کے بغیر نقل کیا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ مصنف کو اس سے اتفاق ہے، اور یہ گویا خود انہیں کا قول ہے۔

(٨) اس مقالہ میں «بہار» کے اغلاط و اشتباہات کے استقصائے کامل کی کوشش نہیں کی گئی۔ بعض امور مجمل طور پر درج ہیں، اور کہیں کہیں اسناد ندارد ہیں بشرط ضرورت تفصیل سے کام لیا جاسکتا ہے اور اسناد پیش کئے جاسکتے ہیں۔

(٥) ایک غلطی جو مصنف سے جا بجا سرزد ہوئی ہے یہ ہے کہ ہجری سنہ اور عیسوی سنہ کی مطابقت کرتے ہوئے، دو عیسوی سنوں کی ضرورت بھی ہو، تو وہ صرف ایک دیتے ہیں۔

بیدل[1] ص ۱۹۶ تا ص ۲۰۲

(١) بیدل کے متعلق ایک بات بھی خود بیدل یا ان کے معاصرین کے حوالے سے نہیں لکھی، اس سلسلے میں قدیم ترین کتاب[2] جس کی طرف انہوں نے خود رجوع کیا ہے، صغیر بلگرامی کی «جلوۂ خضر» ہے۔ بیدل کا بہت کچھ حال ان کی نظم و نثر

---

[1] بیدل پر ایک مقالہ لکھا جا رہا ہے، اس مقالے میں جو باتیں مجملاً درج ہیں، بشرط امکان اس مقالے میں مفصلاً تحریر ہونگی ۔ [2] اوپر جو اقتباس دیا گیا ہے، اس میں سفینہ خوشگو وغیرہ کی طرف اشارے ہیں، ان کی نسبت میں اپنی رائے ظاہر کرچکا ہوں۔

میں ملتا ہے اور تذکرہ نگاروں میں سب سے زیادہ خوشگو نے ان کی طرف توجہ کی ہے. بیدل کا حال لکھتے وقت بیدل کی تصانیف اور ک ۱ سے بے التفاتی حود اپنے ساتھ زیادتی ہے،

(۲) بیدل میری رائے میں عظیم آبادی نہیں اور ان کا صوبۂ بہار کے کسی دوسرے مقام میں پیدا ہونا بھی متیقن نہیں. اردو میں ان کا دو سے زیادہ شعر کہنا ثابت نہیں اور یہ نتیجہ حود مصنف کے ایک قول [1] سے نکل سکتا ہے کہ دو شعر اس صوبے سے چلے جانے کے بعد موزوں ہوئے. اس صورت میں ان کے لئے محض چند سطریں کافی تھیں. انھیں حتیٰ جگہ «بہار» میں دی گئی ہے وہ ضرورت سے کہیں زیادہ ہے.

(۳) وطن عظیم آباد ک۱۷، باشندہ محلہ پٹن دیبی پٹنہ ک ۲۱، مولد پٹنہ ک ۱۴.
حقیقت یہ ہے کہ مرزا عبد القادر قبل اس کے کہ انھیں شہرت حاصل ہو، صوبۂ بہار سے چلے گئے. اس صورت میں یہاں ان کے متعلق کسی قدیم روایت کا زبانوں پر جاری ہونا حد درجہ بعید از قیاس ہے. اگر ان کا عظیم آبادی ہونا زبان‌زد عام ہوتا تو عشقی جو بقول خود بیدل کے یک واسطہ شاگرد تھے. وطن کے معاملے میں خوشگو کے ہم نوا نہ ہوتے. شورش «ساکن دہلی» بتانے پر قناعت نہ کرتے اور علی ابراہیم خاں خلاصۃ الکلام میں انھیں صرف اکبرآبادی نہ لکھتے. (صحف میں خوشگو و آزاد دونوں کے اقوال منقول ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ترجیح نہیں دی) صوبہ بہار میں بیدل کا عظیم آبادی تسلیم کیا جانا روایات کی بنا پر نہیں، آزاد کے تذکروں کی بدولت ہے، بعد کو شاد نے اپنی روش کے مطابق بیدل کے بارے میں کچھ باتیں گڑھ کر نوائے وطن میں درج کیں، اور بہتوں نے یہ دھوکا کھایا کہ یہ پرانی روایتیں ہیں. پٹن دیبی کی سکونت بھی اختراعات شاد سے ہے. آزاد پہلے تذکرہ نگار ہیں جو بیدل کا مولد عظیم آباد بتاتے ہیں، مگر ان سے قبل بیخبر بلگرامی نے «سفینۂ بیخبر» (نسخۂ دانشگاہ پنجاب) میں ان کا مولد صوبہ بہار لکھا تھا. آزاد نے کبھی بیدل کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی، بیخبر ایک بار ان سے ملے تھے خوش‌گو بقول خود ہزار بار سے زیادہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے احباب و تلامذہ

---

[1] اشعار ایک زمین میں ہیں، اور مقطع میں بیدل تخلص جو بقول مصنف عزت کا تلمذ اختیار کرنے کے بعد رکھا. عزت کی شاگردی بہار سے رخصت ہونے کے بعد کی بات ہے.

میں سے بہتوں کو ذاتی طور پر جانتا تھا۔ آزاد علم و فضل میں خوش گو سے بمراتب بہتر ہیں مگر وہ واقعات کی زیادہ چھان بین نہیں کرتے ' چنانچہ خود بیدل سے متعلق انھوں نے غلطیاں کی ہیں، جن کا ذکر آگے آئیگا۔ قانون شہادت کے عام اصول کے مطابق خوشگو کی شہادت بیدل و بیخبر کی گواہی سے مرجح ہے۔ واضح رہے کہ تصانیف بیدل کی گواہی سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وطن کہاں [1] تھا اور پیدایش کہاں کی ہے یہ البتہ ان کی کتابوں سے ثابت ہے کہ بہار سے دہلی جانا ہوا تھا۔

(٤) شاہ کمال کا آروی ہونا ثابت نہیں، چہار عنصر طبع بمبئی ص۹ میں ہے کہ ان کا وطن رانی ساگر تھا جو بنارس کے پاس ہے۔

(٥) اس کی کچھ اصل نہیں کہ بیدل کے والد شاہ کمال کے مرید تھے۔

(٦) چہار عنصر صفحہ ٦ میں بیدل کے چچا کے متعلق مرقوم ہے کہ شاہ کمال کی «ہم حرفگی» پر فخر کرتے تھے، اس سے میرے نزدیک پیر بھائی ہونا مراد ہے۔

(٧) «دامن فیض سے وابستہ» ہونے کا مطلب مرید ہونا ہے' تو اس کا ثبوت موجود نہیں۔

(٨) مصنف کو شکایت ہے کہ ک ۲۰ و ۲۱ میں بیدل کا ہندی شعر بیحوالہ درج ہے۔ ان دونوں میں حوالہ نہ ہو مگر یہ بات نہیں کہ شعر صاحبان ک ۲۰ و ک ۲۱ کے

[1] مصنف نے ص ۳۳۳ میں اپنے ایک ہمعصر کا قول اظہار اختلاف کے بغیر نقل کیا ہے۔ اگر ملکۂ نورجہاں ایرانی نژاد ہونے کے باوجود ایک ہندوستانی کہلا سکتی ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ میں شاہ گھسیٹا (عشق) یا میاں فدوی کو عظیم آبادی شاعر نہ کہوں نورجہاں کی مثال ٹھیک نہیں، اس لئے کہ ایام رضاعت میں ہندوستان آگئی تھی، اور اس نے ایک ہندوستانی بادشاہ سے شادی کی تھی۔ و عشق فدوی اس زمانے میں یہاں آئے جب پختگی آچکی تھی، ایسے بیرونی شعرا کو عظیم آبادی اگر کہہ سکتے ہیں تو اس بنا پر کہ اصلی وطن کو چھوڑ کر عظیم آباد میں اقامت گزیں ہو گئے تھے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں بیدل سے، ان کی پیدائش بہار کی ہو بھی، تو ہاتھ دھونا پڑیگا۔ واضح رہے کہ میر و غالب اکبر آبادی المولد ہونے کے باوجود دہلوی کہے جاتے تھے، وجہ یہی کہ نا پختگی کے عالم میں دہلی چلے گئے تھے، مگر میر کو حالانکہ اپنی عمر کے کم و بیش تیں سال انھوں نے لکھنؤ میں گزارے، کسی نے لکھنوی نہیں کہا۔

اختراعات سے ہو، ہاں ان دونوں کے یہاں شعر کی جو شکلیں ملتی ہیں، وہ صحیح نہیں. مصنف نے اس کی شان نزول ک ۲۰ سے نقل کی ہے:

« بیدل حب چلنے لگے تو اپنی منہ بولی[1] (بولی چاہئے) ماں کے ہاں رخصت ہونے گئے تو کہا »

صاحب ک ۲۱ سے اس لئے اختلاف کیا ہے کہ شعر زیر بحث بیدل کا ہے، مصنف نے یہ لکھنے کے بعد کہ میں اس سے «ایک حد تک[2] متفق ہوں» یہ رائے ظاہر کی ہے.

« معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعر روایتاً (روایتِ صحیح) مشہور چلا آتا ہے. ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں یہ بیدل ہی کا شعر ہو. (اس کے بعد بیدل کے کمت نہ سمجھنے کا ذکر) مگر یہ تو ہو سکتا ہے کہ بیدل پرانی ہندوی نہ جانتے ہوں اور آخری دور کی «بہاری» اپ بھرنش سے تھوڑا بہت آگاہ ہوں، اور سرسرا ہے پوربی بھاشا میں ایک پکتی[3] کہہ گئے ہوں »

مصنف کو اس کا علم نہیں کہ یہ شعر اور اس کے متعلق ایک حکایت پہلے پہل نوائے وطن (طبع ۱۸۸٤ء) میں درج ہوئی تھی. شاد لکھتے ہیں کہ بیدل مفلسی سے تنگ آگئے تو دلی جانے کی ٹھانی. کسی نے ٹٹو دیا، اس پر دری لوٹا رکھ کر باگ پکڑے ہوئے ایک کنڑن سے جو انہیں سودا ادھار دیا کرتی تھی، رخصت ہونے گئے اور فی البدیہ یہ شعر پڑھا:

سر اوپر حب کوئی نہیں تب دسمس آپن کیس[4]
پٹنہ نگری چھاڑ دہں اب بیدل چلے بدیس

کنڑن «ملا کی موزوں طبع اور بدیہہ گو»تھی، آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور بے ساختہ بول اٹھی

سر پر مایا رام ہے پہن کاہ ندے بیصبری　　بیدل بھے کرمت چھاڑو ہوتا آپن نگری

ک ۱٦ کی اشاعت کے بعد جو کئی رسالے اس کی تردید میں نکلے تھے، ان میں

[1] «منہہ بولی ماں» ک ۱٦ میں نہیں، صاحب ک ۲۰ یہ بتائیں کہ کہاں سے لائے
[2] اتفاق کس بات میں ہے، سمجھ میں نہ آیا [3] «پکتی» اردو نہیں، پلیٹس نے اس کے جو معنی دیے ہیں اگر صرف وہی معنی ہیں تو مصنف کے یہاں بے محل مستعمل ہوا ہے. [4] صاحبان ک ۲۰ و ۲۱ کو بتانا چاہئے کہ شعر کی جو شکلیں ان کے یہاں ہیں، کہاں ملیں،

سے ایک میں لکھا تھا کہ شاد یہ خرافات کہاں سے لائے۔ دونوں شعر بے شبہہ شاد کے نتائج افکار سے ہیں اور حکایت ان کی گڑھی ہوئی ہے۔ شاد مکتوبات شاد میں خود مدعی ہیں کہ میں نے تو اپنا بہت سا کلام حیات فریاد میں فریاد کے نام سے لکھ دیا ہے[۱]۔ اور وضع حکایات تو ان کا محبوب مشغلہ تھا، اشکی و جمال[۲] کے سفر دہلی کا حال حیات فریاد میں اس طرح لکھا ہے کہ تفصیلات کا انبار ناظر کو مرعوب کرسکتا ہے۔ اس سلسلے میں قابل توجہ یہ بات ہے کہ پہلے شعر میں بیدل تخلص ہے اور یہ جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے، خود مصنف[۳] کے قول کے مطابق اس صوبے سے چلے جانے کے بعد اختیار کیا تھا۔ مصنف کو اصرار ہو کہ اصل شعر میں بیدل کی جگہ کوئی اور لفظ تھا، تو اس کا جواب مجھ سے ممکن نہیں، مگر اس صورت میں میں یہ شکایت کرونگا کہ شعر کی غلط شکل کیوں پیش کی[۴]، اور اپنی کتاب کے ناظرین کو انھوں نے صوبۂ بہار کی قدیم ترین شاعرہ کے کلام سے کیوں محروم رکھا۔

(۹) مصنف نے یہ نہیں لکھا کہ بیدل سے قبل کیا تخلص تھا۔ رمزی کا ثبوت تصانیف بیدل سے تو نہیں ملتا، لیکن ک ۱ میں ہے کہ «مدت مدید» تک یہ تخلص رہا، دیباچۂ گلستاں میں «بیدل از بے نشاں چہ گوید باز» دیکھا، تو تخلص بدلا۔ «مدت مدید» تک رمزی تخلص تھا، تو ظاہر ہے کہ بیدل تخلص بہار سے جانے کے بعد اختیار کیا ہوگا۔ مصنف کا قول ہے کہ «بیدل تخلص . . عزت کے دامن تربیت میں اختیار کیا» چونکہ نہ یہ معلوم ہے کہ کب تخلص بدلا اور نہ یہ کہ کب عزت کے شاگرد ہوئے، مصنف کے قول کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہوسکتی۔

(۱۰) «ایک مدت تک ناظم بنگالہ شہزادہ محمد اعظم کے دربار سے منسلک رہے، پھر دکن کی سیر کو نکل کھڑے ہوئے، کچھ عرصہ دکن میں رہنے کے

[۱] میرے مضمون «فریاد کے دو شاگرد» شائع کردۂ ندیم میں اس سے بحث ہوئی ہے۔
[۲] اس سے بحث میرے مضمون «درد و شاد» میں ہے جو پہلے تحریک میں شائع ہوا اور اس سے آجکل میں نقل ہوا، [۳] یہ نتیجہ ہے جو مصنف کے قول سے نکلتا ہے،
[۴] ظاہر ہے کہ اصلی شکل وہ ہے جو نوائے وطن میں ہے، یہاں پر یہ شکایت ہے کہ نوائے وطن میں جس طرح تھا، اسی طرح کیوں نہ لکھا۔

بعد دہلی چلے آئے اور عمر کا بقیہ حصہ وہیں گزارا (عبارت ک ۱۷) یعنی یہ کہ بہار سے بنگالہ، بنگالہ سے دکن اور دکن سے دہلی گئے. بہار چھوڑنے سے قبل بنگالہ کی سیر کی تھی یا نہیں، اس کے متعلق اس وقت کچھ کہنے سے قاصر ہوں (چہار عنصر سے اڑیسہ جانا ثابت ہے)، مگر کلیات بیدل کے ایک قطعے میں بہار سے عازم دہلی ہونے کا سنہ «راہبر حدابس» = ۱۰۷۵ سے نکالا ہے. پیدایش سنہ ۱۰۵٤ھ کی ہے' اس لئے اس وقت اکسیواں بائیسواں سال ہوگا. اعظم انتظام صوبۂ بہار کے لئے جمادی الاولی سنہ ۱۰۸۷ میں یہاں پہنچے (مآثر عالمگیری صفحہ ۷۲ و ۷۳) اور یہاں سے بنگالہ ربیع الآخر سنہ ۱۰۸۸ھ میں گئے (ایضاً صفحہ ۷۷). بیدل بہار و بنگالہ یا صرف بنگالہ میں اعظم کے ساتھ رہے، تو ان کا آنا بیروں بہار سے ہوا ہوگا. بنگالہ سے کہاں گئے اس سے سردست بحث نہیں.

(۱۱) «بیدل عہد عالمگیر میں پٹنہ سے دہلی گئے' وہاں اعظم و معظم کے استاد و اتالیق مقرر ہوئے» یہ قول اس کا مخالف ہے کہ بہار سے بنگالہ جانا ہوا تھا. اس سے قطع نظر، استادی و اتالیقی داستان محض ہے. معظم سنہ ۱۰۵۳ھ میں پیدا ہوئے (مآثر عالمگیری صفحہ ۳۳۵)، انہوں نے باقاعدہ تعلیم پائی تھی (ایضاً) اس معاملے میں بیدل کو حس کی¹ تعلیم دسویں ہی برس میں ختم ہوچکی تھی (چہار عنصر) معظم سے کچھ نسبت نہ تھی. اعظم کا سال ولادت ۱۰٦۳ھ ہے (مآثر عالمگیری صفحہ ۳۳٦) بیدل معظم سے چھوٹے تھے، یہ بالکل خارج از بحث ہے کہ ان کے استاد و اتالیق رہے ہوں. اعظم ان سے چھوٹے تھے، لیکن عمروں کا تفاوت اتنا نہیں کہ عالمگیر انہیں استاد و اتالیق مقرر کرسکتا. یہ بات مصنف نے تو خود نہیں گڑھی، مگر حس سے لی ہے، وہ بیدل، عالمگیر اور اس کے بیٹوں کے حالات سے بالکل بےخبر معلوم ہوتا ہے.

(۱۲) ایک دفعہ اعظم نے قصیدے کی فرمایش کی اور منصب کی افزایش کی پیشکش کی، بیدل نے اسی وقت نوکری ترک کی اور گوشۂ عزلت اختیار کیا ترک نوکری کا سبب بجنسہ یا کسی قدر فرق کے ساتھ پہلے پہل مرآۃ الخیال میں

---

¹ یہ ممکن ہے کہ بیدل نے مصلحت کی بنا پر کمسنی میں باقاعدہ تعلیم کے بند ہوجانے کا ذکر کیا ہو، لیکن ان کا علم اتنا نہ تھا کہ شاہزادوں کے استاد مقرر ہوتے

درج ہوا اور اس سے آزاد وغیرہ نے نقل کیا۔ ک ۱ [1] میں اس کی اصلی وجہ مذکور ہے۔ مدحیہ قصیدہ کہنے میں بیدل کو مطلق تامل نہ ہوتا، اور شاہزادہ درکنار کلیات بیدل میں امرا کی مدح موحود ہے۔ حود اعظم کی شان میں حو قصیدہ انھوں نے کہا تھا، اس کے بعض اشعار «آزاد بحیثیت محقق» میں پیش ہوچکے ہیں۔

(۱۳) «دن کو گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے» ک ۱ میں ہے۔ «مقرر آں کردہ بود کہ تمام روز اندروں محل بہ تنہائی و تجرد نشستہ با سخن صحبت میداشت» دونوں میں فرق ہے۔

(۱۴) قاتل امیرالامراء سید حسین علی خاں کا نام صدر (صاد کے ساتھ) بیگ خاں تھا۔ مصنف کا یہ قول صحیح نہیں، نام میر حیدر خاں تھا (تذکرۂ چغتائی از کامور خاں نسخۂ حداحش ورق ۴۰۵)

(۱۵) قتل امیر الامراء کے متعلق مصنف کا قول ہے کہ «شاید فرخ‌سیر کے اشارے سے ہوا تھا۔ اس کا انتقام سید عبداللہ خاں نے بادشاہ سے لیا» یہ بالکل نئی بات ہے۔ ارباب تاریخ کے مسلمات سے ہے کہ حسین علی خاں اور عبد اللہ خاں قتل فرخ سیر کے ذمہ دار تھے اور حسین علی خاں کا قتل عہد محمد شاہ میں ہوا تھا۔

(۱۶) ذکر انتقام کے بعد۔ «اس پر بیدل نے تاریخ کہی۔ «سادات بوے نمک حرامی کردند» یہ تاریخ [2] مشہور ہوئی۔ سادات بارہہ کے خوف سے بیدل دہلی سے لاہور چلے گئے۔ جب سادات کا دور ختم ہو گیا مرزا پھر دہلی آئے» میں اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(الف) آزاد کی سرو آزاد کے سوا یہ روایت کہیں اور نہیں ملتی (ناقدین سے بحث نہیں)

(ب) وہ رباعی جس کے مصرع آخر سے تاریخ نکلتی ہے، کلیات بیدل کے مطبوعہ اور خطی نسخوں اور مجموعہائے رباعیات میں جو میری نظر سے گذری ہیں، نہیں ہے۔

(ج) بیدل اور حسین علی خاں کے اچھے تعلقات کا ذکر سرو آزاد میں ہے، کلیات میں عبداللہ خاں کے متعلق ایک قطعہ ہے جس کا مصرع آخر یہ ہے۔ «سید آفاق قطب

---

[1] ک ۱ میں جو بیدل کا ترجمہ ہے، وہ معارف میں بھی شائع ہوچکا ہے، ظاہرا یہ بھی مصنف کی نظر سے نہیں گزرا، [2] آزاد نے «شہرت گرفت» لکھا ہے، «بہت» مصنف یا کسی اور کا اضافہ ہے۔

الملک عبداللہ خاں» (ورق ۱۸۲). فرخ سیر سے بیدل کا خاص سروکار نہ تھا کہ اس کی وجہ سے عبداللہ خاں وحسین علی خاں سے بگاڑ مول لیتے. اعظم کی شکست و موت کے بعد انھوں نے معظم کے جلوس کے متعلق ایک قطعہ کہا تھا جس کا مصرع آخر یہ ہے. «ہماں خلیفۂ رحمان معظم دو جہاں» رقعات ص ۲۲۵.

(د) خوشگو بیدل کے سوم کے روز دہلی میں تھا اور قرینہ ہے کہ زمانۂ علالت میں بھی وہیں ہو وہ مرض الموت کے متعلق لکھتا ہے. «در محرم عارضۂ تب روے داد، چہار پنج روز بہ حرارت گذشت، بعد از آں تب مفارقت کرد. روز دوم از غسل تاریخ سوم صفر حرارت عود کرد»

(ہ) حسین علی خاں عہد محمد شاہ میں تاریخ ششم ذی الحجہ سنہ ۱۱۳۲ھ مقتول ہوئے (تذکرۂ چغتائی ورق ۴۰۵) اور ۱۴ محرم ۱۱۳۳ھ عبداللہ کی شکست کی تاریخ ہے (ایضاً) یاد رہے کہ اس وقت بیدل عشرۂ ہشتم کے اواخر میں ہیں اور اس زمانے میں خبر رسانی اور سفر کی وہ آسانیاں نہ تھیں جو اب ہیں. اس کا وقت نہیں کہ شکست کی خبر لاہور پہنچے، ساماں سفر تیار کریں، دہلی پہنچیں، چار پانچ دن بیمار ہوں، غسل صحت کے دوسرے دن حرارت عود کرے اور ۳ صفر کو راہی عدم ہوں.

(و) زندگی کے آخری ایام میں بیدل کا لاہور جانا ہوتا تو خوشگو اس کا ضرور ذکر کرتا.

(ز) سادات کا جو خوف دہلی میں تھا وہی لاہور میں بھی ہوتا، اس لئے کہ صوبہ دار لاہور ان کا محکوم تھا.

رباعی نہ معلوم کس کی ہے، آزاد نے سارا واقعہ کسی غیر معتبر شخص سے سنا اور باور کرلیا.

(۱۷) عبد اللہ خاں، ناظم لاہور نے بیدل کی «بہت عزت و تعظیم کی» زمانۂ زیر بحث میں عبد الصمد خاں ناظم تھے.

(۱۸) «سوم صفر (صفر چاہئے) سنہ ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا»، چہارم، چاہئے خوشگو نے «یوم پنجشنبہ چہارم ماہ صفر» سے تاریخ نکالی ہے. چوتھی صفر کی جگہ تیسری آزاد کے یہاں بھی ہے.

(۱۹) مصنف نے اپنے کسی ہمعصر کا قول نقل کیا ہے کہ «بیدل ہی نے دکن کے مقابلے میں شمالی ہند کی لاج رکھ لی» «بہار» میں بشمول شعر ہندی بیدل کے

٤ شعر درج ہیں، دکنیوں نے پچاسوں ہزار شعر کہے ہیں. ظاہر ہے کہ بیدل کمیت میں ان کے حریف نہیں ہوسکتے، اشعار کا مرتبہ اتنا بلند ہونا چاہئے کہ یہ دکن کے کل سرمایہ کے مقابلہ میں شمالی ہند کی طرف سے پیش کئے جاسکیں. کیا واقعی مصنف کے نزدیک یہ ایسے ہی ہیں، اگر نہیں تو اظہار اختلاف کے بغیر اس قول کے نقل کرنے سے کیا حاصل ہے؟

(۲۰) ان اشعار میں سے ۲ بحوالۂ ک ۳ درج ہیں، لیکن یہ میر و قائم و شفیق کے تذکروں میں بھی ہیں اور یہ ک ۳ سے قدیم تر ہیں.

(۲۱) «شہرۂ حسن سے اُس سکہ وہ محجوب ہوا... الخ» خلوۂ خضر سے لےکر بیدل کی طرف منسوب کیا ہے، یہ ہرگز بیدل کا نہیں. صفیر کے ماخذ (ایک بلگرامی بیاض جو مصنف «بہار» کی نظر سے نہیں گذری) سے قدیم تر کتابوں. تذکرہاے میر و قائم میں یہ سوز[1] کے نام سے ہے اور سوز کے کلیات کے متعدد نسخوں میں (ان آں جملہ نسخۂ سنٹرل کالج کلکتہ) ساتھ کے اور اشعار کے ساتھ موجود ہے. اس مطلع کے بارے میں، میں اشاعت «بہار» سے قبل بھی لکھ چکا ہوں، مصنف کا اسے بیدل کا راشیدۂ طبع سمجھنا تعجب کی بات ہے.

[2]سید عمادالدین قلندر پھلواروی ص ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۳۵ تا ۲۶۸

(۱) ولادت سنہ ۱۰٦۵ وفات سنہ ۱۱۲٤ھ بحوالۂ ک ۵۵، لیکن ایک تحقیقی مقالہ کے شایاں شان یہ ہوتا کہ قدیم ترین سند جو مل سکتی تھی پیش کی جاتی.

(۲) مصنف نے ان کا تخلص عماد بتایا ہے، میں ان کی اُردو شاعری کو فرضی سمجھتا ہوں، فارسی کہتے تھے یا نہیں اس کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں، شاعر فارسی گو بھی نہ تھے تو تخلص کا سوال ہی نہیں.

(۳) اشعار اُردو «سیدھا رستہ» اور ک ۱۸ کے حوالے سے درج ہیں، تحقیق کی جائے تو پتہ چلےگا کہ سیدھا رستہ کی طرح ک ۱۸ کے اشعار بھی جناب تمنا ہی کے ذریعے سے پھیلے ہیں. ان کی نظم و نثر اُردو پھلواری کے کسی اور شخص کے پاس نہیں.

---

[1] نکات الشعرا میں نام «میر». سوز کا پہلے یہی تخلص تھا [2] ان کی طرف جو نظم و نثر منسوب ہے، اس سے آسانی کے لحاظ سے ایک جگہ بحث کی گئی ہے.

(٤) «سیدھا رستہ» ایک مختصر سا مذہبی رسالہ ہے جسے جناب تمنا نے معیار میں اشاعت کے لئے دیا تھا، میں نے معیار کے شمارۂ اول میں اسے شامل تو کرلیا تھا لیکن اس کے متعلق یہ لکھا تھا:

«خاتمہ میں کاتب کا نام نہیں، لیکن جناب تمنا کا بیان ہے کہ حضرت شاہ وجیہ اللہ قلندر کا لکھا ہوا ہے۔ یہ بظاہر کم از کم[1] ستر اسی برس کا معلوم ہوتا ہے» «کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک نسخہ مصنف کا لکھا ہوا بھی موجود ہے، جناب تمنا اس کی تلاش میں ہیں» «اگر مصنف کا سال ولادت ۱۱۶۵ھ ہے تو ۱۱۸۱ھ میں مصنف کی عمر ۱٦ سال سے زیادہ نہیں ٹھہرتی، اور یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ گیارھویں صدی میں اس عمر کا کوئی شخص تصنیف کے لئے اُردو کو منتخب کرتا جو اس عہد کی تصنیفی زبان نہ تھی، اور صرف نثر ہی نہیں بلکہ نظم بھی اس زبان میں لکھتا۔ کتاب کے خاتمے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تاہل کی زندگی اختیار کرنے کے بعد تصنیف ہوئی ہے، حالانکہ جو حالات تذکرۃ الصالحین میں درج ہیں (اٹھارہ اُنیس برس کی عمر میں تعلیم کے لئے دہلی جانا، ۲۵ برس کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہونا اور دو سال سادھورہ میں درس دے کر واپس آنا) ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ تاہل کا زمانہ سنہ ۱۰۸۱ھ کے بہت بعد ہوگا۔ ہم نے جناب تمنا کو اس خدشے سے آگاہ کردیا ہے لیکن ابھی ان کا جواب وصول نہیں ہوا۔ تنقیح طلب سوالات حسب ذیل ہیں:

(۱) مصنف کی ولادت کب ہوئی (۲) یہ رسالہ کب لکھا گیا (۳) کیا واقعی انہیں بزرگ کی تصنیف ہے جن کی طرف یہ منسوب ہے؟ (٤) اگر نہیں، تو اصلی مصنف کون ہے، اور غلط انتساب کی کیا وجہ ہے۔ وہ اصحاب جو متاخرین کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں، علی الخصوص متوسلین خانقاہ عمادیہ و خانقاہ مجیبیہ اپنے خیالات ظاہر فرمائیں»

جناب تمنا نے مجھ سے اسی زمانے میں کہا تھا کہ سال ولادت غلط مشہور ہوگیا ہے، میں اس کا ثبوت دوں گا، رسالے کی اصلیت کے متعلق اس رسالے میں جس نے اسے شائع کیا تھا، شبہہ ظاہر کیا گیا تھا، تو ان کا فرض تھا کہ وہ اس کے ازالے کی

---

[1] میری عبارت «کم از کم» کے بعد صرف ایک ہی عدد ہوتا تھا۔

کوشش کرتے، لیکن انھوں نے سال ولادت کے متعلق اپنا وعدہ آج تک وفا نہیں کیا، اور امور سے بحث تو درکنار ہے۔

مصنف یہ کہنے کے بعد کہ حضرت عمادالدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ اب تک جناب تمنا کو نہ مل سکا، یہ تحریر کرتے ہیں کہ «دریافت شدہ نسخہ غالباً جناب تمنا کے ساتھ ڈھاکہ جاچکا» وہ اس کے مدعی نہیں کہ کوئی قلمی نسخہ ان کی نظر سے گزرا ہے، لیکن اس کی اصلیت پر ایمان لانے کو تیار ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

> «جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ پھلواری کے صوفیائے (صوفیۂ چاہئے) کرام نے رشد و ہدایت اور تبلیغ و ترویج اسلام کیلئے حضرت عماد کے وقت سے مسلسل اردو کو استعمال کیا ہے، مثلاً حضرت عماد، سجاد، جو بری، طپاں، ظہور وغیرہم۔ لہذا اس سنہری زنجیر کی پہلی کڑی کے متعلق وہم و شک میں مبتلا ہونا صحیح نہیں»

یہ دیکھنے کے لئے کہ «جدید تحقیقات» سے کیا انکشافات ہوئے ہیں، میں نے «بہار» کے باقی حصہ کی طرف رجوع کیا تو یہ معلوم ہوا کہ بزرگان پھلواری میں نثر اردو حضرت ظہور کے سوا کسی نے نہیں لکھی (یہاں حضرت عماد الدین قلندر سے بحث نہیں) اور لکھی ہے تو مصنف نے اسے قلم انداز کیا ہے۔ حضرت ظہور کے بعض رسائل میں نے دیکھے ہیں۔ اور باقی کا حال «بہار» میں درج ہے، ان کا موضوع مذہب ضرور ہے، لیکن، ان سے «ترویج اسلام» میں مدد نہیں مل سکتی۔ بزرگان پھلواری نے منقبت اور مرثیہ کہا ہے، مگر بحث نثر کی ہے، اور منقبت و مرثیہ پر مصنف کا یہ قول کہ «رشدکیلئے ہے» صادق نہیں آتا۔ مصنف کی «سنہری زنجیر» کیا صرف ایک کڑی سے عبارت ہے؟ کیا وہ محض اس بنا پر کہ حضرت ظہور نے مذہبی رسائل لکھے تھے، یہ توقع رکھنے میں کہ ان کی طرح ہر شخص سیدھا رستہ کو حضرت عماد الدین قلندر کی تصنیف سمجھ لیگا، حق بجانب ہیں؟ ایک دلیل تو یہ ہوئی، اب دوسرے دلائل دیکھئے۔ (الف) دکنی صوفی سیدھا رستہ سے قبل اردو میں مذہبی رسالے لکھ چکے تھے (ب) «سوانح» سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر معمولی طور پر «تیز و طباع» تھے (ج) دوران

تعلیم میں وطن آتے رہے ہونگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دو شادیاں ہوئی ہوں (د) معترض کو خود سخن کی قدامت کا اقرار ہے: «بظاہر کم از کم ستر اسی برس قبل کا لکھا ہوا ہے» (۵) جناب تمنا کے بیان کے بموجب خطی نسخے کی کتابت حضرت وجہ اللہ قلندر نے کی ہے۔

مجھے اقرار ہے کہ (الف) صوفیۂ دکن نے مذہبی رسالے لکھے (ب) کمسنی میں شادیاں ہوتی ہیں میں نے خود ۵ برس کے لڑکے کا بیاہ دیکھا ہے (ج) شادیاں ایک سے زیادہ بھی ہوا کرتی تھیں اور اب بھی ہوتی ہیں (د) قلمی نسخہ بظاہر ستر اسی برس کا معلوم ہوتا ہے۔

«وہم» میں گرفتار رہنا کون پسند کریگا، میں بھی چاہتا ہوں کہ ان کی طرح مومنین کی جماعت میں شامل ہو جاؤں، مگر اس سے قبل ان سے سوالات ذیل کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) کیا ایک جویائے حقیقت کی حیثیت سے یہ بات ان کے فرائض منصبی میں نہ تھی کہ اس نسخے کی تلاش کرتے [1] جس کی نسبت یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ خود حضرت عماد الدین قلندر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے؟ اگر جستجو کے باوجود نہ ملا تھا، تو کیا یہ ضروری نہ تھا کہ وہ اس کا ذکر کرتے اور یہ بتاتے کہ جناب تمنا کے قول سے قطع نظر، اس کا ثبوت کیا ہے کہ یہ کسی رسالے میں موجود تھا؟

(۲) کیا وہ حضرت وجہ اللہ قلندر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی ایسی تحریر پیش کر سکتے ہیں، جس کی اصلیت پر شبہہ نہ ہوسکے اور اس پر راضی ہوسکتے ہیں کہ رسالے کا قلمی نسخہ اور یہ تحریر قلمی نوشتوں کے ایک مستند مبصر [2] کے پاس پیش کی جائے اور اسکی رائے قبول کی جائے؟ کسی ایسی تحریر کا پیش کرنا «جو بظاہر» ستر اسی برس کی معلوم ہو، کچھ مشکل نہیں، ایسے لوگ موجود

[1] مصنف نے ص ۲۲۲ میں لکھا ہے کہ «حضرت عماد اور حضرت سجاد کے کلام کے مخطوطات یا مقولات پھلواری سے باہر اب تک دستیاب نہیں ہوئے» انھیں اتنی غیر واضح بات نہ کہنی تھی، یہ بتانا تھا کہ وہاں مقدم الذکر کے کون سے مخطوطات ہیں۔

[2] ہینڈ رائٹنگ اکسپرٹ۔

ہیں کہ انہیں وقت دیا جائے تو عربی فارسی اردو جس زبان میں چاہئے خود حضرت عماد الدین قلندر کے ہاتھ کی ایسی تحریر پیش کرسکتے ہیں جو «بظاہر» ان کے زمانے کی ہوگی، اور جس میں یہ پیشگوئی درج ہوگی کہ سنہ ۱۰۳۶ میں ایک جعلی رسالہ مجھ سے منسوب کیا جائیگا، اور ساتھ ہی اس کی اصلیت میں شبہات ظاہر کئے جائینگے، لیکن سنہ ۱۰۵۷ میں اسے میرے سر تھوپنے کی از سر نو کوشش کی جائیگی۔

(۳) وہ کون سے «سوانح» ہیں (راویوں سے بحث نہیں) جنہیں دیکھ کر مصنف نے یہ لکھا کہ حضرت عماد الدین قلندر غیر معمولی طور پر تیز و طباع تھے؟ یہ «سوانح» کس کتاب میں ان کی نظر سے گزرے؟

(٤) پھلواری میں پرانے کاغدات موجود ہونگے، کیا وہ انکی طرف رجوع کر کے [۱] شادی کے متعلق اپنے دعاوی ثابت کر سکتے ہیں۔

(۵) کیا وہ حضرت عماد الدین قلندر سے قطع نظر، کسی ایسے صوفی کا نام بتا سکتے ہیں، جس نے انکے عہد میں یا اس سے پیشتر سولہ سترہ برس کی عمر میں مذہبی رسالہ اردو میں لکھا ہو؟

(٦) وہ عام طور پر پھلواری کے معاملات کے متعلق حکیم محمد شعیب مرحوم کے قول کو حرف آخر سمجھتے ہیں، کیا وہ اس کی وجہ بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اس رسالے کے بارے میں ان سے کیوں استفسار نہ کیا، اور کیا تھا، تو ان کی رائے کیوں نقل نہ کی؟ میں نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ حضرت عماد الدین قلندر کی اردو نظم و نثر سے قطعاً ناواقف ہیں، «سیدھا رستہ» کسی ایسے شخص کا لکھا ہوا ہے، جس کے عقائد ہمارے عقائد سے مختلف ہیں، اور اس رسالے کی مدد سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ راہ راست پر ہے اور ہم بھٹک رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی کسی کتاب میں انہوں نے ان کی نظم و نثر کا ذکر نہیں کیا۔

(۷) «سیدھا رستہ» کی عبارت ہے، «کیسو پیر بزرگ سیتی حاجت مراد مانگنا»

---

[۱] اعیان وطن میں صرف ایک شادی کا ذکر ص۱۲۱، بڑے بیٹے کی پیدایش سنہ ۱۱۱۶ھ اعیان وطن ص ۱۲۱۔

کیسو کی درگاہ یا مزار اوپر منت مراد مانگنا، کیسو کی قبر چومنا یا قبر کی خاک منھ یا کلیجہ پر لگانا اور ملنا، قبر پر چادر شربی چڑھانا، یہ سب شرک اور حرام ہے » کیا مصنف ثابت کرسکتے ہیں کہ اس عبارت میں جو عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے، واقعی ان بزرگ کا تھا جنکی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے۔

(۸) خاتمے میں صاحب رسالہ کی طرف سے عبارت ہے:

«ایں رسالہ در مدت دو روز حسب فرمایش اہل خانۂ خود
نوشتہ شدہ کہ مرد ماں[1] و زناں ناخواندہ را در زبان مادری
ایشاں ذریعۂ معلومات ضروریۂ دینیہ گردد»

«زبان مادری» انگریزی «مدرٹنگ کا ترجمہ ہے، اور انگریزی اثر قبول کرنے سے پیشتر فارسی و اردو میں مستعمل نہ تھا، اور امور سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو عبارت فارسی میں اس کا وجود رسالے کی مجعولیت کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے؟ کیا مصنف اس کی سند پیش کرسکتے ہیں کہ «زبان مادری» گیارہویں صدی ہجری یا اس سے قبل کی اردو فارسی میں ملتا ہے؟

مصنف کی «سنہری زنجیر» میں دو سے زیادہ کڑیاں نہ نکلیں، مگر مجھے اقرار ہے کہ «وغیرہم» سے اضافے کی گنجایش رہ جاتی ہے، میں تپاں کی بحث میں دکھاؤنگا کہ کچھ کڑیاں اور بھی ہیں، جو ظاہرا مصنف کی نگاہ سے پنہاں ہیں۔

تحقیق ص ۲۰۴ تا ص ۲۰۷

(۱) سنہ ۱۰۷۰ھ سال ولادت، مگر اس کی سند نہیں دی. عمر تخمینی معلوم بھی ہوجائے تو قطعی طور پر سنہ ولادت نہیں بتایا جا سکتا. اور یہاں تو یہ حال ہے کہ ٹھیک ٹھیک یہ بھی پتا نہیں کہ کیا عمر پائی تھی. مصنف نے ۹۲ سال کی عمر لکھی ہے، مگر اس کا ثبوت موجود نہیں. جو شگو کہتا ہے کہ نوے سے متجاوز تھے کہ وفات پائی، علی ابراہیم خاں کا بیان ہے کہ موت کے وقت سو کے قریب عمر تھی. (صحف ابراہیم) شاد نے سال ولادت ۱۰۷۰ھ لکھا ہے، مگر یہ محض قیاسی ہے (نوائے وطن).

---

[1] «مرد ماں» میں مرد وزن دونوں شامل ہیں، اس کے بعد «زناں» کی ضرورت نہیں تھی۔

(۲) «موسیقی کے ماہر تیر اندازی میں کامل، پیرا کی میں مہارت تھی، مرغ شیریں اور مینڈھے [1] لڑانے کا شوق تھا» صحف ابراہیم میں پیرا کی کا ذکر نہیں، تیراندازی اور موسیقی کی مہارت [2] کی طرف اشارہ ہے جانوروں کے متعلق صرف اس قدر لکھا ہے کہ ان کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کی طرف رغبت تھی. مصنف نے تحقیق کے سلسلے میں ک ۱٦ کا بلا واسطہ حوالہ دیا ہے، تعجب ہے کہ ذیل کی دلچسپ عبارت نے انھیں اپنی طرف متوجہ نہیں کیا.

> «پیرتے خوب تھے، پانی پر چار زانو بیٹھ کر حقہ ہاتھ میں لیکر گنگا پار اتر جاتے تھے، تیر اندازی میں ایسی قدرت تھی کہ اندھیری رات میں پست کے درخت سے ممولیاں گرا دیا کرتے تھے. گانے میں حد درجہ کمال تھا، کلاونتوں کو اقرار تھا کہ جو کچھیں اس فن کی آپ جانتے ہیں، ہم لوگ نہیں جانتے» ص ۷٦

(۳) «عظیم آباد کے امرا و حکام عزت اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتے» بحوالۂ ک ۱٦، مگر اس میں اس کی جگہ یہ عبارت ہے. «ہیبت جنگ استقبال کر کے لے آتے تھے اور سامنے مودب ہو بیٹھتے تھے صحف ابراہیم میں صرف اسی قدر ہے کہ ان کا سلوک «راسخانہ» تھا.

(٤) مصنف کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان بھر میں تحقیق کے سیکڑوں شاگرد تھے، دس سال کا بھی پتہ مل جائے تو غنیمت ہے. مصنف نے اس دعویٰ کا ثبوت نہیں پیش کیا میں چاہتا ہوں کہ وہ یہ بتائیں کہ ہندوستان بھر میں سیکڑوں شاگرد ہونا انھوں نے کہاں دیکھا.

(۵) مصنف نے دو شعر ک ۱۸ اور ک ۲۱ کے حوالے سے دئے ہیں، مصنف نے تحقیق کے سلسلے میں واقعی نوائے وطن دیکھی تھی تو یہ نہ معلوم ہو تا کہ ان کا اصلی ماخذ وہی ہے، حیرت انگیز ہے تحقیق کی فارسیگوئی مسلم، لیکن ان کی ریختہ گوئی کا واحد ثبوت شاد کی شہادت ہے. شورش تحقیق کے بیٹے میر محمد حسین سے واقف تھا اور اس نے ان کا زمانہ بھی پایا تھا، مگر وہ ان کی اردو شاعری سے بیخبر ہے، علی ابراہیم خاں نے انھیں دیکھا تھا، لیکن وہ اس سے آگاہ نہیں کہ یہ اردو میں شعر کہتے تھے. ک ۵ کا مصنف اواخر ماۂ دوازدہم میں پٹنہ آیا تھا، مگر اس نے بھی اس کا ذکر نہیں سنا. شاد کہتے ہیں کہ اشعار ایک «مدرس» بیاض میں دیکھے. میرا خیال

---

[1] ک ۱۹ میں شامل بھی. [2] «صحف ابراہیم ا «در موسیقی بغایت ماہر».

ہے کہ اشعار حود انھیں کے ہیں، یا کسی اور کے ہیں، انھوں ے انھیں تحقیق کی طرف مسوب کر دیا ہے

(٦) مصنف ے ایک شعر کا متن دو طرح دیا ہے۔ لیکن دونوں شاد کی پیش کردہ شکل سے مختلف ہیں۔ دوسرے شعر کی بھی دو شکلیں «بہار» میں ہیں، ان میں سے جو ص ۲۰۷ میں ہے نواے وطن کے مطابق ہے۔

(۷) یہ دو شعر واقعی تحقیق کے ہوں بھی، تو انھیں کتاب میں اتنی جگہ دینی مناسب نہ تھی، ان کے لئے چند سطریں کافی ہوتیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مصنف نے دو قدیم عظیم آبادی شاعر :صعدری اور عریز اللہعریر حلف ملا مبارک کی طرف توجہ نہ کی، حالانکہ ان کا حال اور کلام ک ٤ میں ہے۔

غفا، ص۲۰۷ تا ص ۲۱۳

(۱) مصف ے قاصی عدالغفار کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا بڑا حصہ ک ۱۸ سے ماحوذ ہے اور اس کا انھیں حود اعتراف ہے۔

(۲) «میری راے میں مگہی اور بہاری اثرات صرف لفطوں کی ساحت میں ہیں، مثلاً مانک، پیم، سبھ، تن، یہ الفاظ میں ہ کی آوار کا اضافہ بہاری بولی کی حصوصیت بتائی جاتی ہے، مگر ہ کی آوار پر تاکید مشرقی ہندی اور ایک حد تک مغربی ہندی کی حصوصیت بھی ہے» عجیب بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں کئی ایسے ہیں جن میں ہ نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مصف نے ان کی حدید شکل دی ہے تو پھر سب کو سبھ لکھنے کی کیا وحہ ہے؟ سب کا جہاں تک تعلق ہے ،اس کا قدیم املا، دہلی میں سبھ ہی تھا، چنانچہ اندرام، مخلص کے ہاتھ کی تحریر میں (اس کا عکس غالباً نواے ادب میں شائع ہو چکا ہے،) اسی طرح ہے۔ جمع کی صورت میں «سبھوں» کا وجود (اور یہ اب بھی اسی طرح لکھا جاتا ہے،) بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کسی زمانے میں مروجہ املا سبھ تھا نکات الشعرا طبع ۲ ص ۷۱ میں سجاد کے ایک مصرع میں نپنٹ کی جگہ «نپٹھ» ہے جو یقین ہے کہ نسخۂ مکتوبہ سنہ ۱۱۷۱ھ کی تقلید ہے۔ تڑپ کو تڑپھ شورش سنہ ۱۰۵۷ کے بعد تک لکھتے تھے، قاسم دہلوی کے ہاتھ کی تحریر میں سکنا اور سچ کی جگہ سکھنا اور سچھ ہے۔

محمد سجاد پھلواروی ص ۲۱۳ تا ۲۲۲

(۱) حضرت محمد سجاد پھلواروی کا سال ولادت و وفات کسی حوالے کے بغیر دیا ہے۔

(۲) ان کا اردو کلام جو ک، ۳۰ میں تھا، بقول خود سب کا سب نقل کردیا ہے، ک ۱۷ کے حوالے سے بھی دو شعر دئے ہیں، مگر سراغ لگانے سے یہ کھل جائیگا کہ ک، ۳۰ کے اشعار کی طرح، ان کا ماخذ بھی در اصل جناب تمنا ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے۔

« افراد سجاد اور عماد کے کلام کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے ' لیکن میرے نزدیک وہ سب اصلی ہیں۔ حکیم شعیب صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ تپاں پھلواری نے حضرت سجاد کے کلام کی نقل کی تھی۔ تپاں شاہ مجیب اللہ پھلواروی کے پوتے اور حضرت سجاد کے داماد تھے۔ تپاں کی تحریریں خاندانی دستاویزات میں ملتی ہیں اور پھلواری میں معروف ہیں۔ میں نے اور پرافسر (پروفسر چاہیے) حسن عکسری: نے بھی تپاں کی تحریریں حکیم ... صاحب ... کے پاس دیکھی ہیں۔ تپاں کے بہت سے خود نوشت مرثیے ... موجود ہیں اور ہم نے دیکھے ہیں۔ پھلواری کے صوفیاء (صوفیہ چاہئیے) کے کلام ہرگز الحاقی [1] نہیں۔ اگر تذکروں میں ان میں سے بیشتر کا ذکر نہیں، تو یہ تذکرہ نگاروں کی نا رسائی ہے۔۔ داخلی شہادت بھی کوئی ایسی نہیں جس کی وجہ سے ہم انھیں جعلی یا الحاقی سمجھیں۔ بزرگوں کے کلام کو شاہ نعمت اللہ [2] (۱۱٦۰ تا ۱۲٤۵ ھ) پھلواروی نے بھی مرتب کیا ہے، قدیم منقولات بھی موجود ہیں اور بعد میں ان قدیم منقولات سے نقلیں ہوئی ہیں۔ حکیم .. صاحب .. نے شواہد کے ساتھ میرے اور پرافسر حسن عکسری .. کے سامنے اس مسئلے پر تشفی بخش روشنی ڈالی تھی۔ حضرت عماد (اور حضرت سجاد کے کلام کے مخطوطات یا منقولات پھلواری سے باہر اب تک دستیاب نہیں ہوئے »

اقتباس بالا کے بعض عبارات سے مترشح ہوتا ہے کہ کچھ لوگ سرے سے اس کے

---

[1] - پہلے سے کچھ موجود نہیں، تو الحاقی نہیں کہہ سکتے۔ حضرت محمد سجاد کا ایک شعر بھی ایسا نہیں جو مسلم طور پر ان کا ہو، اس لئے ان کی طرف جو اشعار منسوب ہیں انھیں الحاقی نہیں کہہ سکتے۔ [2] - سال وفات سنہ ۱۱٤۷ ھ اعیان وطن سنہ ۱۲٤۷ ھ

قائل ہی نہیں کہ صوفیۂ پھلواری نے اردو شعر کہے، لیکن بحث صرف حضرت عماد الدین قلندر (نظم و نثر ہر دو) اور حضرت محمد سجاد (اشعار اردو) اور تپاں کی غزلوں اور ایک قطعے کی ہے، مقدم الذکر کی نظم و نثر سے بحث ہو چکی موخر الذکر کے کلام سے آگے چل کر بحث ہوگی، حضرت محمد سجاد کے اردو کلام کے متعلق میری گزارش یہ ہے: سید حسن عسکری صاحب نے مجھ سے اس گفتگو کا ذکر کیا تھا جو حکیم صاحب سے ہوئی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ انھوں نے انکے کلام کی کوئی قدیم نقل نہ پیش کی تھی اور نہ یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان کے پاس ہے۔ مصنف نے تپاں کے «خود نوشت مرثیے» دیکھنے کے متعلق کہا ہے، لیکن، وہ یہ نہیں کہتے کہ حضرت محمد سجاد کے کلام کی قدیم نقل میں نے دیکھی ہے۔ وہ اگر تپاں اور شاہ نعمت اللہ صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اشعار پیش کر سکتے ہیں، اور ان کی اصلیت ثابت کر سکتے ہیں، تو مجھے یہ تسلیم کرنے میں مطلق تامل نہ ہوگا کہ جو اشعار «بہار» میں درج ہیں، وہ واقعی حضرت محمد سجاد کے ہیں۔ وہ جب تک مطلوبہ ثبوت فراہم نہ کریںگے، میں اپنی سابق رائے پر قائم رہوںگا کہ جو اشعار ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، وہ در اصل ان کے نہیں۔ صوفیۂ پھلواری کی اردو شاعری کے سلسلے میں یہ سوال مصنف سے کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے شاہ محب اللہ صاحب کے اشعار جو حکیم صاحب نے معاصر میں شائع کرائے تھے، کیوں درج نہیں کئے؟ یہ اشعار شاعری کا اچھا نمونہ نہ ہوں لیکن ان کی قدامت اس کی مقتضی تھی کہ «بہار» میں جگہ پائیں۔ کہیں ایسا تو نہیں، کہ وہ انھیں اصلی نہیں سمجھتے؟

بیبی ولیہ ص ۲۲۲ و ص ۲۲۳

(۱) سنہ وفات ۱۱۳۹ کسی حوالے کے بغیر لکھا ہے لیکن غالباً ک ۲۶ سے لیا ہے۔ اعیان وطن ص ۶۰ میں سنہ ۱۱۴۹ھ۔

(۲) مصنف نے ان کے متعلق ذاتی تحقیقات غیر ضروری سمجھ کر محض ک۲۶ کے مطالب نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

(۳) «اشعار اردو جو «بہار» میں ہیں، ان کی نسبت ان کا بیان ہے کہ «بہت مشہور ہیں، بہت مشہور کیا معنی یہ مشہور ہی نہیں۔

رام نرائن موزوں ص ۲۲۷ تا ۲۳۵

(۱) زیادہ تر رام نراین، چنانچہ عنوان اور بحث کی سطر اول میں یہی ہے،

لیکن، کہیں کہیں رام راین لال بھی ہے۔ اگر ان کے نزدیک یہ متحقق ہے کہ اصلی نام «یہی ہے» تو عنوان اور سطر اول میں اسی کو رکھنا تھا۔ یہ امر کہ «لال» جز و اسم ہے محتاج ثبوت ہے۔

(۲) «رنگ لال پدر رام راین مہابت جنگ (۵۳-۱۱۴۳ھ) کے متوسلین میں تھے» سنین مہابت جنگ کے نام کے بعد ہیں، سنہ ۱۱۵۳ میں یہ بہار، بنگال اور اڑیسہ کے ناظم ہوئے ہیں مگر سنہ ۴۳ سے ان کا کیا تعلق ہے واضح نہیں۔ رنگ لال سنہ ۵۳ میں مارا گیا، مگر سنہ ۴۳ سے اس کا کیا سروکار ہے، اس کا پتہ نہیں۔

(۳) «جانکی رام نایب صوبہ دار عظیم آباد کے مرنے کے بعد مہابت جنگ نے ان (رام راین) کو یہاں کا صوبہ دار مقرر کیا» بحوالۂ گ ۵٦ - حقیقت یہ ہے کہ مہابت جنگ نے اپنے بھتیجے اور داماد ہیبت جنگ کو بہار میں اپنا نائب بنایا تھا، اسکے قتل کے بعد ہیبت جنگ کے بیٹے اور اپنے نواسے سراج الدولہ کو یہ جگہ دی، مگر وہ خود مرشدآباد میں رہتا تھا، جانکی رام اس کے قائم مقام کی حیثیت سے کام کیا کرتا تھا۔ وفات جانکی رام کے بعد اس کا جانشین رام راین ہوا اور مہابت جنگ کی موت کے بعد سراج الدولہ تینوں صوبوں کا ناظم ہوا تو رام راین بہار میں نایب صوبہ دار ہوا۔ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی صوبہ دار نہیں ہوا۔ مصنف کو اس سے اختلاف ہو تو ثبوت پیش کریں۔

(٤) «عالی گوہر عالمگیر ثانی کے بعد شاہ عالم کے لقب سے بادشاہ ہوئے» اس سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ خطاب مذکور جلوس کے وقت اختیار کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خطاب سنہ جلوس عالمگیر ثانی میں ملا تھا (تاریخ عالمگیر ثانی)

(۵) «عزالاں تم تو واقف ہو الخ» کے متعلق مصنف کا بیان ہے کہ موزوں نے سراج الدولہ کے قتل پر کہا تھا۔ میر حسن کا قول ہے کہ «در وقتیکہ خبر شہید شدن سراج الدولہ در شہر افتادہماں وقت فی البدیہہ ایں شعر میخواند» میر حسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ «شعر ریختہ کم گفتہ، بلکہ نگفتہ» یہ شعر جیسا کہ میں کسی اور جگہ لکھ چکا ہوں ک ٥ میں ایک دوسرے شاعر کے نام سے ہے۔ تذکرۂ شورش، گلزار ابراہیم اور تذکرۂ مسرت افزا میں یہ شعر موزوں کے نام نہیں

اور اس کی بندش ان اشعار سے جو واقعی ان کے ہیں، بہت بہتر ہے، اس لئے میں ک ہ کے بیان پر اعتماد کر کے اسے موروں کی ملک نہیں سمجھتا۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شعر پہلے کہا جاتا ہے اس کے متعلق قصے بعد کو گڑھے جاتے ہیں۔

(٦) بھولی نہیں ہے مجھ کو بتوں کی ادا ہنوز الخ بحوالۂ ک ۱۷ موزوں کے نام درج ہے، لیکن یہ قطعاً منعم برادر قائم کا ہے (تذکرۂ میر حسن)

(۷) رام نراین کو گنگا میں غرق کرنے کو لیجانے لگے، تو انھوں نے یہ شعر پڑھے۔

موذیوں کے قول پر ہرگز نہ کیجے اعتبار جونک اگر مٹی ملے تو بھی لہو پیتی رہے
چادر تقدیر کی ہرگز رفو ہوتی نہیں تا قیامت سوزن تدبیر گر سیتی رہے
بلبل بیداد کو مطلب ہے کیا پروانے سے وصل میں مرجائے یہ وہ ہجر میں جیتی رہے

یہ بتانے کے بعد کہ یہ اشعار شہر پٹنہ کی ایک بیاض میں حسن عسکری صاحب کو ملے ہیں مصنف یہ لکھتے ہیں کہ «غالباً موروں کے نہیں۔ سودا کے ہیں، جو موروں کے حسب حال ہوگئے تھے»

بیاض میں اگر یہ ہے کہ موروں نے یہ شعر پڑھے تھے، تو چنداں قابل اعتبار نہیں، اس سے قطع نظر، یہ اشعار موروں کے نہیں، جعفر علی خاں، ذکی دہلوی کے ہیں اور تذکروں میں ان کے نام سے موجود ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ دوسرا شعر فسانۂ عجائب میں سودا کی طرف منسوب ہے، مگر کلیات سودا کے کسی نسخے میں شامل نہیں اور نہ کسی تذکرے میں ان کی طرف منسوب ہے۔ «بہار» میں اشعار کا متن بہت غلط ہے۔

(۸) مصنف نے حزیں کا سال وفات ۱۱۷۸ھ لکھا ہے، یہ ۱۱۸۰ھ ہے، جیسا کہ سیر المتاخرین وغیرہ میں ہے۔

(۹) تین شعر کے مصنف کے لئے ساڑھے آٹھ صفحے وقف کرنا مناسب نہ تھا۔

جوہری پھلواری ص ۲۳۵ تا ص ۲۶۸

(۱) سال ولادت و وفات زمانۂ حال کے مصنفوں کے حوالے سے لکھے

ہیں سید حیدر الدین صاحب، فضا (صدر شعبۂ اُردو پٹنہ کالج) نے مجھ سے کہا ہے کہ سال ولادت جو تذکرۃ الصالحین وغیرہ میں ہے صحیح ہیں۔ اس کے شواہد خود پیش کریںگے۔

(۲) «فارسی دیوان جس میں تخلص شورش ہے کلکتہ امپیریل لائبریری (اب اسے نیشنل لائبریری کہتے ہیں) میں موجود ہے» اس میں شورش کا دیوان ہرگز نہیں جوہری تخلص کے ایک فارسیگو کا دیوان البتہ ہے، مگر یہ شاہ آیت اللہ نہیں، اور فارسی میں ان کا جوہری تخلص ہے ہی نہیں۔

(۳) «دناسی غالباً غلطی سے «سورش» لکھتا ہے» «غالباً» کے معنی صرف یہ ہوسکتے ہیں کہ مصنف کے نزدیک کسی قدر اس کا امکان ہے کہ سوزش صحیح تخلص ہے اور شورش غلط، یا، یہ کہ دونوں تخلص صحیح ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دتاسی نے یہ فہرست اشپر نگر سے لیا ہے اور اس میں بحوالۂ عشقی درج ہے۔ مصنف نے ص ۲۳۹ میں تذکرۂ عشقی سے جوہری کا جو ترجمہ نقل کیا ہے، اس میں سورش نہیں، شورش ہے۔ یہ نسخہ ایلیٹ کے عکس سے ماخوذ ہے، اور اس میں واقعی شورش ہے، تو اشپرنگر نے سوزش غلط لکھا، (اشپرنگر کے پیش نظر نسخۂ ایلیٹ تھا)۔ مصنف نے نقل کرنے میں غلطی کی ہو تو اور بات ہے۔ بہرحال، سوزش غلط ہے اور شورش صحیح ہے واضح رہے کہ میرے پاس تذکرۂ عشقی کا جو نسخہ ہے اس میں شورش ہے۔

(٤) «تپاں اور ثروت کے درمیاں چشمک چلتی تھی» یہ بات تپاں یا ثروت کے ترجمہ میں درج ہوسکتی تھی، جوہری کے حال میں اس کا اندراج ٹھیک نہیں۔

(٥) «عشقی کے بیاں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ آیت اللہ نے پہلے مرثیہ و سلام میں طبع آزمائی کی ہے» مصنف نے جو ترجمۂ جوہری نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں: «بیشتر فکر مرثیہ و سلام میکرد» میرے پاس تذکرۂ عشقی کا جو نسخہ ہے، اس میں «بیشتر» ہے، اور یہی صحیح ہے۔

(٦) جوہری کے بعض مراثی مکمل یا نامکمل «بہار» میں نقل ہوئے ہیں۔ ایک مرثیے کا مصرع اول ہے: «آل نبی نہیں جیسے پایا بائے (ہاے چاہیئے) حسین بیدیسی

پنتھی» لفظ «پیدیسی» پہلے بند کے ہر مصرع اور باقی بندوں کے آخری مصرعوں میں ہے۔ اردو میں مدیسی لکھا جاتا ہے، بیدیسی لکھنے سے مصرع ناموزوں ہوجاتا ہے۔ ایک مصرع اسی مرثیے کا یہ ہے: «رن بے ڈرونا بن ہے بھونا کوئی نہیں ہے بیت اور سنگی» «بیت» بالیاء کوئی لفظ نہیں، مجھے یاد آتا ہے کہ اس مرثیے کی جو نقل میری نظر سے گزری ہے، اس میں «میت» (دوست) ہے۔ «میت» نہیں، تو «ہت» بدون یاء ہوگا۔

(۷) مثنوی گوہر جوہری کا پرانا خطی نسخہ میں نے دیکھا تھا، لیکن، حال میں جسے جا بجا سے میں نے پڑھا ہے، وہ اس کی نقل ہے جو جناب فضا نے خود کی ہے۔ اور اس میں ہر شعر کے ساتھ اس کا شمار دیا ہے۔ اس میں آخری شعر کا شمار ۲۳۰٤ ہے (یہ اس وقت مجھے یاد نہیں کہ بحر متقارب کے اشعار اس تعداد میں شامل ہیں یا نہیں) مصنف نے بہ تقلید سید حسن عسکری صاحب تعداد اشعار ۲۳۰۱ لکھی ہے۔

(۸) مصنف کا قول ہے کہ مثنوی کے بیشتر اشعار بحر ہزج اور تھوڑے بحر متقارب میں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری مثنوی بحر ہزج میں ہے۔ جوہری کا قاعدہ ہے کہ جا بجا آنے والے مطالب کا خلاصہ بطور عنوان نظم میں دیتا ہے اور یہ بحر متقارب میں ہے۔ اگر یہ اشعار سب کے سب مثنوی سے نکال دئیے جائیں تب بھی اسکی سالمیت برقرار رہے گی۔ شاہ کمال دیوروی نے بھی اپنی ایک فارسی مثنوی میں جس کا ذکر معاصر میں آچکا ہے، یہی روش اختیار کی تھی۔

(۹) یہ صحیح نہیں کہ «مثنوی گوہر (گوہر جوہری) بارھویں صدی عیسوی (ہجری چاہئے) کے وسط کی مروجہ زبان کا صحیح اور مکمل نمونہ ہے» مصنف نے ایک جگہ یہ لکھا ہے مگر دوسری جگہ یہ تحریر کیا ہے:

> «جوہری کے ہمعصر سجاد، تپاں، موزوں وغیرہ تھے جوشش، دل، امین، حضور، شورش، عشق وغیرہ بھی جوہری کے ہمعصر یا قریب قریب ہمعصر تھے۔ اُس دور میں بہار کی ادبی زبان بہت شستہ و صاف ہوچکی تھی، لیکن اس کے باوجود شاہ آیت اللہ کی مثنوی کی زبان

پر افضل جھنجھانوی کی زبان کا اثر ہے۔ قدامت کا رنگ غالباً افضل کی پیروی کا نتیجہ ہو »

جوہری ایک مخلوط زبان میں شعر کہتے ہیں، وہ خالص کھڑی بولی استعمال نہیں کرتے، اور خود مصنف کو اقرار ہے کہ ان کے یہاں قدامت افضل کی تقلید میں ہے۔ اس لئے مصنف کا ان کی زبان کے متعلق پہلا قول صحیح نہیں۔ بہار میں متعدد اضلاع ہیں اور ہر ضلع میں سیکڑوں گاؤں، گاؤں گاؤں کی زبان کا حال بتانا میرے بس کی بات نہیں، لیکن میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ جوہری کے عہد میں عظیم آباد کی ادبی زبان وہ نہ تھی جو جوہری کے اشعار میں نظر آتی ہے۔ کیا ان شعرا نے جنھیں مصنف نے جوہری کا ہمعصر قرار دیا ہے وہی زبان استعمال کی ہے، جو جوہری کی ہے۔ یا یہ کہ یہ لوگ اپنی زبان سے بالکل قطع نظر کرکے، ایسی زبان میں شعر کہتے تھے، جو ان کے لئے اجنبی تھی۔

(۱۰) « «ہوتا ہے» کی جگہ «ہو ہے» «کھاتا ہے» کی (کے چاہئے) بجائے (بہمزہ غلط) «کھا ہے» مستعمل ہیں۔ غالباً یہ بہاری بولی کا مقامی رنگ [۱] ہے» «ہو» در اصل «ہوئے» اور «کھا» «کھائے» کی جگہ ہے۔ «ہو» بمعنی «ہوئے» آرزو کے یہاں اور «جا» بمعنی «جائے» سجاد کے یہاں ملتا ہے، دونوں کے وہ مصرع جن میں یہ شکل آئی ہے نکات الشعرا سے لیکر درج ذیل کی جاتی ہے: «گھر بار ہو ہے سرو قدوں کا برائے بت» «دیکھ سرمے کے تئیں ہو جا ہیں ظالم سیاہ چشم» اردو کا قاعدہ ہے کہ علامت مفعولی (کو) کے بغیر مفعول ہو، تو فعل میں رعایت مفعول ہوتی ہے۔ «روٹی کھائی کھینگے مگر «آم» کے ساتھ «کھایا»» آئیگا جوہری کے یہاں ایسے مواقع پر کہ فعل مؤنث چاہیئے، بکثرت فعل مذکر آیا ہے، مصنف نے جوہری کی زبان کی بحث میں اس کی طرف مطلقاً اشارہ نہیں کیا ہے۔

(۱۱) مصنف نے جوہری کا (مصنف کے نزدیک مؤنث) شہر آشوب نقل کیا ہے، جس کا یہ شعر انھوں نے نہ معلوم کیوں چھوڑ دیا ہے، اس کی جو نقل میری نظر

---

[۱] مصنف نے مشرقی پراکرتوں میں «ڑ» کی آواز «ل» کی آواز سے بدلجانے کی مثال میں اندھلا ۔ اندھا، سوا ۔ سگا بھی پیش کیا ہے، دو لفظوں کی دو شکلیں ہیں، مگر کسی میں نہ ر ہے نہ ل۔ ظاہرا کچھ ضروری باتیں کہنے سے رہ گئیں۔

سے گرری ہے، اس میں موحود ہے (یہ ص ٢٦٦ کے شعر ٦ کے بعد ہے).

ہمیشہ سے تو یہ بیمہر ہے کیوں میں بیکوں کے
کہیں ہے ساغر و میںا کہیں آسیب سںدائی

انھوں نے بعض مقامات میں الفاظ حذف کر دئیے ہیں، اور اشعار حا بجا غلط لکھے ہیں: (الف) «سواری لالہ و ما ہو کی کس بولش سے حاتی ہے» «بولش» کوئی لفظ نہیں، میرے پیش نظر حو نقل ہے، اس میں «شورش» ہے، حو مناسب ہیں، مگر بے معنی بھی نہیں، (ب) «دریعا پلہ کمار کا ہے اس قدر بھاری» «پلہ» پر ہمرہ ہو تو مصرع موروں ہو حائے. حوہری کے لئے «پلۂ» کے باوحود «کا» کا اضافہ کوئی بڑی بات نہیں (ج) «رگیں بالاں تر ہیں تار رباب و چنگ برت (برط چاہئے) سے» اس طرح ناموروں، «تر ہیں» کی حگہ «رہیں» ہے (د) «ہوا گوش فلک کا کر فغاں داد حواہاں سے» «گوش فلک کا» (نکسرۂ ش) ان بررگ سے حن کی زبان وسط ماۃ دواردہم کی مروحہ زباں کا صحیح و مکمل نمونہ قرار دی گئی ہے، کچھ بعید نہیں، لیکن پیش نطر نقل میں اس کی حگہ «گوش فلک بھی» ہے، اس مصرع کے بعد کے مصرع میں مصنف نے «مرغ بستانی» کی حگہ «مرغ شنانی» لکھا ہے (ذ) «بنی مسحد موں کم .... اب گلانگ ادانی» نقطوں کی جگہ «حاتی ہے» ہے. جوہری نے ادانی کی عوص آدانی نظم کیا ہے (ہ) «حراب ہیں مسجد محراب بنتے ہیں صنم حانہ» صحیح یوں ہے: «ہوئی ہیں مسحدیں ویران بنتے ہیں صنم حانے» بعد کا مصرع مصنف نے یوں لکھا ہے: «ہوئے .... یہ ابلیس کو ہے میر سامانی» یہ اس طرح ہے: «نہ ہوئے کس طرح ابلیس کو ہے میر سامانی»

(۱۲) یہ بات قابل ذکر تھی کہ تذکرۂ شورش میں آیت اللہ مصنف شاہ و گدا کا مستقل ترجمہ جوہری سے الگ ہے، حالانکہ شاہ و گدا گوہر جوہری کا ایک جزو ہے.

(۱۳) مصنف کا قول ہے کہ افضل کا «بارہ ماسہ (ماسا) مکمل دستیاب نہیں ہوتا» میرے پاس ایک مکمل خطی نسخہ اور انڈیا آفس کے دو مخطوطات کے عکس موجود ہیں. کتبخانۂ رضائیہ رامپور اور کتبخانۂ دانشگاہ پنجاب میں بھی خطی نسخے ہیں، مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مکمل ہیں یا غیر مکمل.

دلدار ص ۲٦٨ تا ص ۲۷۰

(۱) دلدار کا نام نور محمد لکھا ہے ، اور حوالہ نہیں دیا. یہ غلط محض ہے' نام مرزا دلدار بیگ ہے اور یہ خاص بھوجپور کے باشندے تھے. یہ اطلاع مجھے سید حسن عسکری صاحب سے ملی ہے، اور ان کا ماخذ خانقاہ مجیبیہ (پھلواری) کی قدیم فہرست مریداں ہے.

(۲) عمر و وطن کا ذکر کیا ہے ، مگر وہ اشعار جن سے اس کا ثبوت ملتا، نقل نہیں کئے.

(۳) مصنف کا مدار دلدار کے لئے صرف ک ٥٠ پر ہے ، اور انہوں نے پٹنہ کی «بہار ہسٹوریکل ریسرچ سوسائیٹی» کے کتبخانے میں اس کے مجموعہ اشعار کا جو نسخہ ہے، اس کی طرف رجوع کرنے کی زحمت مطلقاً گوارا نہیں کی. انھوں نے جو ۸ شعر دئیے ہیں، ان میں سے ایک کا آخری مصرع مجروح اور ایک کا ایک مصرع نا موروں ہے.

(٤) دلدار کے مجموعۂ اشعار میں صرف قطعات ہیں اور ہر قطع ٤ مصرعوں پر مشتمل، مگر یہ رباعی کے وزن میں نہیں، مصنف کو اس میں قباحت نظر نہیں آتی کہ انہیں رباعی کہا جائے. واضح رہے کہ دلدار کے یہاں ہر قطعے کی بیت اول مصرّع ہے، اور یہ کچھ لوگوں کے نزدیک قطعہ ہونے کے منافی ہے، میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں.

محزوں پھلواری ص ۲۷۲ تا ص ۲۷٥

(۱) سنین ولادت و وفات بحوالۂ حکیم شعیب مرحوم دیے ہیں.

(۲) محزوں کے حالات برائے نام درج ہیں، اور مرثیے کے ١٤ اشعار کے سوا نمونۂ کلام بھی نہیں دیا. یہ صورت ہو اور شاعری بھی معمولی' توان کے متعلق خاص عنوان قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی. مصنف نے اس عنوان کے تحت خانقاہ سلیمانیہ پھلواری کے مجلد مخطوطات مراثی میں جو ابتدائی عبارت اور فہرست ہے اسے درج کردیا ہے اس کا یہ محل نہ تھا. یہاں پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انجمن ترقی اردو صوبۂ بہار نے چند سال قبل جو ایک کانفرنس منعقد کی تھی اور اس سلسلے میں علمی نمائش ہوئی تھی، اس میں مراثی پھلواری کے پانچ چھ مجلدات آئے تھے، مصنف کو ان میں سے بیشتر کا علم نہیں.

جناب قاسم علی سجن لال استاد تاریخ جامعہ عثمانیہ

مسودۂ قانون ٹرسٹیان علی گڑھ پر مولانا الطاف حسین حالی کے خیالات

۲

مولوی صاحب ممدوح نے مسودۂ قانون ٹرسٹیاں پر اعتراضات و شبہات لکھنے اور ان کے شایع کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مشہور یہ ہے کہ ایڈوکیٹ اور ہندوستانی اخبار میں جو کچھ سید صاحب کے برخلاف لکھا جاتا ہے وہ خود مولوی صاحب یا ان کے ایماء سے ان کے بعض دوست لکھتے ہیں، شاید مولوی صاحب کی سنجیدگی اور متانت سے یہ بات کسی کو مستبعد معلوم ہوتی ہو لیکن ہم کو یقین واثق ہے کہ ضرور انہیں کے ایما سے یہ سب کچھ لکھا جاتا ہوگا کیوں کہ مسلمانوں کی بدبختی اور بداقبالی جو انتہا کے درجہ کو پہنچ گئی ہے اس میں کوئی حالت منتظرہ اس کے سوا باقی نہ تھی کہ جن لوگوں سے یہ امید ہو کہ قوم میں اتفاق و یک جہتی پیدا کریں گے خود انہیں میں نا اتفاقی و مخاصمت پیدا ہوجائے اور پورا ہو مسلمانوں کے حق میں وہ حکم جو نازل ہوا تھا یہود کے حق میں کہ۔

«ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ و باؤ بغضب من اللہ»

جناب مولوی محمد سمیع اللہ خان صاحب نے جو مسودہ قانون مذکور پر اپنی رائے تحریر فرمائی ہے اس میں انہوں نے اپنے بہت سے حقوق مدرسہ پر جتائے ہیں اور گویا یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اور سید صاحب مدرسہ کے قائم کرنے اور اس کے قائم رکھنے میں مساوی الاقدام ہیں بلا شبہ مولوی صاحب ممدوح کے بہت سے حقوق تسلیم کرنے کے قابل تھے لیکن افسوس ہے کہ «قومی خدمات» جتلانے اور اظہار کرنے سے گو وہ جتلانا اور اظہار کرنا کسی پیرایہ میں ہو بالکل بےقدر سمجھی جاتی ہیں بلکہ کان لم یکن ہوجاتی کیا اچھا ہوتا اگر وہی حقوق مولوی صاحب ممدوح اپنی زبان سے ظاہر نہ کرتے بلکہ

کوئی دوسرا شخص ان کو ظاہر کرتا اور اس سے بھی اچھا ہوتا اگر جناب ممدوح بھی جیسا کہ سید مہدی علی خاں نے امادہ کے اڈریس کے جواب میں اقرار کیا ہے اس بات کا اقرار کرتے کہ:—

«اگر کوئی شخص اس عزت کا مستحق ہے تو وہ تمام ہندوستان میں صرف ایک شخص یعنی سر سید احمد ہے جس نے دنیا کو دکھا دیا کہ ابھی مسلمانوں کی قوم زندہ ہے۔»

«اور ابھی اس نیم جان قالب میں تازہ روح پھونکنے والا موجود ہے۔»

پہلے اس سے کہ مولوی صاحب کے اعتراضات اور ان کی رائے پر کچھ لکھا جائے دو باتوں کی تنقیح کرنی ضروری ہے ایک یہ کہ مدرسۃالعلوم کا قیام اور چودہ برس میں جو ترقیات غیر مترقبہ اس کو ہوئیں یہ کوئی جمہوری کام تھا یا شخصی، دوسرے یہ کہ اگر یہ شخصی کام تھا تو دوسری صورت میں یعنی اگر یہی کام جمہوری ہوتا تو ایسے قلیل زمانہ میں اس کا اس قدر ترقی کرنا ممکن تھا یا نہیں، امراول کی نسبت مجھ کو ہرگز امید نہیں کہ کوئی منصف مزاج آدمی جو مدرسۃالعلوم کے اول سے آخر تک تمام حالات سے واقف ہے وہ اس کے قیام اور اس کی ترقیات کو سر سید احمد خاں کی ذات کے سوا کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کر سکے، اول ایک ایسے اسٹیٹیوشن کا جس کو مسلمانوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا منصوبہ میں باندھنا، پھر اس کی ضرورت ایسی دھوم دھام کے ساتھ کہ تمام زمانے کو اس کا اقرار کرنا پڑے ثابت کرنا، پھر اس کے چندہ کے لئے ہزاروں تدبیریں سوچی، اور ہر تدبیر میں کامیاب ہونا اور چودہ برس میں چندے کی مقدار کو اس حد تک پہونچانا کہ سو برس میں بھی وہاں تک پہونچنا دشوار بلکہ نا ممکن معلوم ہوتا تھا، کالج کے واسطے ایک نہایت وسیع قطعہ زمین کی گورنمنٹ سے درخواست کرنی اور باوجودے کہ اکثر گورنمنٹ آفیسر اور خود ضلع علی گڈھ کا کلکٹر اس کے مخالف تھے اس زمین کے لینے میں کامیاب ہونا، دس برس میں کالج کے لئے ایک ایسی عظیم الشان عمارت کھڑی کردینی جو کسی طرح رعایا کا کام نہیں بلکہ ایک جلیل القدر سلطنت کا کام معلوم ہوتا ہے، جو لوگ قومی مدرسے اور قومی کام

کے مفہوم سے بھی واقف نہ تھے ان میں سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں اپنے مددگار بہم پہونچائے؛ جس قوم میں انگریزی تعلیم کفر سمجھی جاتی تھی ان میں بہت جلد انگریزی تعلیم کا ایک عام ولولہ اور شوق پیدا کردینا، گورنمنٹ اور ہندوستانی رئیسوں کو مدرسہ کا معاون اور مددگار بنانا، انگریزوں کے دل میں عموماً اس کی عظمت کا نقش بٹھانا، کالج کے بورڈروں کی خوراک اسائش صحت، ریاضت، معاشرت، اخلاق اور دیگر حالات کی نگرانی کا ایسا انتظام کرنا جس کی نظیر ہندوستان کے کسی کالج یا بورڈنگ ہاؤس میں نہیں پائی جاتی، کالج کے لئے ایک بے بہا لائبریری مہیا کرنی اور ہمیشہ اس کی ترقی میں مصروف رہنا، کالج کی زمین میں ایک نفیس باغ لگانا اور اس کے لئے میوہ دار درختوں کی پود دوردست مقامات سے منگوانی، کالج کے لئے انگلینڈ سے ایسا اسٹاف بہم پہونچانا جو لیاقت اور اصلیت کے علاوہ کالج کی خیر خواہی اور طلبہ کی ہمدردی میں ضرب المثل اور انگلش نیشن کی شرافت اور انسانیت کے عمدہ نمونے ہیں؛ دی مقدور طالب علموں کو ولایت بھیجنے میں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل کرنی، غریب طلبہ کے لئے اسکالرشپوں کا بند و بست کرنا اور اس غرض کے لئے نمایشوں میں خود دوکان لگانی، کتابیں فروخت کرنی، تھیٹر قائم کرنا اور اور طرح کی تدبیریں کرنی یہ اور اسی طرح کے بے شمار کام کون کہہ سکتا ہے کہ اس ایک اولوالعزم آدمی کے سوا جس کے احسان سے کسی طرح مسلمان سبکدوش نہیں ہو سکتے یعنی سر سید احمد خاں کے سوا کسی دوسرے شخص کی قوت بازو سے سر انجام ہوئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے وہ اپنے ادنی ادنی کاموں میں دوسروں کی اعانت کا محتاج ہے۔ کولمبس کی امداد اگر ملکہ ازبلا نہ کرتی اور ایک جہاز کا بیڑا اس کے ساتھ نہ کردیتیں تو امریکہ کا دریافت کرنا کولمبس کی طاقت سے باہر تھا۔ ملکہ ازبلا ہی پر موقوف نہیں ہے اس کے سوا ہزاروں آدمی ایسے ہوں گے جن سے کولمبس کو اس عزت کے سر انجام کرنے میں بہت کچھ مدد پہونچی ہوگی لیکن نئی دنیا کے فاتح ہونے کی عزت جو کولمبس کو دی گئی ہے اس میں اسپین کی ملکہ یا اور کوئی شخص کسی طرح شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کولمبس کو اور لوگوں سے بھی وہی مدد پہنچنی ممکن تھی جو ملکہ یا اور لوگوں سے اس کو پہنچی لیکن کولمبس کا کام اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا جو اس کے سوا کسی دوسرے شخص سے سرانجام نہ ہو سکتا تھا

پس اگرچہ اس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ سر سید احمد خاں نے جو کام شروع کیا تھا اس میں اکثر بزرگان قوم سے ان کو بے انتہا مدد پہونچی ہے اور قوم کا فرض ہے کہ ان کی دل سے شکر گذار ہو لیکن کسی شخص کو یہ استحقاق نہیں ہے کہ مدرسہ کے کسی کام میں سر سید کی مساوات کا دعویٰ کر سکے گو سید احمد خاں اپنی زبان سے کچھ نہ کہیں لیکن ان کا نام سنہرے حرفوں میں زمانے کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے جو کبھی مٹنے والا نہیں۔

جناب مولوی صاحب ممدوح اپنی رائے میں لکھتے ہیں کہ :

«جس وقت مدرسہ کا وجود خیالی تھا اور اخبارات میں اس کی خیالی تصویر کھینچی جاتی تھی اور فریق مخالف کی جانب سے اعتراضات کی بوچھار تھی ہمارے آنریبل سکریٹری سید احمد خاں بہادر بنارس میں جج اسمال کاز کورٹ اور سب ججی کے عہدے پر تھے اور میں علی گڈھ میں سب جج تھا اس وقت اکیلا میں ہی تھا جس کی مستحکم رائے یہ تھی کہ خیالی تصویر دکھانے سے فریق مخالف کا جواب نہیں ہو سکتا، عملی طریقہ سے مخالفت کو توڑنا چاہئے جب ہمارے آنریبل سکریٹری اور ان ممبران مقامی بنارس نے جس سے ایک مختصر کمیٹی بنارس میں مرکب تھی میری رائے سے اختلاف کیا تو میں نے اپنی رائے پر استقلال اور بھروسہ کے ساتھ عمل کرنا چاہا اور مستحکم ارادہ کر لیا کہ سلسلۂ تعلیم کو شروع کردوں، میں نے علی گڈھ میں ایک جلسہ کیا جس میں تمام میرے دوست رئیسان اعظم گڈھ و بلند شہر جمع ہوئے اور اول ہی جلسہ میں کثیر التعداد چندہ جمع ہو گیا، میں سکریٹری قائم ہوا، اس کے بعد میں نے سر سید صاحب کو اپنے ارادہ اور عمل پر متوجہ کرنے پر اصرار کیا ان کی ذاتی رائے اس وقت بھی میری رائے سے مختلف تھی لیکن دیگر ممبران کمیٹی نے غالبہ رائے سے میرے ساتھ اتفاق کیا »

اس میں شک نہیں کہ سید صاحب کی رائے ہرگز یہ نہ تھی کہ مدرسہ کھولنے میں ایسی عجلت اور جلدی کی جائے بلکہ ان کی یہ رائے تھی کہ جب تک چندہ کی معتد بہ مقدار جمع نہ ہو جائے اس وقت تک مدرسہ کا کھولنا ملتوی رکھا جائے اور بلا شبہہ اگر مولوی سمیع اللہ خان صاحب کی طرف سے اصرار نہ ہوتا اور کثرت رائے ممبران ان کی موید نہ ہوتی تو مدرسہ کے قیام میں شاید کسی قدر تاخیر ہوتی لیکن جو تامل سید صاحب کو اس بات میں تھا وہ اس احتیاط کا مقتضی تھا جو ان

کی شان کے مناسب تھی ان کی احتیاط سے اور مولوی صاحب ممدوح اور ان کے مویدین کی حلدی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب بانئے مدرسہ کے ذمہ دار تھے اور سب لوگ بمنزلہ تماشائی کے، ظاہر ہے کہ جس شخص کو سالہا سال سے مدرسہ قائم کرنے کی لو لگی ہوئی تھی اور جس نے انگلستان کا سفر زیادہ تر اسی غرض سے اختیار کیا تھا اور کمبرج یونیورسٹی کو خاص اسی ارادے سے بطور تفصیلی جاکر ملاحظہ کیا جس نے ولایت سے آتے ہی انجمن ترقی خواہ تعلیم مسلمانان قائم کی اور ہندوستان کے لائق ترین اشخاص سے قریب پچاس مضمون کے اس سوال پر لکھوائے کہ گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں کی تعلیم مسلمانوں کے مناسب حال ہے یا نہیں اور تمام ابتدائی مرحلے طے کئے، اس شخص سے زیادہ کون اس بات کا خواہشمند ہوسکتا ہے کہ مدرسہ کل کا کھلتا آج ہی کھل جائے لیکن انہوں نے ایک ایسا عظیم الشان اسٹیٹوشن قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا جو کسی طرح مسلمانوں کی پست حالت کے ساتھ مناسبت نہ رکھتا تھا اور جس کے لئے اس قدر زر خطیر درکار تھا کہ ہندوستان جیسے ملک میں ایک قومی کام کے لئے اس قدر روپیہ فراہم کرنا محال معلوم ہوتا تھا ۔

سر سید نے نہ کسی تاریخ میں پڑھا تھا اور نہ ان کو اپنے ذاتی تجربے سے معلوم تھا کہ ہندوستان میں لکھوکھا روپیہ قوم کی ایک ایسی بھلائی کے لئے جس کو تمام قوم اپنے حق میں سخت مضر سمجھتی ہو ، لوگوں سے چندہ کے طور پر جمع ہوسکتا ہے ان کو بخوبی معلوم تھا کہ اگر ایک ایسا جلیل القدر کالج جیسا کہ دعوی کیا گیا ہے اور جس کے منصوبہ پر بڑے بڑے دانشمند لوگ ہنستے ہیں قائم نہ ہوسکا تو نہ مولوی سمیع اللہ خان کو اور نہ کسی اور ممبر کو بلکہ صرف سید احمد کو عالم کی نظر میں خفیف ہونا پڑے گا۔ یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے سر سید کو مدرسہ کھولنے میں اس قدر احتیاط تھی اور ایسی ہی احتیاط ہونی بھی چاہئے تھی کیوں کہ جن لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے کام کئے ہیں انہوں نے کبھی کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالا جب تک اسکی تمام مشکلات اور دشواریوں پر غالب آنے کی طاقت اپنے میں نہیں دیکھی، بلا شبہ ہم کو مولوی سمیع اللہ خان صاحب کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کے ایک یگانہ وار اور اتفاقی مگر صائب رائے سے مسلمانوں کی تعلیم کا سامان وقت سے پہلے ہوگیا لیکن مولوی صاحب ممدوح سے ہزار درجہ بڑھ کر شکر و سپاس کے مستحق سر سید احمد

خان ہیں جن کی فوق العادۃ کوششوں سے مدرسہ کو یوماً فیوما ترقی ہوتی گئی اور وہ رفتہ رفتہ ایک عظیم الشان کالج بن گیا اور جس کا سالانہ خرچ ابتدا میں تقریبا دس بارہ ہزار سے زیادہ نہ تھا اب اس کے بجٹ کی تعداد بڑھتے بڑھتے چونسٹھ ہزار سالانہ تک پہونچ گئی۔ اگر سر سید اپنی جان اور مال اور اپنا تمام عزیز وقت اور اپنی تمام جسمانی اور دماغی طاقتیں اس مدرســـہ کی ترقی اور افزائش میں صرف نہ کرتے اور اپنے خلوص، استقلال، مذہبی راست بازی سے لکھوکھا مسلمانوں کو اپنی طرف گرویدہ نہ کرتے اور اپنی پرزور تحریروں سے قوم کے متعصبانہ خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا نہ کرتے اور وہ تمام کام نہ کرتے جن کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، تو ممکن نہ تھا کہ مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب کی صائب رائے پر کوئی نتیجہ معتدبہ مرتب ہوتا، جس طرح اور ہندوستانی ہزاروں کام شروع کرتے ہیں اور چند روز کے بعد ان کی مشکلات کو دیکھ کر جی چھوڑ دیتے ہیں یا جیسا دعوی کرتے ہیں ایسا انجام تک نہیں پہونچا سکتے ویسا ھی حال مدرسہ کا ہوتا۔ پس حق یہ ہے کہ مدرسۃ العلوم کا قیام اس کی ترقی اس کی رونق اور عظمت جو کچھ نظر آتی ہے یہ صرف سر سید احمد خاں کی مساعی جمیلہ، تدبر، اولو العزمی کا صدقہ ہے اور اسی لئے کسی کو یہ منصب نہیں ہے کہ ان کے ساتھ اس عزت میں برابری یا شارکت کا دعوی کرسکے۔

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ مدرسۃ العلوم کی محافظت اور اس کا انتظام ابتدا سے چند کمیٹیوں کے سپرد رہا ہے اور اس کے تمام کام ہمیشہ کسی نہ کسی جماعت کے استصواب اور مشورہ سے انجام پاتے رہے ہیں، پس ایسے کام کو شخصی کام کیوں کر کہا جاسکتا ہے، لیکن جو لوگ مدرسہ کے حالات سے واقف ہیں ان کو معلوم ہے کہ ابتدا سے آج تک صرف ایک انجمن سے یہ تمام کلیں چلتی رہی ہیں بہ استثنائے کمیٹی مدیران تعلیم مذہب، جس نے اب تک محض اس وجہ سے کہ سید احمد خان جیسے سکریٹری کی روح اس میں نہ تھی اپنا کوئی کارنامہ نہیں دکھایا تمام کمیٹیوں میں وہی ایک روح حلول کئے ہوئے تھی۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ سکریٹری کے سوا تمام ممبروں کا عدم وجود برابر تھا یا ان کو مدرسہ کی ترقی اور بہبودی کا کچھ خیال نہ تھا۔ نہیں بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ ایک شخص نے وطن، کنبا، عزیز رشتہ دار سب چھوڑ کر اپنے نفس کو مدرسہ کے نام پر قربان کردیا

ہے، رات دن مدرسہ ھی کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ برابر قوم کی بھلائی کی تدبیریں سوچتا رہتا ہے، مخالف اور موافق اس کی امانت اور دیانت کا اعتراف کرتے ہیں، مدبر ہے، دانش مند، تجربہ کار ہے، مستقل مزاج ہے ۔ ذی لیاقت ہے ۔ صاحب وجاہت ہے ۔ اولو العزم ہے ۔ دور اندیش ہے اور باوجود ان سب باتوں کے اپنے ارادوں میں برابر کامیاب ہوتا چلا آتا ہے ایسے شخص کی تجویزوں اور منصوبوں میں دخل دینا اور اس کی بہادرانہ امنگوں کو روکنا گویا چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دینا ہے، اسی لئے جو تجویزیں سید احمد خاں کمیٹی میں پیش کرتے تھے وہ ہمیشہ (الا ماشاء اللہ) منظور ہوتی تھیں ان کی رائے سے بہت کم اختلاف کیا جاتا تھا اور اگر کیا جاتا تھا تو وہ بہت کم سرسبز ہوتا تھا پس مدرسۃ العلوم کا قیام اور اس کی ترقی اور عظمت وغیرہ خواہ کمیٹیوں کی طرف منسوب کی جائے اور خواہ بعض ممبروں کی طرف، لیکن ہے یوں کہ یہ تمام طورا صرف سید احمد خاں کی ذات بابرکات کا ہے اور انہیں کو اس عزت کا حقیقی استحقاق ہے۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاقلاں مصلحت را تہمتے برآہو چین بستہ اند

دوسرے سوال کی نسبت میری رائے یہ ہے کہ اگر مدرسۃ العلوم کی کمیٹیاں اپنے سکریٹری یعنی سرسید احمد خاں کی سرگرمی، استقلال، دانشمندی اور راست بازی کے بھروسہ پر مدرسہ کے کاموں میں دخل دینے سے بالکل مستغنی نہ ہوجاتیں اور اپنے اختیارات کو پورے طور پر عمل میں لاتیں تو ممکن نہ تھا کہ مدرسۃ العلوم کو چودہ برس میں یہ ترقیات روز افزوں نصیب ہوتیں، ٹامس کارلائل جہاں حکومت کا سب سے بہتر طریقہ بتاتا ہے وہاں یہ لکھتا ہے کہ:

« ملک میں لائق ترین شخص جس سے زیادہ کوئی لائق آدمی موجود نہ ہو تلاش کرو اور اس کو سلطنت کی باگ سونپ دو پھر وفاداری سے اس کی تعظیم کروگے تو تم ایک ایسی کامل گورنمنٹ ملک میں پاؤگے جس کو قرعہ ڈالنا یا ووٹ دینا یا قانون سلطنت بنانا یا پارلیمنٹ کے ممبروں کی جادو بیانی یا اسی طرح کی اور کلیں ایک بالشت بھر آگے نہیں بڑھا سکتیں »

« یہ ایک ایسی کامل حالت ملک کی ہے کہ اس سے پرے خیال نہیں پہونچ سکتا لائق ترین شخص کے صرف یہی معنی نہیں کہ سب سے زیادہ لائق ہو بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ سب سے زیادہ نیک نیت سب سے زیادہ منصف مزاج اور سب سے زیادہ شریف ہو، ایسا شخص ہم کو دستیاب ہوجائے پھر جو

کچھ کرنے کو وہ ہم سے کہے اس کو یہ سمجھو کہ یہی بات ہمارے لئے سب سے زیادہ قرین مصلحت اور قرین عقل ہے جس کو ہم کبھی یا کہیں سیکھ سکتے ہیں "

اس دعوے پر کوئی دلیل کارلائل نے شاید اس لئے نہیں لکھی کہ سمجھ دار آدمی ادبی غور سے اس کو ترتیب دے سکتا ہے، ظاہر ہے کہ جب ایسا آدمی خوش قسمتی سے کسی قوم کو دستیاب ہوجائے جس سے بڑھکر کوئی اچھا اور لائق شخص بظاہر اس قوم میں موجود نہ ہو تو ضرور ہے کہ اس کی رائیں اس کے منصوبے اس کی تجویزیں اکثر اوقات قوم کے عام افراد کی سمجھ بوجھ سے کسی قدر بلند اور بالاتر ہوں گی کیونکہ یہی امر اس میں اور تمام قوم میں ما بہ الامتیاز مانا گیا ہے۔ پس اگر اس کو ملکی ترقی اور ملکی انتظام کے کاموں میں مطلق العنان نہ کیا جائے گا اور اس کے اختیارات ضابطہ اور قانون کی بندشوں سے جکڑ بند کردئے جائیں گے اور اس کی رائے کو معمولی ممبروں کی رائے سے زیادہ وقعت نہ دی جائے گی۔ اور تمام امور کا کثرت رائے سے تصفیہ ہوگا تو ممکن نہیں کہ اس کی رائے عام ممبروں کی رائے پر کبھی غالب آ سکے اور وہ سلطنت کے کسی کام میں اپنی اعلیٰ درجے کی لیاقت ظاہر کرسکے، اس کی مثال اس یکہ تاز سپہ سالار کی سی ہوگی جو اپنی ران اور باگ کے بھروسے پر وسیع اور عمیق خندق سے جو راہ میں حائل ہوتی ہے گھوڑا اڑانا چاہتا ہے مگر اس کے پست ہمت اور کم سواد ساتھی اس یقین پر کہ یہ کام انسان کی معمولی طاقت سے باہر ہے، کبھی اس کو ایسی جرات نہیں کرنے دیتے اور اس لئے اس کی یکہ تازی و شہسواری کا جوہر کبھی ظاہر نہیں ہونے پاتا۔

جو رائے کارلائل کی حکومت اور سلطنت کی بابت ہے وہی رائے بلکہ اس زیادہ وثوق کے ساتھ ایک ایسے قومی کام میں جیسا کہ مدرسۃ العلوم اور اس کی ترقی و انتظام ہے قائم ہوسکتی ہے اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو کوئی ایسا لائق اور نیک آدمی جیسے کہ سر سید احمد خان ہیں خوش نصیبی سے مل جائے تو بلا شبہ۔ اگر وہ فی الواقع دل سے مدرسہ کی روز افزوں ترقی اور حسن انتظام کے خواہاں ہیں ان کو چاہئے کہ آنکھیں بند کرکے مدرسہ کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دیں الحمد للہ کہ ہمارے ہم وطن مسلمانوں نے اب تک ایسا ہی کیا ہے اور امید ہے کہ جب تک ان کو سر سید احمد خان جیسا شخص ملے گا وہ ہمیشہ اسی طریقے پر کار بند رہیں گے۔

فقرہ بالا میں ہم نے بہت زیادہ وثوق کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ خاص کر ہندوستان کی موجودہ حالت میں کوئی ایسا کام جس کا مدار فی الواقع کسی جماعت کی رائے پر ہو ہرگز سرسبز نہیں ہوسکتا، جماعتوں اور کمیٹیوں کے کام اور ایسے کام جن کا اختیار کسی خاص شخص کے ہاتھ میں نہ ہو ہمیشہ ان ملکوں میں سرسبز ہوتے ہیں جہاں ہائر کلاس اور مڈل کلاس کے آدمی قاطبۃً اصول اور کلیات میں متفق ہوتے ہیں اگر کچھ اختلاف ہوتا ہے تو صرف فروع اور جزئیات میں ہوتا ہے، ہندوستان کی حالت اس کے بالکل برخلاف ہے، یہاں مثلاً ایک شخص قومی ہمدردی کا اظہار کرکے ایک رفاہ عام کا کام شروع کرنا چاہتا ہے لیکن جن لوگوں سے وہ اس کام میں مدد چاہتا ہے ان میں بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو اس بات کا یقین ہو کہ آدمی خلوص اور صدق دل سے محض قوم کی بھلائی کے لئے، بےشائبہ غرض، کسی کام میں کوشش کرسکتا ہے۔ ایک شخص کسی مدرسہ کی ترقی اور آرائش اس بات پر موقوف سمجھتا ہے کہ اس کی عظمت اور بڑائی گورنمنٹ اور پبلک کے دل میں بٹھائی جائے لیکن اور اکثر لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جس قدر روپیہ اس غرض سے صرف کیا جاتا ہے وہ محض رائگاں جاتا ہے ایک شخص کی یہ رائے ہے کہ جہاں تک ممکن ہو پروفیسروں اور معلموں کے لئے معقول تنخواہیں مقرر کی جائیں تاکہ لائق شریف اور ذی عزت استاد میسر آئیں لیکن اکثر لوگوں کی یہ مرضی ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کیا جائے اگرچہ عمدہ صفات کے استاد بہم نہ پہونچیں۔

یورپ میں پبلک لائبریری قائم کرنی، خیراتی ہسپتال کھولنا، تعلیم نسواں کے لئے مدرسے جاری کرنے اور اسی طرح کے بیسیوں کام ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کام کے چھیڑنے کا ارادہ کرے تو ہزاروں آدمی نہایت محبویت کے ساتھ اس کی مدد کرنے کو فوراً کھڑے ہو جائینگے، بخلاف ہمارے ملک کے کہ اکثر لوگ بجائے امداد کے اس کی تضحیک کرینگے۔ پس ایسے ملک میں صرف وہی کام سرسبز ہوسکتا ہے جس کو کوئی بڑا ذی وجاہت، لائق، مستقل مزاج اور جفاکش آدمی شروع کرے اور لوگ اس کی وجاہت اور لیاقت کے سبب اس کی طرف گرویدہ ہوں اس کی مدد اور اس پر اعتبار کریں اس کے اختیارات کو جن کا وہ مستحق

ہے وسعت دے کر اس کا دل بڑھائیں اور اس کو تقویت دیں اور آپ اس کی صلاحوں اور تجویزوں پر کاربند رہیں۔

اب میں اصل مطلب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اگرچہ جناب مولوی محمد سمیع اللہ خاں بہادر نے مسودہ مذکور کی اکثر دفعات پر اعتراضات لکھے ہیں لیکن انھوں نے زیادہ تر ان دفعات کے مضمون پر زور دیا ہے جس میں ٹرسٹیوں کو سکرٹری اور جائنٹ سکرٹری مقرر کرنے کا اختیار اس شرط کے ساتھ دیا گیا ہے کہ اول آنریری سکرٹری آنریبل سر سید احمد خاں بہادر اور آنریری جائنٹ سکرٹری آنریبل جسٹس سید محمود ہوں گے۔ اور سر سید احمد خاں کا عہدہ خالی ہونے پر سید محمود لائف آنریری سکرٹری ہو جائیںگے اور آیندہ اگر کوئی سکرٹری مقرر ہو گا تو تین برس کے لئے مقرر ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

"آنریبل سر سید صاحب کا لائف آنریری سکریٹری ہونا بلحاظ ان کی خدمتوں کے ایک امر طے شدہ ہے اور ۲۴ اگست سنہ ۱۸۸۳ع کو ایک بڑے اجلاس میں تسلیم ہوچکا ہے اس پر میرے نزدیک کچھ بحث نہیں ہوسکتی لیکن جو وسعت اختیار کی ہمارے آنریبل سکریٹری (یعنی سر سید احمد خاں) کے واسطے تجویز ہوئی ہے اس قدر وسعت کو میں منظور نہیں کرسکتا اور اس کی نسبت میں مفصل رائے آگے لکھوں گا اسی طرح بطور ایک قاعدے کے آنریبل جسٹس محمود کو جو آنریری جائنٹ سکریٹری مادام الحیات اور بعد خالی ہونے عہدہ آنریری سکریٹری کے ان کو لائف آنریری سکریٹری قرار دیا گیا ہے اس کی بھی میں تائید نہیں کرسکتا ہوں، پچھلا امر مدرسہ کے واقعات اور جسٹس محمود کے حالات کے لحاظ سے مدرسہ کے لئے ناموزوں ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ممبران مدرسۃ العلوم سید محمود کے حالات سے بخوبی واقف ہیں اور اس سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ یہ مدرسہ مسلمانوں کی ترقی کے لئے قائم ہوا ہے اور اس میں ایسے امور کی نہایت ضرورت ہے جن سے مسلمانوں کو اس کی طرف رغبت ہو اور وہ اپنی اولاد کو اس میں تعلیم دلانے کی طرف راغب ہوں اس کی انتظامی حالت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونی چاہئے جس پر مسلمانوں کو ہر قسم کا بھروسہ ہو اور بغیر کسی اندیشہ کے وہ اپنی اولاد کو اس کے سپرد کریں اور جہاں تک کہ مجھ کو تجربہ ہے اور ان ممبروں کو جن کو

زیادہ تر تعلق کالج کی انتظامی حالت سے سے رہا ہے وہ اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ اگرچہ سید محمود کی لیاقت ایک عہدہ جسٹس کے لئے کیسی ہی عمدہ اور موزوں ہو لیکن وہ جائنٹ سکریٹری یا مادام الحیات عہدہ سکریٹری مدرسة العلوم کے لئے ناموزوں ہیں، مدرسة العلوم حکومت شخصیہ نہیں ہے کہ باپ کے بعد بیٹا بطور ولی عہد کے تسلیم ہو، سکریٹری وہ شخص مقرر ہونا چاہئے جس سے محمڈن کالج جیسے مدرسہ کو ترقی و کامیابی کی امید ہو. مجھ کو اس بات کی بھی کوئی وجہ معقول نہیں معلوم ہوئی کہ جب کہ ہمارے آنریبل سکریٹری ابھی تندرست و زندہ ہیں اور خدا ان کو بہت روز ایسا ہی سلامت رکھے تو کیا ان کو انریبل سید محمود کے انتخاب میں بعد اپنی زندگی کے ایسا اندیشہ ہے جس کی بنا پر اپنی زندگی میں اپنی وجاہت کے بھروسے پر انریبل سید محمود کے لئے اس قسم کی کوشش کرتے ہیں جب کہ اس کثرت سے ٹرسٹی مقرر ہوتے ہیں اور ان پر تمام کاموں کا بھروسہ کیا جاتا ہے تو کیوں تقرر سکرٹری شپ ان کی تجویز پر موقوف نہیں رہتا، کیا ایک ایسی آزاد رائے اور لائق آدمی کے اس قسم کے خیالات معلوم ہوتے ہے کہ انریبل جسٹس سید محمود کو اپنے بعد خواہ مخواہ اپنا قائم مقام بنانا چاہتے ہیں لوگوں کو کچھ کم تعجب ہوگا»۔

مولوی صاحب کے اس بیان سے ٹرسٹیوں کے دل میں فی الواقع ایسے خدشے پیدا ہوسکتے ہیں جو صرف مسودہ مذکور کے ملاحظہ سے شاید رفع نہ ہو سکیں، لیکن ہر مجموعہ قواعد و قواعد میں خواہ وہ گورنمنٹ کی کونسل نے بنایا ہو اور خواہ کسی پبلک باڈی نے مرتب کیا ہو بعض دفعات ایسے دقیق اور ناگفتی اسباب پر مبنی ہوتی ہیں جن کا ذکر اس مجموعہ میں نہیں کیا جا سکتا لیکن درحقیقت وہ دفعات ایسی ضروری اور لازمی ہوتی ہیں کہ اگر ان کو اس مجموعہ میں سے نکال دیا جائے تو قانون کا اصل مقصد فوت ہو جائے ایسی حالت میں سوا اس کے کہ مقنن کے تجربہ اور قدیم دیانت اور خیر خواہی پر پورا اعتماد کیا جائے جو طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ غلطی کے احتمال سے خالی نہیں ہو سکتا. اگرچہ یہ ایک ضروری بات ہے کہ اس باب میں ہماری واقفیت بمقابلہ ان لوگوں کے جنہوں نے قانون بنایا ہے بہت مختصر اور محدود ہوگی لیکن امید ہے کہ جو کچھ اس باب میں اپنے ذاتی تفحص سے اور خود سید صاحب کی

گفتگو سے جو مختلف اوقات میں ان سے ہوئی ہے اور نیز اور واقف کار لوگوں کے بیانات سے اس پوائنٹ کے متعلق ہم کو معلوم ہے وہ بطور خلاصہ کے اس مقام پر نقل کرنا کافی ہوگا.

جہاں تک معلوم ہے سید صاحب کو ہمیشہ اس بات کا یقین رہا ہے کہ مدرسۃ العلوم کا اعلی درجے پر قائم رہنا صرف اس بات پر موقوف ہے کہ اس میں قابل اور عالم اور شریف یوروپین جو خاندان کے بھی معزز ہوں انگلستان کی نام آور یونیورسٹیوں سے بلا کر پرنسپل اور پروفیسر وغیرہ مقرر کئے جائیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ جو لوگ مدرسۃ العلوم کے خیرخواہ ہیں وہ سب سید صاحب کی اس رائے کو تسلیم کریں گے کیوں کہ اگر ایسا نہ ہو تو نہ قوم کے لڑکوں کو اعلی درجے کی تعلیم اور تربیت دی جاسکتی ہے نہ کالج کی وقعت عزت اور اعتبار لوگوں کی یا گورمنٹ کی آنکھ میں قائم رہ سکتا ہے اور نہ گورنمنٹ اس قدر فیاضی سے گرینٹ ان ایڈ دے سکتی ہے جس قدر کہ اب دیتی ہے.

مدرسۃ العلوم کے لئے ایسے معزز اور لائق یوروپین کا میسر آنا کوئی آسان کام نہیں ہے نہ کمیٹی کو اس قدر استطاعت ہے کہ ان کو اس قدر تنخواہ دے سکے جس قدر کہ اسی حیثیت کے یورپین افسروں کو گورمنٹ سے اور موجودہ ایڈڈ کالجوں سے مل سکتی ہے، نہ اس کالج کی ملازمت میں ان کو ترقی کی امید ہے نہ پنشن کی امید ہے اور نہ اور کسی قسم کی بہبودی کی امید ہے اس کے علاوہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک ہندوستانیوں کا قائم کیا ہوا کالج ہے اور ہندوستانی ہی اس کے منتظم ہیں پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یورپین جنٹلمین اس کے قیام و استحکام پر اور اپنے حقوق کی حفاظت اور استقلال پر کس قدر اعتماد کر سکتے ہیں. چند ہندوستانیوں کی جماعت خواہ اس کو کمیٹی کی حیثیت میں مانو اور خواہ ان کا نام ٹرسٹی رکھو ہر حالت میں کالج کے ملازمین کی نسبت اس کو کلی اختیارات ہیں جو چاہے سو کرے، نہ اس کی تجویز کا کسی محکمہ میں اپیل ہو سکتا ہے اور نہ وہ گورنمنٹ کے تابع ہے پس خیال کرنے کی جگہ ہے کہ کس بھروسے اور کس اعتماد پر یورپین جنٹلمین ولایت سے سفر کر کے ہندوستان میں آئیں اور محمڈن کالج کی ملازمت اختیار کریں.

کمیٹی ان کو ولایت سے بلاتی ہے لیکن نہ ان سے کوئی خاص معاہدہ چاہتی ہے کیوں کہ اس میں کسی خاص معاہدہ کرنے کی استطاعت نہیں اور نہ ان کو کوئی

خاص اگریمنٹ لکھ کر دینا چاہتی ہے کیوں کہ اس کو پورا کرنے کے لئے وہ کسی بینک کی ان کو ضمانت نہیں دے سکتی۔ پس ظاہر ہے کہ ان کو ملانا صرف اس بات پر منحصر ہے کہ وہ مدرسہ کے کارپرداروں پر بھروسہ اور اعتماد کریں۔

اس وقت جس قدر یوروپین ولایت سے آئے ہوئے کالج میں موجود ہیں وہ صرف سر سید احمد خاں اور سید محمود پر اعتماد کر کے آئے ہیں اور ان میں سے ایک شخص کو کمیٹی نہیں ملا سکتی تھی۔ کالج کمیٹی کے بعض ممبروں کو جو یہ خیال ہے کہ یسیوں پڑے پھرتے ہیں اور جب ہم چاہیں بلا تامل ہم کو ہاتھ آسکتے ہیں محض غلط ہے۔ سید صاحب ہمیشہ اس رائے کے برخلاف رہے ہیں اور ان کا قول ہے، یہ خیال کالج کو فائدہ پہونچانے والا نہیں بلکہ برباد کرنے والا ہے، وہ کہتے ہیں کہ۔

«اگر ہم یورپین پروفیسروں اور پرسپل کے ساتھ نہایت دوستی اور محبت سے راہ و رسم نہ رکھیں اور ان کی قدر و منزلت ایسی نہ کریں جیسی کہ ایک معزز دوست کی کرنی واجب ہے یا جیسی کہ اور کالجوں کے پرسپلوں اور پروفیسروں کی قدر و منزلت ہے اور اگر ہم ان کے لئے وہ سب اختیار تسلیم نہ کریں جو اور کالجوں کے پرسپلوں اور پروفیسروں کو حاصل ہوتے ہیں تو کوئی یورپین جنٹلمن ہمارے کالج میں ملازمت قبول نہیں کرسکتا اور نہ کالج کا اور نہ طلبہ کی تعلیم کا خواہ وہ بورڈنگ ہوس میں رہتے ہوں اور خواہ ڈے سکولر (Day Scholar) ہوں کام چل سکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کالج کے پرسپل اور پروفیسروں کو مثل کاٹ کی پتلی کے رکھنا چاہتے ہیں کہ جس طرف چاہا پھیر دیا، کوئی جنٹلمین ایسی حالت میں ایک منٹ بھر بھی کالج میں رہنا قبول نہیں کر سکتا» ہم نے متواتر سید صاحب سے سنا ہے کہ—

«مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کالج کے یورپین ملازموں کو ایک نوکر سے زیادہ نہیں سمجھنا چاہتے ان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان کے ساتھ مثل ایک دوست کے نہ کہ مثل ایک نوکر کے برتاو نہیں کر سکتے ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کوئی شریف یوروپین کالج میں نہیں رہ سکتا جنٹلمین کالج کا کیا ذکر ہے بڑی بڑی ہندوستانی ریاستوں میں جو یوروپین ملازم

ہیں وہاں بھی ان کے ساتھ ایسا برتاو نہیں کیا جاتا جیسا کہ نوکروں کے ساتھ کرنا چاہئیے۔ ہم کو خوب معلوم ہے کہ سنہ ۱۸۸۵ء یا ۱۸۸۶ء میں جب کہ سید صاحب دفعتاً بیمار شدید ہو گئے تو یوروپین اسٹاف کو یہ تردد پیدا ہوا کہ سر سید کے بعد ان سے کیسا سلوک کیا جائیگا اور کن لوگوں سے ان کو پالا پڑے گا اور وہ علی گڑھ کالج میں رہ سکیں گے یا نہیں، جب سید صاحب کو افاقہ ہوا تو انھوں نے سید صاحب سے کہا کہ ہماری عمر کا یہی حصہ اس امر کے فیصلہ کرنے کا ہے کہ ہم کو اپنی زندگی کس طرح اور کس پیشہ اور کس شغل میں بسر کرنی چاہئیے لیکن تمہارے بعد کالج کی ملازمت پر ہم کو کسی طرح کا اطمینان نہیں ہے اس لئے ہم اپنی زندگی کا کار آمد اور عمدہ زمانہ کالج میں بسر نہیں کر سکتے، کوئی ایسی تدبیر کی جائے جس سے ہم کو آئندہ کے لئے طمانیت ہو لیکن سید صاحب نے اس بات کو ہنسی میں ٹال دیا اور یہ کہا کہ آپ لوگ خاطر جمع رکھیں میں ابھی مرنے والا نہیں ہوں مگر وہ برابر اس بات کے متقاضی رہے کہ ہم کو مطمئن کرنا چاہئیے۔

اس کے بعد ایک موقع پر مولوی سمیع اللہ صاحب نے پرنسپل کے بعض اختیارات پر اعتراض کیا اور چاہا کہ بعض اختیارات جو کہ تمام کالجوں میں پرنسپلوں کو حاصل ہوتے ہیں وہ محمڈن کالج کے پرنسپل کو نہ دئیے جائیں مگر سید صاحب نے ان کی رائے کے برخلاف کارروائی کی اور پرنسپل کے اختیارات میں کمی کرنے سے انکار کیا۔ یوروپین افسروں کو یہ بات زیادہ وحشت اور دل برداشتگی کا اور اپنے قدیم اندیشہ پر زیادہ مستقل ہونے کا باعث ہوئی۔

فروری سنہ ۱۸۸۷ع میں کالج کے طلبہ نے بورڈنگ ہوس میں بقصد و ارادہ بغاوت کی اور حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور سید صاحب اور پرنسپل صاحب کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے یہاں تک کہ ۵۶ طلبہ کو سید صاحب اور پرنسپل صاحب نے بورڈنگ ہوس سے خارج کر دیا اس وقت مولوی سمیع اللہ خاں صاحب علی گڈھ میں نہ تھے طالب علموں نے ان کو تار دیا وہ آئے اور انھوں نے اور بعض اور ممبروں نے ان طالب علموں کی نسبت یہ چاہا کہ پرنسپل کی مرضی کے خلاف وہ پھر کالج اور بورڈنگ ہوس میں داخل کر لئے جائیں، مسٹر بک پرنسپل اور مسٹر ریلے نے جو کہ ایک نہایت زبردست فاضل ہیں اور اس وقت کالج میں پروفیسر تھے۔ یہ حال دیکھ کر

سید صاحب سے صاف کہد یا کہ اگر تمہارے کالج کے اس قسم کے اصول ہیں تو ہم کالج میں نہیں رہ سکتے لیکن سید صاحب نے مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کی رائے کو تسلیم نہ کیا بلکہ اس کے برخلاف کارروائی کی اور پرنسپل اور مسٹر ریلے کی صلاح سے یہ تجویز کی کہ چند طالب علم جو سرغنہ ہیں وہ قطعاً بورڈنگ ہوس سے خارج کر دئیے جائیں اور باقی اگر علانیہ اپنے قصور کی معافی چاہیں تو ان کا قصور معاف کیا جائے، مولوی سمیع اللہ خان صاحب اس کارروائی سے رنجیدہ ہوئے لیکن اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بلا شبہ کالج کا انتظام ابتر ہو جاتا اور طالب علموں پر کسی کا رعب و داب باقی نہ رہتا۔

سید صاحب نے اس واقعہ کے بعد جو خطوط مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کو کالج کے معاملات کے متعلق لکھے ان کا انہوں نے صاف یہ جواب دیا کہ میری صلاح کی حاجت نہیں ہے تم جو چاہو سو کرو. اس دن سے سید صاحب نے ان سے دوستانہ صلاح و مشورہ کرنا چھوڑ دیا صرف ضابطہ کی کارروائی جیسی کہ اور ممبروں سے ہونی چاہئے جاری رہی. لیکن یوروپین اسٹاف کو اپنے انجام کی نسبت ویسا ہی تردد اور اشتباہ باقی رہا بلکہ ان واقعات سے ان کے دیرینہ خیالات زیادہ مضبوط و مستحکم ہو گئے اور سید صاحب سے برابر ان کی یہ خواہش رہی کہ ہمارے آیندہ اطمینان کے لئے کوئی صورت نکالنی چاہئے. اس مشکل کے حل کرنے کے لئے ظاہر اس سے بہتر کوئی طریقہ نہ تھا کہ سید محمود کو بالفعل لائف جوائنٹ سکریٹری اور سید صاحب کے بعد لائف سکریٹری مقرر کیا جائے تاکہ اسی وقت یہ امر فیصل ہوجائے کہ یورپین اسٹاف کو سید صاحب کے بعد کس سے کام پڑےگا موجودہ اسٹاف کو سید محمود کی ذات پر پورا پورا اطمینان ہے اور ہم نے سنا ہے کہ اگر سید محمود کا قدم بیچ میں سے نکال دیا جائے تو بہت کم امید ہے کہ موجودہ افسروں میں سے ایک شخص بھی کالج میں رہے. اس کے علاوہ جب کبھی اور پروفیسروں کو ولایت سے بلانے کی ضرورت ہو تو ان کے بلانے اور اپنے دوستوں کے ذریعہ سے ان کے منتخب کرانے میں جو درحقیقت کالج کی جان ہے جیسے سید محمود کام آسکتے ہیں تمام ممبروں یا ٹرسٹیوں میں کوئی ویسا کام نہیں آسکتا، یہ ہیں وہ واقعات اور اسباب جنھوں نے سرسید احمد خاں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی زندگی میں انریبل سید محمود کو لائف جائنٹ سکریٹری اور اپنے

بعد لائف سکریٹری مقرر کرانے میں کوشش کریں۔ کوئی شخص اس بات کا انکار نہیں کرسکتا کہ مدرسۃ العلوم کے بقا اور دوام کا خیال جیسا سرسید احمد خاں کو ہوگا ویسا اور کسی شخص کو نہیں ہوسکتا، یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ وہ اس کی بقا اور دوام نہایت عظمت اور شان وشوکت کی حالت میں جس سے اسلام اور اہل اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہو، چاہتے ہیں ورنہ وہ کئی بار اخبار میں اپنی رائے ظاہر کر چکے ہیں کہ ذلت اور پستی کی حالت میں رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ایک زلزلہ آئے اور ہمارا پیارا مدرسۃ العلوم زمین میں دھنس جائے۔ اور ان کے نزدیک اس کی عظمت وشان زیادہ تر اس بات پر منحصر ہے کہ یوروپین شریف فاضل اور معزز پروفیسر اس میں مقرر کئے جائیں اور ولایت سے ایسے لوگ وہاں کے ذی اعتبار اشخاص کی معرفت بلائے جائیں اور جب وہ یہاں آکر رہیں تو ان کے ساتھ ایسا حسن سلوک اور عمدہ برتاؤ کیا جائے کہ ان کی حالت دیکھکر انگلستان کے معزز شریف اور فاضل لوگوں کو یہاں آنے میں کبھی تردد نہو۔ اور سر سید صاحب کے بعد یوں یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے۔ جب ان سب باتوں پر نظر کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ سر سید احمد خاں نے ہمیشہ قوم کی خیرخواہی کے آگے لوگوں کی بدگمانیوں کو نہایت حقیر سمجھا ہے، انھوں نے کافر اور ملحد کہلانا گوارا کیا لیکن اپنے خیالات ظاہر کرنے سے جن کو وہ قوم کے حق میں مفید سمجھتے تھے ہرگز دست بردار نہ ہوئے، انھوں نے تمام بنگالی اخباروں کا ہدف ملامت بنا اور گورنمنٹ کا خوشامدی اور اینگلو انڈینز کا رضا جو مشہور ہونا منظور کیا لیکن چونکہ نیشنل کانگریس کے بعض مقاصد مسلمانوں کے حق میں مضر معلوم ہوتے تھے اس لئے کانگریس کے ساتھ شریک ہونا اور اس کی تائید کرنی ہرگز پسند نہیں کی، بلکہ جہاں تک ہو سکا اس کی مخالفت کی۔ انھوں نے ممبری کونسل کے زمانے میں مسلمانوں کی جائداد کے حفظان کی غرض سے قانون وقف خاندانی کا مسودہ تیار کرکے کونسل میں پیش کیا اور باوجود یکہ اکثر علمائے اسلام نے اس کے برخلاف گورنمنٹ میں عرضداشتیں اور میموریل بھیجے مگر ان سے جہاں تک ہوسکا اس کے پاس کرانے میں کوشش کی۔ اگرچہ بدقسمتی سے وہ پاس نہ ہوا۔ جب ان سب امور کا لحاظ کیا جاتا ہے تو وہ لوگ جو سید احمد خاں کی سرشت اور طبیعت سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ خدائے تعالی نے اس کو کمبخت خود

غرضی سے پاک اور مبرا پیدا کیا ہے ان کو اس بات میں کچھ شبہہ نہیں رہ سکتا کہ سید محمود کا اپنی زندگی میں جائنٹ سکریٹری اور اپنے بعد سکریٹری مقرر کرنا محض مدرسۃالعلوم کی خیرخواہی اور خیر اندیشی پر مبنی ہے نہ کہ خود غرضی پر .

مولوی سمیع اللہ خاں صاحب نے جو سید محمود کی نسبت اپنی رائے لکھی ہے اس کا ماحصل یہ ہے «اعتقاداً یا عملاً ان کی حالت ایسی نہیں ہے کہ مدرسۃ العلوم کا انتظام ان کے ہاتھ میں دیا جائے کیوں کہ ان پر مسلمانوں کو اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے اور بغیر کسی اندیشہ کے وہ اپنی اولاد کو ان کے سپرد نہیں کرسکتے » .

لیکن ہمارے نزدیک اگر خوش قسمتی سے سید محمود کی حالت ایسی ہے کہ مسلمانوں کو ان پر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے تو سید محمود سے بہتر اور موزوں تر اس مدرسہ کے انتظام کے لئے کوئی شخص نہیں مل سکتا کیوں کہ اس مدرسہ کو اسی شخص کا ہاتھ راس آئے گا جس سے ہمارے بھائی مسلمان مذھبی سوئے ظن رکھتے ہوں گے سید احمد خاں کو مسلمانوں نے کیا کیا نہیں کہا اور کیا کیا نہیں سمجھا ، کافر کہا ، ملحد کہا ، نیچری کہا ، دجال کہا ، سب کچھ کہا لیکن جوں جوں وہ برا کہتے تھے ان کی گالیاں اور ان کا سب وشتم سید کی کھیتی میں کھاد اور میلے کا کام دیتا تھا .

شاید اس تقریر کو لوگ ہزل اور مزاح پر محمول کریں لیکن فی الحقیقت ہماری رائے ہے کہ اس مدرسہ کے انتظام اور اہتمام کے لئے ایسا شخص درکار ہے جو مذھبی تعصبات سے بالکل پاک و مبرہ ہو ، ہندو ، عیسائی ، مسلمان ، شیعے ، سنی ، نیچری ، وھابی ، بدعتی یہ سب اس کی نظر میں برابر ہوں ، ہر مذہب کے طالب علموں کو وہ ایک نگاہ سے دیکھے اور ہر مذہب کے پروفیسروں اور ٹیچروں سے یک ساں برتاؤ برتے ، شیعہ اپنی اولاد کو وہاں بھیج کر ایسے مطمئن ہوجائیں کہ گویا ان کو کربلا میں بھیج دیا اور ہندو اپنے بچوں کو وہاں داخل کرکے یہ سمجھیں کہ ان کو کاشی جی چھوڑ آئے ، یہ صفت جیسی کہ سید محمود میں ہوسکتی ہے ممکن نہیں کہ مولوی محمد سمیع اللہ خاں میں بلکہ خود سید صاحب میں ان کے برابر ہوسکے ، بلا شبہ متعصب سنیوں کو یہ امر ناگوار ہوگا کہ ایک سنی المذہب مہتمم غیر مذہب کے مسلمانوں کے ساتھ بھی ویسا ھی برتاؤ رکھے جو سنیوں کے ساتھ رکھنا چاہئے لیکن اس ناگواری سے وہ مدرسۃ العلوم سے دست بردار نہیں ہوسکتے انگریزی تعلیم کی ضرورت ان کی گردن پکڑ کر مدرسۃ العلوم کی طرف کھینچ لائے گی کیونکہ وہ اس مدرسہ کے سوا تمام کالجوں

اور اسکولوں کو برکتوں سے خالی پائیں گے جو مدرسۃ العلوم کی خصوصیات میں سے ہیں اور جو نفس تعلیم سے زیادہ ضروری اور زیادہ اہم ہیں۔

مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

«مدرسۃ العلوم حکومت شخصیہ نہیں ہے کہ باپ کے بعد بیٹا بطور ولی عہد کے تسلیم ہو»

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اگر حکومت شخصیہ نہیں تو سیاست شخصیہ ضرور ہے جمہوری سیاست یا جمہوری انتظام وہ کہلاتا ہے جس کے ساتھ تمام پبلک کو یکساں دلبستگی اور لگاؤ ہوتا ہے اور اگر یہ نہیں تو کم سے کم اس کے کارپرداز کمیٹی یا جماعت کے ہر ایک ممبر کو اس کے ساتھ برابر تعلق ہونا چاہئے یہاں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کمیٹی سب کاموں کا بوجھ سید احمد خان پر ڈال کر آپ فارغ البال ہوگئی ہے۔ اسی (۸۰) ممبروں میں سے مولوی محمد سمیع اللہ خان کو اس بات کا خیال آیا ہے کہ مسودہ قانون ٹرسٹیان پر نکتہ چینی کریں اور اگر ان کو خود سکریٹری ہونے کی آرزو نہ ہوتی تو وہ بھی ہرگز یہ دردسر گوارا نہ فرماتے۔

وہ لکھتے ہیں کہ:

«کمیٹی مدیران تعلیم مذہب اہل سنت و جماعت کا میں آنریری سکریٹری تھا اور ہمارے آنریبل سکریٹری کا نام بھی اس کے ممبروں میں نہ تھا»

بلاشبہ سید صاحب نے اس کمیٹی کے ممبروں میں کہیں اپنا نام داخل کرنا نہیں چاہا اور اسی وجہ سے تعلیم مذہبی کا صیغہ ہمیشہ نہایت شرمناک پستی اور تنزل کی حالت میں رہا، نہ مقدس ممبروں نے کبھی اس کی خبر لی اور نہ آنریری سکریٹری صاحب نے اس میں کوئی اپنا کرشمہ دکھایا، سید صاحب پر خدا کی برکت ہو کہ اسی نے لاچار ہوکر تعلیم مذہبی کی پست حالت پر رحم کھایا اور خود ایک کورس تیار کراکے مقدس ممبروں کے پاس ان کے ملاحظہ کےلئے بھیجا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر سیرت تالیف کرائی اور ممبروں کی منظوری سے تعلیم میں داخل کی۔

(باقی آئندہ)

قاضی عبدالودود، بار۔ ایٹ۔ لا

سرب سکھ، دیوانہ (تتمہ)

«سرب سکھ، دیوانہ» میں نے ایک دوست کی فرمایش پر لکھا تھا، اور انھیں، بھیجنے کے بعد، کچھ چیزیں اس میں اضافے کے لئے روانہ کی تھیں، لیکن اس کی اشاعت کی جو صورت ان کے ذہن میں تھی، وہ باقی نہ رہی، اور مضمون اس زمانے میں جب میں پاکستان میں تھا، پٹنہ واپس آگیا، میں نے ادارہ نواے ادب سے مضمون دینے کا وعدہ کر رکھا تھا، میں نے ہدایت لکھ بھیجی کہ مضمون بمبئی روانہ کر دیا جائے، پاکستان سے واپسی کے بعد نواے ادب ملا تو اس میں بعض وہ عبارتیں جن کا اضافہ مد نظر تھا، مضمون میں نظر نہ آئیں، یہ لکھنو سے تو واپس آگئی تھیں، مگر بمبئی نہ جا سکی تھیں، ذیل میں یہ عبارتیں درج کی جاتی ہیں اور ایک اہم غلطی کی تصحیح کی جاتی ہے، تاریخ وفات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ اس وقت کا اضافہ ہے۔

(۱) تذکرۂ مسرت افزا میں ہے: «راے سرب سکھ، دیوانہ مردیست عامل پیشہ درست اندیشہ، وقتیکہ.. شجاع الدولہ.. راے کرپادیال را صوبہ‌داری الہ آباد تفویض فرمودہ، وے ہم خدمت میر بحری مامور بود، درآں ایام اکثر اوقات اتفاق دیدنش می شد، بسیار لسان و خوش تقریر است و در شیوۂ یار باشی بیطیر، ارادہاے عظیم.. در مجالس اظہار می کرد، و درفن شاعری خودرا بسیار دور میکشید، از سخنوران سلف و خلف کمترے را می پسندید، ایں اثر تخلص ویست .. با ایں ہمہ دیوانگی شخص خوبست، اکثر بزبان فارسی و کمتر بزبان ریختہ طبع آزمائی میکند»ص ۸۱

(۲) روز روشن میں حسب ذیل فارسیگویوں کو بھی تلامذۂ دیوانہ میں شمار کیا ہے ..۱۔ رنج، لالہ بھاگمل پسر مولچند کھتری لکھنوی، ۲۔ عاشق راے بیجناتھ لکھنوی پسر رلیجہ جگناتھ، صاحب بہاردانش منظوم، ۳۔ فرزانہ، لچھمی رام پاٹھک از برہمنان لکھنو،

(۳) فہرست مخففات میں سترہواں شمار مخزن، مخزن الغرائب نسخۂ خدابخش کا ہے اس کتاب کا حوالہ بھی مقالے میں جابجا آیا ہے، بعد کے مخففات کے ہندسے بدل دینے چاہئیں،

(٤) سرپ سکھ سہو قلم ہے، سرب سکھ چاہئیے، عجیب بات یہ ہے کہ اس مقالے سے پیشتر جو مقالے میں نے لکھے ہیں اور ان میں دیوانہ کا ذکر آیا ہے تو ان کا نام مائے عربی ہی سے لکھا ہے،

(۵) مقالے میں ہندی کا کہا ہوا قطعۂ تاریخ وفات درج ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ دیوانہ کی وفات بدھ، ۱۹ رمضان کو ہوئی، مادۂ تاریخ « بہشت یافته» اس پر مشعر ہے کہ سال وفات ۱۲۰۳ھ تھا، اور مقالے میں میں نے اسی کو قبول کیا ہے، اس کی تحریر کے بہت دن بعد میں نے جنتری دیکھی تو سـ‍ـ‍ـ‍ـہ ۳ ھ کی ۱۹ رمضان سنیچر کے دن، اور سـ‍ـ‍ـ‍ـہ ما بعد کی ۱۹ رمضان بدھ کے دن پڑی تھی، سوال یہ ہے کہ ہندی نے ماہ و تاریخ غلط لکھی ہے، یا دن غلط بتایا ہے، اس کا امکان بھی ہے کہ حساب میں غلطی ہوئی ہو اور سـ‍ـ‍ـ‍ـہ٤ ھ ہندی کے ذہن میں ہو'

عبدالرزاق قریشی، انجمن اسلام، بمبئی

اردو کا قدیم ترین دیباچہ

سید عبد الولی عزلت اردو کے قدیم شعرا میں شمار ہوتے ہیں، ان کا کلام اردو نظم کی تاریخ کی ایک اہم کڑی ہے، تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک پرگو شاعر تھے، اس لئے ان کے اشعار کی تعـــداد یقیناً بہت بڑی رہی ہوگی، لیکن بد قسمتی سے اس کا اکثر حصہ زمانہ کی غارتگری سے محفوظ نہ رہ سکا. خوش قسمتی سے ان کے دیوانِ عزلیات کا ایک انتخاب، ان کی ایک اور کتاب «راگ مالا» کے ساتھ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے. یہ انتخاب خود عزلت کا کیا ہوا ہے اور جو نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے وہ بھی خود شاعر کا نسخہ ہے. چونکہ عزلت کا کلام قدیم اردو شاعری کو سمجھنے میں ہماری مدد کریگا اس لئے اردو ریسرچ اسٹی ٹیوٹ اس مختصر دیوان کو شائع کرنا چاہتا ہے، اس دیوان میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا دیباچہ اردو میں ہے ورنہ یہ رسم تھی کہ شعرا اپنے اردو دیوان کا بھی دیباچہ فارسی میں لکھا کرتے تھے، اگرچہ دیباچہ کی عبارت سے شاعر کے کسی نقطۂ نگاہ یا کسی اور اہم بات کا علم نہیں ہوتا لیکن اس کی اس اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کسی اردو دیوان کا پہلا اردو دیباچـہ ہے. اور اس کی اسی مخصوص اہمیت کے پیش نظر اسے نوائے ادب میں شائع کیا جاتا ہے.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

«مختصر دیباچۂ ہندی مخترع فقیر عزلت عفی عنہ

اے سسار کے کرنہار سب خوبیاں ازل سے اند تئیں تجھے یعنی آپی آپ، طاقت نہیں کہ ہماری زبان قاصر بیان سے تیری بڑائی کا حق ادا ہوسکتا ہو اور اے دو جگ کے کرتار تیرا تنزۂ ذات و صفـات ایسا دور باش عقلوں کا (؟) نہیں کہ جبرئیل اندیشے کا تیری حریم قدس کے دور گردوں سے نسبت نزدیکی کی رکھتا ہو. تو ویسا ہے جیسا کچھ آپ کو آپ سرا چکا ہے، زیادہ اور کم ظرفوں کو کیا کہنا ہے اور تیرے آستان لا مکانی پر سر افلاک جھکا ہے. فضولوں کو سیل عرق خجلت میں بہنـا ہے، اور اسی طرح سرے درود تیرے معشوق یعنی محمد اور اس کی آل کو صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے خود بخود

پہنچ رہے ہیں۔ پس ہم ناقصوں کو تجھسے ان پر درود طلب کرنا کمال بے ادبی ہے مگر امتثال حکم قرآنی تیرا یا ایمان تجھسے، اُن پر نثار درود طلبی ہے تا اُن کا صدقہ ہم چن لیویں اور اسی بہانے سے پاپی پن لیویں۔ اما پیچھے عجز و حمد و درود کے یہ فقیر سید عبدالولی عزلت محشیے اسے علی الحقیقة پتر حضرت سید سعد اللہ قدس سرہ کا زباں بے جوہری سے عرض کرتا ہے کہ یہ کیتے جلے ہوئے دم آتشخانۂ دیوان ہندی سے نکال کر اوراق پریشاں بیاض میں جمع کئے ہیں تا دوستوں پاس ہم جہاں فراموشوں کا یادگار ہے اور اس کے سب مصرعے سوختگی مضامین سے نرم سخن کے کئے ہیں تاکہ چراغ معنی کے پروانہ صورتوں کی آنکھ ہمارے خیال میں اشکبار رہے اور اس کی ہر بیت بہار معنی کے جنون میں مصرعوں کے دوہات سے گریبان پھاڑ رہی ہے اور ہر سطر ایک دیوانۂ مضمون و جنوں کو زنجیر کر سرمہ بیان سے خموشی کے پکار رہی ہے درست فکر دیکھے لوٹے ہوئے دلوں کی پسند کر اے رب العباد بحمدہ و آلہ الامجاد تمت۔

تبصــــرے

(۱) ارمغان علمی، مرتبہ. ڈاکٹر سید عبداللہ، ناشر. انجمن ارمغان علمی لاہور، صفحات ۵۰۰ قیمت پندرہ روپے،

ڈاکٹر محمد شفیع علم وادب کی دنیا میں بہت قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں. ان کے تحقیقاتی کارنامے اہل علم کی نگاہ میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں تحصیل علم سے فراغت پانے کے بعد انھوں نے اپنی ساری عمر علم وادب کی خدمت میں گذاری، بہت سی پرانی کتابوں کا جنھیں زمانہ بھول چکا تھا پتا چلایا اعلی درجہ کے تحقیقاتی مقالے لکھے. قدیم کتابوں کو عمدگی سے ایڈٹ کرکے شائع کیا. ان سے بھی زیادہ قیمتی اور قابل قدر سرمایہ ان کے وہ شاگرد ہیں جنھوں نے ان کے کاموں میں اضافہ کیا اور کررہے ہیں اور مدتوں اضافہ کرتے رہیں گے. اسی محسن علم وادب کی علمی وفنی خدمات کے اعزاز میں اس کی سترہویں سالگرہ کے موقع پر اس کے شاگردوں اور عقیدتمندوں نے علمی و تحقیقاتی مقالات کا ایک مجموعہ ارمغان علمی مرتب کیا اور طبع کراکے اس کی خدمت میں پیش کیا. علم وادب کے ایک پرستار کے لئے اس سے بہتر تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے. مجموعہ دو حصوں پر مشتمل ہے. پہلے حصہ کے مضامین مشرقی زبانوں، یعنی اردو، فارسی، عربی میں ہیں اور دوسرے حصہ کے مضامین مغربی زبانوں یعنی انگریزی، فرانسیسی میں ہیں. مقالہ نگاروں میں قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی (مرحوم) آقا عبدالحئی حبیبی، دکتر علی اصغر حکمت، ڈاکٹر احمد ذکی، پروفسور سعید نفیسی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر حمیداللہ صدیقی پروفسر عدنان، پروفسر ارسلان، پروفسر آیونو، وغیرہ جیسے بین الملی شہرت کے علماء وفضلا شامل ہیں. (ع-ر-ق)

(۲) اردو اسپز مولف: ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی، ناشر: رائٹرس ایمپوریم لمیٹڈ پیلس بلڈنگ، سر فیروز شاہ مہتہ روڈ، بمبئی ۱ صفحات ۲۲۰ قیمت دو روپے آٹھ آنے.

ڈاکٹر مدنی تقریباً دو سال تک انسٹی ٹیوٹ کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر رہ چکے

ہیں۔ نوائے ادب کا اجرا انہیں کے زمانے میں ہوا تھا۔ وہ اپنی بعض تالیفات «ولی گجراتی» «رسالہ نورالمعرفت» «منشی داد خاں سیاح اور ان کا کلام» کی وجہ سے علمی وادبی حلقوں میں کافی متعارف ہیں۔ زیر تبصرہ تالیف انہیں کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب میں سر سید احمد خاں سے لے کر کنہیا لال کپور تک چوبیس مضمون نگاروں کے منتخب مضامین جمع کئے گئے ہیں ابتدا میں مدیر نگار کے قلم سے «اعتراف وتعارف» کے عنوان کے تحت ایک پیش لفظ ہے اور پھر ڈاکٹر صاحب کے قلم سے «اردو ادب میں ایسے» کے عنوان سے تیس صفحوں کا مقدمہ ہے۔ دونوں میں «ایسے» کا مفہوم متعین کرنے اور اس کا پس منظر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اردو زبان میں اب تک ایسے کے لئے کوئی موزوں مترادف متعین نہیں ہو سکا۔

اس کتاب کے چھپنے سے پیشتر جب اس کا مقدمہ مضمون کی صورت میں آجکل دہلی میں چھپا تو بعض ادیبوں نے اس کے لئے مناسب لفظ تلاش کرنے کی کوشش کی چنانچہ ڈاکٹر وزیر آغا کا مضمون «ایسے کیا ہے» مطبوعہ ادب لطیف اکتوبر ٥٧، اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی مگر وہ بھی اس کے لئے کوئی اردو مترادف تلاش نہیں کر سکے اور آجکل تو ادب لطیف کی فہرست مضامین میں بھی مضمون کی جگہ «ایسے» کا لفظ نظر آتا ہے۔

بہر حال اس موضوع پر اردو میں اچھی کتاب ہے امید ہے کہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اس سے پورا فائدہ اٹھائیںگے۔

(٣) میخانہ، مصنف: کشن دت طوفاں دہلوی، ناشر: مکتبہ قصر اردو، اردو بازار دہلی، صفحات ١٤٤ قیمت دو روپے چار آنے۔

دہلی کے کسی پرچے میں جب کبھی طوفاں کی کوئی غزل، نظم، نظر سے گذرتی تھی تو خیال ہوتا تھا کہ دلی کی قدیم تہذیب کے مٹ جانے کے باوجود اس کی زبان ابھی تک بعض ادیبوں اور شاعروں کا سرمایہ جان ہے۔ میخانہ کو پڑھکر اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔

میخانہ طوفاں کی غزلوں، نظموں اور قطعوں کامجموعہ ہے۔ ابتدا میں امداد صابری اور طوفان کے لکھے ہوئے دو مختصر سے تعارف نامے ہیں پھر «میخانہ»

کے عنوان سے ایک طویل نظم ہے۔ جس میں بادہ وساغر اور ساقی ومیخانہ کی زبان میں شاعر نے مادر وطن کے لئے اپنے جذبۂ محبت اور اس کی تعمیر نو کے لئے اپنے جذبہ قربانی کو نہایت لطیف انداز میں پیش کیا ہے، الفاظ نرم ونازک اور ترکیبیں حسین ہیں لیکن ہر بند میں میخانہ اور اس کے لوازمات کی تکرار نے مومن اور نوح ناروی کے مقطعوں کی سی کیفیت پیدا کردی ہے۔ بعض فکر انگیز ہیں تو بعض صنعت مراعاۃ النظیر کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔

غزلیات کا رنگ انگور کے رس کی طرح نکھرا ہوا ہے۔ اس میں واردات قلبی کا عکس بھی ہے اور آفاقی تاثرات کا پرتو بھی، مختصر نظموں میں «زیر و بم» اور «تیرے بغیر» بہت اچھی ہیں۔

مختصر یہ کہ طوفاں اپنا ایک انفرادی رنگ رکھتے ہیں اور ان کے میخانہ میں پہونچکر کوئی بھی مخمور ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ مکتبہ قصر اردو نے اپنی روایت کے مطابق نہایت دیدہ زیب طریقے پر اس کو چھاپا ہے۔ امید ہے اہل ذوق اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

(٤) **میر کی آپ بیتی** مترجم: نثار احمد فاروقی، ناشر: مکتبہ برہان، اردو بازار دھلی، ٦ صفحات ۱۹۲ قیمت: دو روپے آٹھ آنے۔

سودا کے ساتھ آزاد کی بڑھی ہوئی دلچسپیوں نے انہیں میر کے حق میں انصاف کرنے کا موقع نہیں دیا چنانچہ ان کے قلم نے میر کے حالات لکھتے وقت آبحیات میں کچھ ایسے شگوفے چھوڑ دئے جو میر جیسے مظلوم شاعر کے دامن پر داغ تھے۔ اس داغ کے دھلنے کی کوئی صورت نہ تھی لیکن جب سنہ ۱۹۲۸ع میں ڈاکٹر عبدالحق کے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ میر کی خودنوشت «ذکر میر» شائع ہوئی تو یہ غلط فہمیاں خود بخود دور ہوگئیں۔

میر کی شاعری کے پس منظر کو سمجھنے کے لئے ذکر میر ایک بنیادی اہمیت رکھتی ہے لیکن چونکہ وہ فارسی میں ہے اور آجکل جبکہ اس زبان سے روز بروز دلچسپی کم ہوتی جاتی ہے ضرورت تھی کہ اس کا کوئی اردو میں ترجمہ کرتا اس ضرورت کو فاروقی صاحب نے پورا کیا، «میر کی آپ بیتی» اسی ترجمہ کا نام ہے۔

ترجمے سے پہلے جناب مالک رام اور فاضل مترجم کے مختصر سے تعارفی

ہوئے ہیں جس میں ذکر میر کی اہمیت اور اس کے مختلف قلمی نسخوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مترجم نے ان نسخوں کا ذکر کرتے وقت جناب مسعود حسن رضوی کو بھلا دیا ہے جو سب سے پہلے اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے[1]۔

ترجمہ نہایت بامحاورہ صاف وشستہ ہے۔ اور کتابت وطباعت دیدہ زیب، جو لوگ فارسی نہ جاننے کی وجہ سے ذکر میر کا مطالعہ براہ راست نہیں کر سکتے ان کے لئے یہ ترجمہ ایک علمی نعمت ہے۔

(۵) انقلاب روس اور روس انقلاب کے بعد، مصنف، محمد مسعود جوہر، ناشر۔ مکتبہ برہان، اردو بازار دہلی، صفحات ۶۲۸ قیمت سات روپے۔

دنیا کے ہر انقلاب نے انسانیت کو اپنی طرف متوجہ کیا جب ایک خاص معاشی ومعاشرتی سماج پیدا کرنے کے لئے سنہ ۱۹۱۷ع میں روس میں انقلاب برپا کیا گیا تو دنیا بھر کے غریبوں کی نگاہیں ادھر کو اٹھ گئیں اور وہ اپنے مصائب کا واحد حل اشتراکیت کو سمجھنے لگے کسی نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کیا واقعی اشتراکیت نے روسی غریبوں کو بحال کردیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اسی سوال کا جواب ہے۔ مواد کی زیادتی کی وجہ سے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے پہلا حصہ سنہ ۱۹۱۴ع سے سنہ ۱۹۲۴ع تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حصہ سنہ ۱۹۲۵ع سے شروع ہو کر سنہ ۱۹۴۵ع تک کے حالات پر ختم ہوتا ہے۔ اور اس میں اس انقلاب کے دونوں رخوں کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے کافی سرمایہ غور فکر جمع کر دیا گیا ہے۔ پوری کتاب دلچسپ ہے۔ خاص طور پر اس کے بعض ابواب بولشیوک اور وسط ایشیا کی اسلامی ریاستیں، لینن کے بعد اور دور استبداد وغیرہ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مصنف نے واقعات وحقائق بڑی محنت سے جمع کئے ہیں اور طرز بیان کی دل کشی نے موضوع کی خشکی کو دور کردیا ہے اشتراکی فلسفہ اور اس کے عملی نتائج کی تاریخ کے اعتبار سے یہ ایک اہم کتاب ہے۔

(۶) دکھنی ہندو اور اردو، مصنف، نصیر الدین ہاشمی، ناشر: ادارۂ ادبیات اردو خیریت آباد حیدر آباد دکن، صفحات ۲۹۰، قیمت تین روپے آٹھ آنے۔

ہاشمی صاحب کے نام کے ساتھ دکن کے اردو ادب کی پوری تاریخ مجسم ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اردو ادب کا یہ خاموش خادم سالہا سال سے دکھنی

[1] فیض میر مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب صفحہ ۳

ادب کے جواہر پاروں کو باہر لانے میں مصروف ہے، دکن میں اردو. مدراس میں اردو، یورپ میں دکھنی مخطوطات، حواتین دکن کی اردو خدمات، کتب خانۂ سالار جنگ کے اردو مخطوطات کی توضیحی فہرست وعیرہ کے نام سے نہ معلوم کتنے ہزار صفحات کا دامن اب تک وہ ان جواہر سے بھر چکے ہیں اور ان کی جد و جہد کا یہ سلسلہ جاری ہے، زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے.

اس کتاب میں سنہ ۱۳۴۷ ع سے لے کر سنہ ۱۹۵۵، تک دکن کے تقریباً ڈھائی سو ہندو ادیبوں اور شاعروں کے حالات اور ان کے کلام کا نمونہ جمع کیا گیا ہے، ابتدا میں حیدر آباد کے سابق وزیر اعظم بی. رام کرشنا راؤ اور پروفیسر عبد القادر سروری کے لکھے ہوئے دو مختصر سے تعارف نامے ہیں جن میں نہایت فراخدلی کے ساتھ ہاشمی صاحب کی ادبی اور تاریخی خدمات کو سراہا گیا ہے.

آندھرا کی موجودہ حکومت نے اردو کے ساتھ حسن رواداری کا ثبوت دیا ہے اس کو اس کتاب کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ یو. پی. اور دہلی میں اردو زبان ہندو مسلمانوں کی مشترکہ میراث رہی ہو کہ نہ رہی ہو. لیکن دکن میں رہی اور آئندہ بھی رہے گی. اردو دوست احباب اس کتاب کو پڑھ کر ضرور خوش ہوں گے.

(۷) اردو کے چاند تارے، مرتب امیر حسن نورانی، ناشر راجہ رام بک ڈپو، لکھنؤ. صفحات ۱۴۴، قیمت تین روپے آٹھ آنے.

امیر حسن نورانی اسلامیہ کالج لکھنؤ میں ادبیات کے استاد ہیں اور مختلف ادبی اداروں سے متعلق ہونے کی وجہ سے کوئی نہ کوئی ادبی خدمت انجام دیتے رہتے ہیں چنانچہ لکھنؤ کے مشہور ادبی پرچے «فروغ اردو» کو بھی ان کا تعاون حاصل ہے. زیر تبصرہ کتاب انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے.

یہ امیر خسرو دہلوی سے لے کر مجاز ردولوی تک تقریباً ۴۸ اردو شاعروں کا ایک ہلکا پھلکا تذکرہ ہے جس میں ہر شاعر کے حالات زندگی، اس کے کلام کا نمونہ اور اس کی تصویر دی گئی ہے.

جن لوگوں کو کتابوں کے سلسلہ میں ہر قسم کی سہولت میسر ہے ان کا تو ذکر نہیں لیکن ثانوی مدارس میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اساتذہ کو مناسب سہولتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے اردو کی نصابی کتابیں پڑھاتے وقت مختلف ادیبوں اور شاعروں کے سلسلہ

میں ضروری معلومات پیش کرتے ہوئے بڑی دقت محسوس ہوتی ہے۔ لہذا اسکول لائبریریوں میں اس قسم کی کتابوں کی موجودگی اساتذہ اور طلبہ کو بہت فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

شاعروں کی تصویریں بڑی محنت سے جمع کی گئی ہیں اور آخر میں ان کی پیدائش و وفات کے سن کی فہرست بھی الگ سے دی گئی ہے۔ امید ہے کہ اردو دوست احباب علی العموم اور ثانوی مدارس کے اساتذہ و طلبہ علی الخصوص اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

(۸) حیات وحید الزماں، مصنف: محمد عبدالحلیم چشتی، ناشر: نور محمد کارخانۂ تجارت کتب آرام باغ، کراچی، صفحات ۱۷۰ قیمت چار روپے

مولانا چشتی دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں۔ انھیں بزرگوں کے حالات سے خاص دلچسپی ہے حرم علی بلہوری اور ابن الجزری پر ان کے دو مبسوط اور تحقیقی مضمون معارف میں قسط وار شائع ہوچکے ہیں زیر تبصرہ کتاب کو بھی ان کی اسی دلچسپی کا نتیجہ سمجھنا چاہئے

یہ کتاب قرآن وسنت کے مخلص خادم اور کتب احادیث کے ایک اہم اردو مترجم مولوی وحیدالزماں کی سیرت ہے، وحیدالزماں کانپور کے ایک مشہور علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ اپنے زمانہ کے نامور علما سے تعلیم حاصل کی۔ اور پھر حیدرآباد گئے اور وہاں اپنی محنت اور دیانت داری سے ایک معمولی جگہ سے ترقی کرکے نواب وقارالامرا کے معتمد پیشی کا درجہ حاصل کیا دوبار زیارت حرمین سے فیض یاب ہوئے اور سنہ ۱۳۳۸ھ میں انتقال کیا۔ قرآن کے مفسر، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، سنن ابو داؤد کے مترجم اور عربی واردو میں متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔

کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کی تعلیم، ملازمت، علمی شغف، اخلاق، وفات، قومی خدمات اور تصانیف کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے حالات جمع کئے ہیں۔ علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۹) خدائی وعدہ، مصنف: ڈاکٹر طہ حسین، مترجم: معراج محمد بلوق، ناشر: نور محمد کارخانۂ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی صفحات ۳۶۰ قیمت تین روپے آٹھ آنے

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر خدا نے اپنے مومن اور مخلص بندوں کو سر بلند کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ ڈاکٹر طہ حسین نے ابتدائے اسلام کے تاریخی واقعات سے مدد لے کر اپنے اس ناول میں یہی بتانے کی کوشش کی ہے کہ خدا نے اپنے اس وعدہ کو کس

طرح پورا کیا۔

اس ناول کے بنیادی کردار حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت حباب، حضرت بلال اور بعض دوسرے صحابۂ کرام ہیں جنھوں نے دین اسلام کی سربلندی کے لئے ہر قسم کے دکھ سہے اور جنھیں دین اسلام نے معمولی غلاموں کے درجہ سے اٹھاکر ملت کے سرداروں کے درجہ تک پہنچا دیا

اردو زبان میں اسلامی تاریخی واقعات کو بنیاد بنا کر بہت سے ناول لکھے گئے اور لکھے جارہے ہیں۔ لیکن مصنفین کی رنگ آمیزی اور عربی تہذیب کے ہندوستانی تصور نے ان میں وہ بات پیدا نہیں کی جو اس ناول میں پائی جاتی ہے اس میں عربوں کی سادہ زندگی کو اس کے حقیقی رنگ میں پیش کیا گیا ہے اور طرز بیاں اس قدر ہلکا پھلکا اور قدرتی ہے کہ اس کی ایک ایک بات دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔ مترجم کی مخلصانہ کوشش نے کتاب کو اور بھی مؤثر بنادیا ہے

ابتدا میں مترجم کے قلم سے ایک پیش لفظ ہے جس میں کتاب کی اہمیت اور ترجمہ کی مشکلات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں مختصر طور پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے حالات زندگی دئے گئے ہیں جو کتاب لکھنے والے کے مخلصانہ جذبات کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں دینی شعور کو بیدار کرنے کے لئے اس قسم کی کتابوں کی سخت ضرورت ہے امید ہے دین و ملت سے لگاؤ رکھنے والے احباب اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے

(۱۰) فردوسی ہند، مصنف: صفدر آہ ۔ ناشر: کتاب کدہ ۱۳۰ والکیشور بمبئی ۶ صفحات ۱۹۲ قیمت دو روپے

جن لوگوں نے موازنۂ انیس و دبیر، مرثیہ نگاری اور میر انیس، روح انیس وغیرہ پڑھی ہے وہ فردوسی ہند کے نام سے سمجھیں گے کہ یہ کتاب بھی میر انیس ہی سے متعلق ہے، یہ کتاب انیس سے متعلق نہیں بلکہ ان کے ایک شاگرد سید محمد افضل فارغ لکھنوی (پیدائش ۱۲۶۰ھ وفات ۱۳۱۸ھ) سے متعلق ہے۔

کتاب کی ابتدا میں جناب سردار جعفری کا ایک مختصر سا تعارفی نوٹ ہے جس میں مرثیہ کی بنیادی اہمیت کو واضح کرنے کے بعد فارغ پر صفدر آہ کی اس نگارش کو سراہا گیا ہے۔

اصل کتاب مضامین کے اعتبار سے دو حصوں پر مشتمل ہے ایک تحقیقی اور دوسرا تنقیدی۔ تحقیقی حصہ میں فارغ کے حالات زندگی ہیں جن کا ماخذ زیادہ ترخود فارغ کی خود نوشت «حال فارغ» ہے، تنقیدی حصہ میں فارغ کے مرثیوں کی خصوصیات پر ڈرامہ نگاری کے اصولوں کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ آخر میں ان کے ایک طویل مرثیہ کا اقتباس بھی دیا ہے۔

اردو کے مرثیہ گو شاعروں میں انیس ودبیر پر کچھ کام ہوا ہے۔ مونس، انس، نفیس اور دیگر شاعروں پر سرسری تنقیدیں مل جاتی ہیں لیکن فارغ کی طرف ابھی تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی، مصدر آ ہ یقیناً مبارکبادی کے مستحق ہیں کہ ان کی محنت سے اردو کے علمی وادبی حلقہ کو ایک نئے باکمال مرثیہ گو شاعر فارغ سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔

(۱۱) چراغ راہ اسلامی قانون نمبر، مرتبہ: خورشید احمد، ناشر: دفتر چراغ راہ کراچی، صفحات حصہ اول، ۴۵۰ دوم ۳۵۰، قیمت ہر دو حصہ سات روپے۔

۱۸۵۷ء کے بعد جب مغربی تہذیب نے ہندوستان کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور مسلمانوں کے سامنے صبح شام ایسے مسائل آنے لگے جو اسلامی اصولوں سے ٹکراتے تھے تو سرسید نے سب سے پہلے اسلامی فقہ کی تشکیل جدید کی ضرورت کو محسوس کیا پھر شبلی، ابوالکلام وغیرہ نے اس کی اہمیت کی طرف علماء کو متوجہ کرانے کی کوشش، اس سلسلہ میں دارالمصنفین اعظم گڈھ اور ندوۃ المصنفین دہلی نے اپنی استطاعت بھر کچھ عملی کام بھی کئے لیکن اجتماعی طور پر اس راہ میں کوئی خاص قدم نہیں اٹھایا گیا۔

پھر جب پاکستان بنا اور پاکستانی دستور نے اپنی مملکت کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا تو اس مسئلہ کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ اس کا حل تلاش کرنے کے لئے ایک طرف اگر حکومت نے اسلامی لاکمیشن مقرر کیا تو دوسری طرف وہاں کی متعدد دینی تحریکیں بھی اس کام کو انجام دینے میں پوری تندہی سے لگ گئیں۔ ان دینی تحریکوں میں ایک جماعت اسلامی بھی ہے۔

زیر تبصرہ پرچہ اسی تحریک سے تعلق رکھتا ہے اس کے اس خاص نمبر کے مضامین پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار اس مسئلہ کا حل

تلاش کرنے کے لئے ایک اجتماعی اور مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں آئندہ کام کرنے والوں کے لئے یہ نمبر یقیناً چراغ راہ ثابت ہوگا۔

(۱۲) آجکل دہلی و ابوالکلام نمبر، مرتبہ بال مکند عرش، ناشر: پبلیکیشنز ڈویژن پوسٹ بکس نمبر ۲۰۱۱ دہلی، صفحات ۱۳۰ قیمت ایک روپیہ۔

مولانا آزاد کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ اظہار عقیدت کے دو راستے اختیار کئے گئے۔ایک جذباتی اور دوسرا عملی جذباتی دور گذر گیا اور عملی دور شروع ہوا ہے مولانا آزاد کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے حکومت جو کچھ کرنے والی ہے وہ ابھی فائلوں میں ہے۔ لیکن ہند وپاک کے اخبارات ورسائل نے آزاد نمبر نکال کر اپنی استطاعت بھر مولانا کے ساتھ عوام کی دلی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ قومی زبان، ہماری زبان، انڈوایرانیکا، ثقافت الہند اس کا ثبوت دے چکے ہیں۔ آجکل کا ابوالکلام نمبر ہمارے سامنے ہے۔ اردو ادب اور صبا کے آزاد نمبروں کاانتظار ہے۔

آجکل اردو رسائل کے ادبی وثقافتی رسائل میں ایک بلند مقام رکھتا ہے اس کے عام نمبر تو دلکش اور معیاری ہوتے ہی ہیں لیکن اس کے خاص نمبروں کی بھی اپنی ایک انفرادی شان ہوتی ہے، آج کل کا یہ آزاد نمبر بھی اس خصوصیت کا حامل ہے۔

اس نمبر میں مولانا آزاد سے متعلق متعدد اہم لیڈروں، ادیبوں اور شاعروں کے تاثرات اس خوبی سے جمع کئے گئے ہیں کہ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ان کی اہم تصانیف کا کوئی تذکرہ نگاہوں سے اوجھل نہیں رہتا، تاثراتی مضامین میں ڈاکٹر سید محمود، ہمایوں کبیر، عبدالرزاق ملیح آبادی، حافظ علی بہادر خاں اور حمیدہ سلطان کے مضامین اچھے ہیں اور ہمارے سامنے آزاد کی انفرادی زندگی کے بعض نئے گوشوں کو پیش کرتے ہیں، ادبی اور تجزیاتی مضامین میں محمد مجیب، گوپی ناتھ امن اور سعید احمد اکبر آبادی کے مضامین اہم ہیں، نیاز صاحب کا مضمون بھی اچھا ہے لیکن باتیں پرانی ہیں،

نظموں میں جمیل مظہری، یحیٰ اعظمی، روش صدیقی اور شمیم کرہانی کی نظمیں اثر انگیز ہیں،غرض اب تک جتنے آزاد نمبر نکل چکے ہیں،ان میں آج کل کا آزاد نمبر خاص امتیاز کا مستحق ہے،

پبلیکیشنز ڈویژن پوسٹ بکس نمبر ۲۰۱۱ دہلی کی دیگر مطبوعات

(۱) جواہر لال نہرو کی تقریریں(۱) اس میں نوجوانوں کے جذبۂ حب

وطن کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے، صفحات ۲٤ قیمت دس نئے پیسے،

(۲) **جواہر لال نہرو کی تقریریں**(۲) اس میں دوسری پنج سالہ یوجنا کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، صفحات ۲٤ قیمت دس نئے پیسے۔

(۳) **جواہر لال نہرو کی تقریریں** (۳) اس میں پنچائتی راج کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے صفحات ١٦ قیمت دس نئے پیسے۔

(٤) **جواہر لال نہرو کی تقریریں**(٤) اس میں آزادی ہند اور اس کی حفاظت کے طریقے بتائے گئے ہیں، صفحات ۲٤، قیمت دس نئے پیسے

(٥) **جواہر لال نہرو کی تقریریں** (٥) سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اس کے نتائج اور بھارتیوں کی موجودہ ذمہ داریوں کو واضح کیا گیا ہے، صفحات ۲۸، دس نئے پیسے

(٦) **ہماری کامیابیاں اور نئی منزلیں**، ہندوستانی منصوبہ بندی سے حاصل شدہ سماجی، سائنسی، زرعی اور صنعتی ترقیوں کا تذکرہ، صفحات ٥٨، قیمت ساٹھ نئے پیسے

(۷) **نظیر اکبرآبادی نظیر کے دیگر موصولات** حالات زندگی اور ان کے کلام کا انتخاب، مرتبہ امیر حسن نورانی صفحات ٤٤، قیمت بارہ آنہ، ملنے کا پتہ: راج کمار بک ڈپو، لکھنو۔

(۸) **مومن دہلوی**، مومن کے حالات زندگی اور ان کے کلام کا انتخاب۔ مرتبہ امیر حسن نورانی صفحات ۳۲، قیمت آٹھ آنے، ملنے کا پتہ۔ راج کمار بک ڈپو، لکھنو

(۹) **محمد علی قطب شاہ کی جیون کہانی**، مرتبہ وقار خلیل، صفحات ۳۲، قیمت پچاس نئے پیسے، ملنے کا پتہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد۔

مختلف یونیورسٹیوں میں ہونے والے تحقیقی کاموں کی فہرست

(۱) ہندوستان میں

آگرہ یونیورسٹی

طالب علم	موضوع	نگراں	دیگر کیفیت
سلیم حامد رضوی	اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ	ڈاکٹر گیان چند	تقریباً مکمل
ناظرہ خاتون	اردو شاعری میں سیاسی شعور	"	
گیان چند جین	شمالی ہند میں اردو مثنوی کا ارتقا	"	
ایس، بی، ایچ، رضوی	حالی کا ادبی سرمایہ	"	
محمد عرفان	قائم چاند پوری	"	
سید لطیف حسین ادیب	رتن ناتھ سرشار اور اردو ادب	"	

الہ آباد یونیورسٹی

طالب علم	موضوع	نگراں	دیگر کیفیت
وشو گوپال	رتن ناتھ سرشار اور انکی ادبی خدمات	-	ڈگری دیدی گئی
سید محمد عاقل رضوی	شمالی ہند میں اردو مثنوی کا ارتقا	-	
مہر النساء حسن	جنگ آزادی میں اردو کا حصہ	-	
آصف جاہ کاروانی	اقبال کا فلسفۂ خودی اور اسکا ماخذ و مقصد	-	
-	افسانوی ادب میں عوامی زندگی کا پرتو	ڈاکٹر اعجاز حسین	
-	انیس اور ان کا فن	"	
-	ابوظفر کا عہد اور ان کی زندگی	"	
-	فورٹ ولیم کالج کے اردو ادیب	"	
-	حالی بحیثیت ادیب و تنقید نگار	"	
-	اردو ڈرامہ کا ارتقا	"	
-	اردو مقالہ نویسی کا ارتقا	ڈاکٹر سید رفیق حسین	

بمبئی یونیورسٹی

طالب علم	موضوع	نگراں	دیگر کیفیت
ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	سخنوران گجرات	نجیب اشرف ندوی	
ڈاکٹر عبدالعلیم نامی	اردو تھیٹر	"	ڈگری دیدی گئی
ڈاکٹر عقیلہ این۔ اے۔ خان	لسان العصر اکبر الہ آبادی	"	"
خیر النساء خان	اردو ادب میں طنز و ظرافت	"	
ذاکر حسین فاروقی	دبستان دبیر	"	

محمد علی ابو محمد	اردو قطعات کا ارتقا	«	
میمونہ مقدم	بمبئی میں اردو	ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی	
پروفیسر شریف احمد	عبد الحلیم شرر	«	
پروفیسر آدم شیخ	مرزا رسوا اور ان کی تصانیف	پروفیسر نظام الدین گوریکر	
عبد الشکور قادری	کوکن میں اردو	«	
ضمیر احمد خاں	اردو شاعری پر ہندی شاعری کا اثر	«	

بہار یونیورسٹی

-	مرزا محمد علی فدوی اور اردو شاعری کی ترقی میں ان کا حصہ	کلیم الدین احمد	ڈگری دیدی گئی
-	میر سوز	قاضی عبد الودود	
-	میر شیر علی افسوس	«	

پٹنہ یونیورسٹی

ڈاکٹر سید اختر اورینوی	بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا	-	ڈگری دیدی گئی
یوسف خورشیدی	اردو ادب میں ہندوستانی تہذیب کا عنصر	کلیم الدین احمد	«
ڈاکٹر ممتاز احمد	راسخ کی مثنویاں	«	«
پروفیسر مطیع الرحمان	راسخ کے دو شاگرد (فرحت اور محسن)	«	
پروفیسر ذکی الحق	میر حسن	ڈاکٹر سید اختر اورینوی	
پروفیسر نواب کریم	بہار میں اردو مرثیہ نگاری	«	
ضیاء الرحمان	اردو افسانوں میں کردار نگاری	«	
پروفیسر ایس. ایم. صدر الدین	آیت اللہ جوہری پھلواروی	«	

دہلی یونیورسٹی

گوپی چند نارنگ	اردو شاعری میں ہندوستانی عناصر	ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی	
حبیب النساء بیگم	میسور میں اردو کا ارتقا	«	تقریباً مکمل
شرافت حسین مرزا	مولانا ابوالکلام آزاد کا اردو ادب میں حصہ	«	«
خلیق انجم	مرزا مظہر جان جاناں	«	
ریم پال اشک	بیسویں صدی میں دہلی کی اردو صحافت	«	
راج نراین راز	اردو میں بچوں کا ادب	«	
کے. ایس. بیدی	اردو اور پنجابی کا لسانیاتی رشتہ	ڈاکٹر سدھیشور ورما	

عثمانیہ یونیورسٹی

سیدہ جعفر	اردو ادب میں انشائیہ کا ارتقا	-
خالدہ بیگم	اورنگ آباد میں اردو ادب	-
ثمینہ بیگم	راجہ چندو لال شاداں، حیات اور شاعری	-
مغنی تبسم	ڈاکٹر جان گل کرائسٹ، ان کی زندگی اور کارنامے	-
رشید موسوی	دکن کے اردو مرثیے سنہ ١٩٥٧ ع کے بعد	-
سید حمید شطاری	اردو میں قرآنی ادب	-
حمید الدین شاہد	اردو مثنوی ولی تک	-
مرزا صفدر علی بیگ	خواجہ بندہ نواز کے اردو رسالے	-

لکھنؤ یونیورسٹی

افضال احمد	چکبست	پروفیسر سید احتشام حسین	
سید حبیب عباس	تنقید جدید کی نظریاتی بنیادیں	»	
مسعود عالم	ڈاکٹر نذیر احمد بحیثیت ناول نگار	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی	
اکبر حیدری	میر انیس کے کلام کی فنی خصوصیات	پروفیسر یوسف حسین موسوی	
سلام سندیلوی	اردو شاعری میں منظر نگاری (ڈی لٹ)	»	
شجاعت علی سندیلوی	حالی بہ حیثیت شاعر	پروفیسر سید احتشام حسین	
عالیہ عسکری	جنگ آزادی میں اردو ادب کا حصہ	»	
غلام احمد فرقت	اردو شاعری میں طنز و مزاح	»	
ڈاکٹر نذیر احمد	کتاب نورس (ڈی لٹ)	»	ڈگری دیدی گئی
نور الحسن ہاشمی	کلیات ولی (»)	»	»
سلام سندیلوی	اردو رباعی کا فنی اور تاریخی ارتقا	»	»

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی	لکھنؤ کا دبستان شاعری	-	ڈگری دیدی گئی
ڈاکٹر نور الحسن	دہلی کا دبستان شاعری	-	»
ڈاکٹر مسعود حسین	تاریخ زبان اردو	-	»
ڈاکٹر آفتاب احمد	شبلی، شخصیت اور تصانیف	-	»

ڈاکٹر محمد عزیز	اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ	-	»
ڈاکٹر سراج الحق	دیوان شاہ حاتم	-	»
ڈاکٹر رضی الدین	نظیر اکبرآبادی	-	»
ڈاکٹر اکبر قریشی	اشارات و تلمیحات اقبال	-	»
ڈاکٹر معین احسن جذبی	حالی کا سیاسی شعور	-	»
ڈاکٹر خورشید الاسلام	غالب	-	»
محمود الہی رحمی	اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ	-	تقریباً مکمل
قاضی عبدالستار	اردو شاعری میں قنوطیت	-	»
جناب قمر رئیس	پریم چند کی ناول نگاری	-	»
خلیل الرحمن اعظمی	ترقی پسند ادب	-	»
میمونہ خاتون	مرزا رسوا	-	»
محمود الحسن	دیوان جرأت (ترتیب)	-	
عزیز اللہ بیگ	دکنی زبان کا ارتقا اور اس کی تاریخی فرہنگ	-	
شہاب جعفری	اردو میں انگریزی الفاظ	-	
کنول کرشن مالی	اردو ہندی کے عروض کا تقابلی مطالعہ	-	
منی بیگم	شیفتہ شخصیت اور تصانیف	-	
تنویر علی	ذوق	-	

ناگپور یونیورسٹی

اشرف علی خاں	جدید اردو شعرا پر مرزا غالب کا اثر	پروفیسر محمد حمید، جبلپور	ڈگری دیدی گئی
سید رفیع الدین	اردو میں مرثیہ شاعری	ڈاکٹر بی۔ ایم۔ خان	
سید حسن الدین	اردو زبان و ادب کی ترقی میں ہندوؤں کا حصہ	پروفیسر محمد حمید، جبلپور	
قطب النساء	اردو زبان میں سفرنامے	پروفیسر عبدالقادر سروری حیدر آباد	
اے۔ سی۔ شرما	اردو رباعیوں کی تاریخ و تنقید	ڈاکٹر ایس۔ نعیم الدین، ناگپور	
ایم۔ حنیف ایم۔ حسین	اردو میں اخلاقی شاعری	ڈاکٹر ایس۔ رفیع الدین، ناگپور	
منشاء الرحمن	اردو میں خطوط نگاری اور اس کی تاریخی و ادبی اہمیت	»	

ایچ. کے. اثر	اردو شاعری اور تصوف	„

وکرم یونیورسٹی، اجین

ابراہیم یوسف	اردو میں بچوں کا ادب	ڈاکٹر گیان چند
عمران انصاری	اردو کے علمی و تصنیفی ادارے	„
بلقیس فاطمہ	اردو نثر میں رومانوی تحریک	„
شفیقہ راحت	اردو شاعری میں عورت کی پیش کشی	„
آفاق احمد	مہدی افادی	„

اتکل یونیورسٹی، کٹک

کوئی نہیں

گجرات یونیورسٹی، احمدآباد

کوئی نہیں

یونیورسٹی آف ساگر

کوئی نہیں

بنارس ہندو یونیورسٹی

کوئی نہیں

(۲) پاکستان میں

پنجاب یونیورسٹی

امیربٹ	اردو ادب میں پنجاب کا حصہ.	ڈاکٹر سید عبداللہ
غلام حسین	اردو ادب میں سیاسی و عمرانی میلانات	„
مہر عبدالحق	ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق	„
ا. د. سیم	اردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عصر	„
خاور درانی	بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد	„
محمد موسیٰ خان کلیم	غالب، ایک جائزہ،	„
صفیہ عبدالحق	مصطفےٰ خان شیفتہ اور ان کے معاصرین	„
محمد اختر ایبگ	آتش اور ان کا عہد	„

محمد اسلم	ڈراما نگاری کا فن اور اردو ڈرامہ	پروفیسر سید وقار عظیم
ناظر حسن زیدی	مومن خان مومن دہلوی	«
کلثوم سلطانہ	نذیر احمد دہلوی	«
آمنہ عنایت	سرشار	«
عبداللہ خان	پریم چند	-
آمنہ میانی	اردو نثر کا لکھنوی دبستان	-
زبیدہ قریشی	میر اور ان کا کلام	-
ارشاد احمد ارشد	اردو میں شخصی، اور مذہبی مرثیہ نگاری،	-
	(تاریخ و تنقید)	-
مرید حسین شیخ	اردو نظم نگاری کی تاریخ اور ارتقا	-

ڈھاکہ یونیورسٹی

عبدالحق	فارسی شاعری کا اثر اردو شاعری پر (۱۸۵۷ تک)	ڈاکٹر عندلیب شادانی
پروفیسر معز الدین	قائم چاند پوری	«
بشیر احمد علوی	جعفر علی حسرت	«
صلاح الدین احمد	اردو شاعری کے رجحانات پہلی جنگ عظیم کے بعد	«
خان رشید اللہ	اردو شاعری کا تاریخی اور سیاسی پس منظر	ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان

سندھ یونیورسٹی

کریم الدین احمد	امیر مینائی اور ان کے تلامذہ	-
رفعت علی خان	اقبال کا ذہنی ارتقا	-
مظہر حسین کاظمی	اردو صحافت کا ارتقا	-
معین الدین احمد	اردو کا مکاتیبی ادب	-
شمشاد علی خان	اردو ادب میں دہلی کی معاشرت	-
سید باقر رضا	اردو ادب میں لکھنو کی معاشرت	-

ضمیمہ

مقالہ نُما

مرتبین

عالی جعفری   عبد القوی دسنوی   حامد اللہ ندوی

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱ ادارہ :

ازواج النبی

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۸ء اپریل ۳۳-۳۹)

آنحضرت کی کثرت ازدواج کا مقصد کیا تھا-اس کی تفصیل مختلف بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں -

۲ اصلاحی عبدالمجید :

اسلام میں عائلی نظام کی روحانی بنیادیں

(فاران کراچی ۵۸ء جون ۹-۱۵)

یہ شیخ مصطفےٰ احمد زرقا کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ہے - اس میں توحید و رسالت اور عبادت و اخلاص کی اہمیت بیان کرنے کے بعد، رفیقۂ حیات کے انتخاب، ازدواجی زندگی، اولاد کی پرورش و پرداخت اور طلاق کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے -

۳ بٹ عبدالمجید :

معارف القرآن کے بھیس میں اشتراکیت (۳)

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء مئی ۱۴-۱۸)

یہ مضمون کی تیسری قسط ہے - اس میں معارف القرآن کے بعض بیانات کی مدد سے ثابت کیا گیا ہے کہ پرویز صاحب قرآن کی آڑ میں اشتراکیت کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں-

۴ حمید اللہ محمد :

فقہ کی تشکیل اور آغاز کا معمہ

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء اپریل ۲۴۵-۲۶۱)

۲- فقہ کی تشکیل اور اس کے آغاز کے بیان کی یہ دوسری قسط ہے -

۵ ڈار بشیر احمد :

ہندو مت، بھگتی اور مسلمان

(ثقافت لاہور ۵۸ء اپریل ۳۴-۴۱)

۲- یہ مقالہ کی دوسری قسط ہے اسمیں اس دور پر روشنی ڈالی گئی ہے جب مذہبی رہنمائی شمال سے ہٹ کر جنوب میں پہنچ گئی تھی اور اسلامی اثرات کے تحت ہندو مصلحین اپنے افکار کو نئے سانچوں میں ڈھال کر ہندو مت کو زندہ رکھنے کی جدوجہد کر رہے تھے -

۶ زرقا مصطفےٰ احمد :

اسلام میں مقام اجتہاد اور قانون سازی

(ترجمان القرآن ۵۸ء مارچ ۳۲۹-۳۴۲)

یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ کی ایک نشست میں ۳ جنوری سنہ ۱۹۵۸ء کو پڑھا گیا تھا، جس کا ترجمہ عربی سے یہاں درج ہے - اس میں مقام اجتہاد اور اس کے دائرۂ قانون سازی سے گفتگو کی گئی ہے -

۷ شنم سبحانی :

توازن و اعتدال

(تذکرہ کراچی ۵۸ء مئی ۱۵-۲۳)

اس وسیع کائنات کے ذرے ذرے میں توازن و اعتدال قائم کرنے والی ہستی خدا کی ذات ہے۔ اور وہی انسانی زندگی کو متوازن بنانے کی بھی ذمہ دار، اور یہ ذمہ داری دین اسلام کی صورت میں پوری کی گئی ہے۔

۸ صدیقی حمید اللہ:

قطبین میں روزہ کے اوقات کا تعین

(ترجمان القرآن لاہور ۵۸ء اپریل ۵۴۔۵۹)

قطبین میں روزہ کے اوقات کے تعین کے سلسلے میں ضروری گذارشات کے علاوہ اوقات کا ایک گوشوارہ دیا ہے جس سے متعدد مسلمان ممالک کے علماء اتفاق کر چکے ہیں (ترجمہ از اسلامک ریویو، لندن)۔

۹ صدیقی رضی الدین۔

اسلام اور سائنس

(ترجمان القرآن لاہور ۵۸ء مارچ ۴۴۳۔۳۵۶)

انگریزی کا یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی مجلس مذاکرہ میں ۴ جنوری ۱۹۵۸ء کو پڑھا گیا تھا۔ اس میں اُس طرز فکر کا جائزہ لیا گیا ہے جو اسلام نے سائنس اور دوسرے علوم کے متعلق اختیار کیا ہے۔

۱۰ صدیقی عبدالحمید:

مغربی تحریک اصلاحِ مذہب کا اخلاقی پس منظر

(ترجمان القرآن ۵۸ء اپریل ۳۴۔۴۲، ۶۱)

یہ مضمون اگرچہ «عقلیت پرستوں کی خامِ خیالیاں» کی ہی دوسری کڑی ہے۔ لیکن اسکی حیثیت ایک الگ باب کی ہے۔ اس کا بھی بیشتر حصہ «عقلیت کے خلاف بغاوت» از آرنلڈ لون سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ تحریک اصلاح مذہب، جسے لوگ غلطی سے عقلی تحریک سمجھتے ہیں، دراصل ایک ایسی تحریک تھی، جس کا منشاء اصلاح و تجدید مذہب نہ تھا جو مسیحیت نے دنیائے مغرب پر عائد کر رکھی تھی۔

۱۱ صفدر علی چودھری:

اسلامی بین الاقوامی مذاکرہ کا آنکھوں دیکھا حال

(فاران کراچی ۵۸ء مئی ۲۵۔۳۵)

کراچی کے اسلامی بین الاقوامی مذاکرہ کا آنکھوں دیکھا حال، اور اس میں حصہ لینے والے بزرگوں کا مختصر سا تعارف۔

۱۲ عثمانی ظفر احمد:

خطیب بغدادی اور منکرین حدیث (۲)

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء مئی ۳۴۔۳۹)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امام اعظم نے تدوین فقہ میں حدیثوں سے بہت کم مدد لی ہے۔ امام اعظم نے ترتیب احادیث کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی روشنی میں مضمون نگار نے اس خیال کو افترا قرار دیا ہے۔

۱۳ غلام علی:

کیا مسلکِ حنفی میں بعض نشہ آور اشیاء حلال ہیں؟

و

قضائے قاضی کا ظاہری و باطنی نفاذ

(ترجمان القرآن لاہور ۵۸ء مارچ ۳۶۶-۳۶۸ و ۳۶۹-۳۷۳)

فقہ اور حدیث کی روشنی میں مندرجہ بالا امور پر سوال و جواب کی صورت میں گفتگو کی گئی ہے۔

۱۴ غلام مرتضیٰ:

چوتھی صدی ہجری میں عالم اسلامی کی مذہبی حالت

(ثقافت لاہور ۵۸ء مئی ۵۵-۶۴)

۳۔ یہ مقالہ کی تیسری قسط ہے۔ اس میں اقالیم رحاب، جبال، خورستان، فارس، کرمان اور سندھ کی مذہبی حالت، سیاسی کیفیت اور دینی تحریکات کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۵ غوری شبیر احمد

علم کلام کا آغاز و ارتقاء

(ثقافت لاہور ۵۸ء اپریل ۵۵-۶۸)

۲۔ اس قسط میں ایران میں علم کلام کی سرگزشت بیان کی ہے۔

۱۶ غوری شبیر احمد:

علم کلام کا آغاز و ارتقاء ۔عہد آخر، روم

(ثقافت لاہور ۵۸ء جون ۴۷-۶۱)

۳۔ اس قسط میں ترکی کے پیش کردہ علم کلام سے بحث کی گئی ہے۔

۱۷ فاروقی عبدالحی:

تفسیر سورۂ فاتحہ

(ترجمان القرآن لاہور ۵۸ء مئی، جون)

نزول قرآن اور سورتوں کی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ کی تفسیر ضروری معلومات کے ساتھ، بیان کی ہے۔

۱۸ قمرالدین خان:

مسئلہ خلق قرآن اور اس کی تاریخ

(اقبال لاہور ۵۸ء اپریل ۱-۲۵)

مقالہ میں مسئلۂ خلق قرآن پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے اسباب پیدائش اور پھر اس کے موید و مخالف لوگوں کے طریقے اور اس کے نتائج سے بحث کی ہے۔

۱۹ ماہر القادری:

نقش اول

(فاران کراچی ۵۸ء مئی ۲-۱۶)

رسالہ الفرقان میں مولانا منظور نعمانی کی طرف سے مولانا مودودی پر عائد کئے ہوئے بعض الزامات کے جوابات۔

۲۰ مبارز الدین رفعت۔

اسلامی فلسفہ اور دینیات کا اثر یورپی فلسفہ اور دینیات پر

(معارف اعظم گڈھ ۵۷ء مئی، جون)

«لگیسی آف اسلام» کے باب «فلاسفی اینڈ تھیالوجی» کا ترجمہ۔ دو قسطوں میں۔

۲۱ محمد ابو زہرہ:

اجتہاد اور فقہ اسلامی

(ثقافت لاہور ۵۸ء اپریل ۴۲-۴۸)

اجتہاد کی ضرورت و اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اجتہاد کے طریقوں کو بھی

واضح کیا ہے۔
٢٢ انظر شاہ:

رفاہ عام (٢-٣-٤)

(برہان دہلی ٥٨ء اپریل، مئی، جون)
دور اسلامی میں رفاہ عام کے جو کام ہوئے ہیں ان کا تذکرہ۔

٢٣ مفتاحی طفیرالدین:

اسلام کا نظام امن وامان

(برہان دہلی ٥٨ء مئی، حون)
١۔ تعلیمات اسلام کی روشنی میں اس کے نظام امن و امان کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

٢٤ مفتاحی طفیر الدین:

انسان کا مقام اسلام میں

(عارف لاہور ٥٨ء مئی)
یہ بتانے کے بعد کہ دنیا کا سارا فساد انسانوں کا اپنا پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآنی آیات کی مدد سے انسان کے صحیح منصب کو واضح کیا گیا ہے۔

٢٥ ملا واحدی:

سرورِ کائنات کا دربار

(فیض الاسلام راولپنڈی ٥٨ء جون ٣٣-٣٦)
مسجد نبوی میں مٹی کی ایک چھوٹی سی چبوتری پر بیٹھ کر آنحضرت صلعم نے وقتاً فوقتاً صحابۂ کرام کے ساتھ جو کچھ گفتگو فرمائی ہے اس کی تفصیلات۔

٢٦ مودودی ابوالاعلیٰ:

نظام اسلامی میں نزاعی امور کے فیصلہ کا صحیح طریقہ

(ترجمان القرآن لاہور ٥٨ء اپریل ٤٣-٥٤)
مدلل طور پر دکھایا ہے کہ نظام اسلامی میں نزاعی امور کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی روشنی ہی میں کرنا چاہئے کہ یہی صحیح طریقہ ہے۔

٢٧ مہرغلام رسول:

مسلمان اور اسلامی سیرت

(عارف لاہور ٥٨ء اپریل ٢٥-٢٧)
دین اسلام کا بنیادی مقصد سیرت سازی ہے۔ اس کی وضاحت کرنے کے بعد بتایا ہے کہ مصیبت زدہ دنیا کے لئے یہ دین ایک راہ نجات ہے۔

٢٨ ندوی ابوظفر:

جوگ بشسٹ

(برہان دہلی ٥٨ء اپریل ٢١١-٢٢١)
٢۔ مشہور کتاب جوگ بششٹ کے مفاہیم و دیگر متعلقات کے بیان کی یہ دوسری اور آخری قسط ہے۔

٢٩ ندوی فضل قدیر:

مفسدہ سنہ ٤٧ کا ایک خونیں باب

(فیض الاسلام راولپنڈی ٥٨ء مئی ٣٣-٤٠)
سنہ ١٩٤٧ کے خونیں ہنگاموں کا ذکر اور اس میں شہید ہونے والے مولوی مرزا محمد نذیر عرشی اور ان کے خاندان کی المناک تفصیلات۔

٣٠ ندوی محمد حنیف:

دائرۂ اجتہاد کی وسعتیں

(ثقافت لاہور ۵۸ء جون ۶۲-۶۶)
مدلل طور پر دکھایا ہے کہ موجودہ دور میں دائرہ اجتہاد وسعت چاہتا ہے۔

۳۱ نعمانی محمد منظور:

قرآنی دعوت

(الفرقان لکھنؤ ۵۸ء مئی، جون)

یہ مسلسل مضمون کی دو قسطیں ہیں۔ ان میں اخلاق حسنہ کے تین جز صبر و شکر، سچائی و راست باری اور ایفاے عہد کی اہمیت قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

۳۲ نعمانی محمد منظور:

دین کی خدمت و نصرت

(الفرقان لکھنؤ ۵۸ء جون ۲۶-۳۵)

مولانا نعمانی کی ایک زیر طبع تصنیف «اسلام کی حقیقت» کا ایک باب۔ اس میں دین کی نصرت کے مختلف طریقوں پر قرآنی آیات کی مدد سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۳ ادارہ:

شاہ ولی اللہ

(نگار لکھنؤ ۵۸ء مئی ۷-۱۶)

ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ (انگریزی) سے اقتباس لیکر اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ اس میں سترھویں صدی کے اس مذہبی، اخلاقی و سیاسی مجاہد کے حالات اور حملہ مساعی ان کے پس منظر اور نتائج کی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

۳۴ ثریا سلیم:

ملا عبدالرحمٰن جامی

(تذکرہ کراچی ۵۸ء جون ۱۶-۱۹)

جامی کے حالات زندگی اور ان کی تصانیف کا تعارف۔

۳۵ جائسی کبیر احمد:

دارالمصنفین کے بہاری رفقا (۴)

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء مئی ۴۲-۴۵)

یہ مضمون کی چوتھی قسط ہے۔ اس میں دارالمصنفین کے سابق رفیق اور اسی ٹیوٹ کے موجودہ ڈائرکٹر سید نجیب اشرف ندوی کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں۔

۳۶ حسن الاعظمی:

امیر عبدالکریم مراکشی

(العلم کراچی ۵۸ء جون ۱۰۰-۱۰۷)

شمالی افریقہ کے مشہور لیڈر امیر عبدالکریم مراکشی کے مختصر حالات اور کارنامے بیان کئے ہیں۔

۳۷ خلیل نقی محمد خاں:

عمر رفتـــہ

(ساقی کراچی ۵۸ء سالنامہ ۵-۲۰۶)

محکمۂ پولیس (بھارت) کے افسر نقی محمد خاں نے جو جورجہ (یو پی) کے پٹھانوں

میں خلیل قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اپنی سوانح عمری "عمر رفتہ" کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں انکی زندگی کے حالات کے علاوہ ایک صدی کی ثقافتی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔

٣٨ سالم محمد ڈاکٹر:

امیر نجم الدین حسن سجزی

(اورینٹل کالج میگزین ٥٨ء فروری، مئی)

بدایوں کے ایک صوفی منش شاعر امیر نجم الدین کے حالات زندگی۔ (پیدائش ٦٥٢ھ وفات ٧٣٧ھ)

٣٩ ضیاء الدین اصلاحی۔

علامہ ابن عساکر

(معارف اعظم گڈھ ٥٨ء مئی ٣٥٩-٣٧٤)

تذکرہ و تراجم کی مدد سے مشہور عالم علامہ ابن عساکر کے حالات بیان کئے ہیں۔ علامہ اپنے علم و فضل اور مذہبی تقشف کے ساتھ ساتھ تصنیفی و تالیفی کاموں کے لئے خاص شہرت رکھتے ہیں۔

٤٠ عرش ملسیانی۔

امام انسانیت

(آجکل دہلی ٥٨ء اپریل ٤-٥)

مولانا ابوالکلام آزاد کی خصوصیات اور اوصاف کا مجمل تذکرہ ملتا ہے۔

٤١ عرش ملسیانی:

ہری چند اختر

(آجکل دہلی ٥٨ء مئی ٣-٨)

پنڈت ہری چند اختر کی زندگی، شخصیت، شاعری اور علمیت کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے۔ پنڈت جی نے پہلی جنوری ١٩٥٨ء کو انتقال کیا۔

٤٢ عزام عبدالوہاب:

ترجمہ اخلاق احمد

حضرت عمر بیت المقدس میں

(ثقافت لاہور ٥٨ء اپریل ٣٠-٣٣)

حضرت عمر کے بیت المقدس میں داخل ہونے کے تاریخی واقعہ کو بلیغ اور فکر انگیز طریقہ پر پیش کیا ہے۔ (عربی سے ترجمہ)۔

٤٣ فاروقی خواجہ احمد:

آہ! ابوالکلام۔ایک تأثر

(برہان دہلی ٥٨ء اپریل ٢٤٧-٢٥٠)

مولانا ابوالکلام کی وفات پر مقالہ نگار کے تأثرات درج ہیں۔

٤٤ قادری فقیر بادشاہ:

ڈاکٹر عبد الحق

(آجکل دہلی ٥٨ء مئی ٢٩-٣٣)

جنوبی ہندوستان کی مشہور علمی و ادبی شخصیت ڈاکٹر عبدالحق کی زندگی کے واقعات اور ان کے کارناموں پر تبصرہ پیش کیا ہے۔

٤٥ قاضی اطہر:

ساتویں صدی تک کے رجال السند و الہند

(معارف اعظم گڈھ ٥٨ء اپریل ٣٠١-٣٠٨)

٤۔ مقالہ کی چوتھی قسط ہے جو امرائے ملتان کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ (جاری)

٤٦ ماہرالقادری:

یادرفتگاں۔سردار عبدالرب نشتر مرحوم

(واران کراچی ۵۸ء مئی ۳۶۔۳۹)
نشتر مرحوم کے متعلق ماہر کے تاثرات

۴۷ ماہرالقادری:

یادرفتگاں۔افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق مرحوم

(واران کراچی ۵۸ء جون ۱۹۔۲۱)
صوبۂ مدراس کی مشہور علمی ہستی ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کے اخلاق و عادات سے متعلق ماہر کے تاثرات۔

۴۸ یحیی الیاس احمد۔

ملا واحدی دہلوی

(ساقی کراچی ۵۸ء مئی ۳۹۔۴۶)
مشہور انشا پردار الیاس احمد یحیی مرحوم دلی کی مشہور ہستیوں سے متعلق ایک کتاب «دلی جو ایک شہر تھا۔۔۔» کے نام سے لکھنے والے تھے، مگر اس کی تکمیل سے قبل وفات پاگئے۔ موجودہ مقالہ اسی سے ماخوذ ہے۔ اُس میں سید محمد ارتضیٰ المشہور بہ ملا واحدی کے گونا گوں اوصاف حمیدہ دکھائے اور ان کی تصنیفی و صحافتی زندگی کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۹ محمد ایوب کیپٹن ڈاکٹر:

مرحوم زاہد حسین

(العلم کراچی ۵۸ء اپریل تا جون ۹۔۱۲)
اسٹیٹ بینک، پاکستان کے گورنر زاہد حسین کے مختصر سوانحی حالات پیش کیے ہیں (۱۸۹۴ء تا ۱۹۵۷ء)۔

۵۰ محمد جعفر شاہ:

رسولِ کریم کی معاشی زندگی

(ثقافت لاہور ۵۸ء اپریل ۶۹۔۷۲)
رسولِ اکرم کی معاشی زندگی کا نقشہ پیش کرکے بتلایا ہے کہ جو ہستی بڑے بڑے فرمانرواؤں سے زیادہ محترم و مقتدر تھی اس نے اور اس کے گھر والوں نے جو کی روٹی تک مسلسل دو دن پیٹ بھر کر نہیں کھائی، موٹے پیوند دار کپڑے پہنے اور تنگ حجروں میں زندگی گذاردی۔

۵۱ ندوی طیب عثمانی:

حضرت شاہ محمد قاسم فردوسی

(تذکرہ کراچی ۵۸ء اپریل ۱۵۔۱۸)
ضلع گیا (بہار) کی ایک چھوٹی سی بستی «سملہ» کے ایک بزرگ شاہ محمد قاسم فردوسی کی دینی اور علمی خدمات کا تذکرہ۔

۵۲ نسیم، الف، ہ:

خواجہ میر درد کا خاندان

(اورینٹل کالج میگزین ۵۸ء فروری ومئی ۱۲۵۔۱۹۸)
مختلف تذکروں کی مدد سے خواجہ میر درد اور ان کے آباء و اجداد کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں۔

۵۳ ہاشمی نصیرالدین۔

زندگی کی گرانباریاں

(العلم کراچی ۵۸ء اپریل تا جون ۱۸۔۲۷)
مشہور محقق نصیرالدین ہاشمی کی خود نوشت سوانح عمری (نامکمل) کا پہلا باب درج ہے۔ اس میں ان کے خاندان کے

ابتدائی حالات اور ان کے خاندان کی خصوصیات درج ہیں۔

تاریخ و سیاسیات

۵۴ برکات احمد: (مترجم)

غدر کی کہانی

(العلم کراچی ۵۸ء اپریل تا جون ۸۲-۹۹)

مضمون کی یہ دوسری قسط ہے جو ۷ تا ۱۱ کے ذیلی حصوں پر مشتمل ہے اور غالباً انگریزی سے ترجمہ ہے۔

۵۵ بیدار عابد رضا (مترجم)

مصری انقلاب کی کہانی

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء مئی ۷-۱۱)

۱۹۵۲ء کے انقلاب مصر سے متعلق انوار السادات کی ایک کتاب «النیل» کا خلاصہ۔

۵۶ جعفری رئیس احمد۔

اودھ کی جنگِ آزادی

(ثقافت لاہور ۵۸ء جون ۲۷-۳۷)

قیصر التواریخ جلد دوم (از سید کمال الدین حیدر حسنی الحسینی المشہدی معروف بہ سید میرانی) سے چند واقعات متعلقہ اودھ کی جنگ آزادی انتخاب کر کے بقید صفحہ درج کئے ہیں۔

۵۷ مارٹن۔ آر، ایم

چشتی یوسف سلیم: (مترجم)

داستان تسخیر دہلی

(العلم کراچی ۵۸ء اپریل تا جون ۲۸-۳۲)

تاریخ ہند مصنفہ آر۔ایم۔مارٹن سے تسخیر دہلی کے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔

۵۸ حبیب احمد:

اسلامی انقلاب کا اثر جاہلی معاشرے پر

(ترجمان القرآن لاہور ۵۸ء مارچ ۳۵۷-۳۶۵)

عرب کے جاہلی معاشرے کی نوعیت و کیفیت بیان کرتے ہوئے ان اثرات کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اس کی تہذیب و تحسین کر کے اسے بلند کردیا۔ ان کی یہ انقلابی کیفیت اسلام کی رہین منت ہے۔

۵۹ سندر لال:

میری سیاسی زندگی کے پچاس برس

(ہندستانی ادب حیدر آباد ۵۸ء اپریل ۲۳-۲۷)

جنگ آزادی کے بعض جانثار سپاہی، ستیش، نیتاسد چڑجی، حسرت موہانی اور صوفی اما پرشاد وغیرہ کی داستان جہاد۔

۶۰ غلام سرور۔

ایرانی ذہن تاریخ کے آئینے میں

(العلم کراچی ۵۸ء اپریل تا جون ۳۳-۴۱)

ایران کے تاریخی ادوار کی روشنی میں ایرانی ذہن کی خصوصیات اور اس کی تبدیلیوں کا تذکرہ کیا اور جائزہ لیا ہے۔

۶۱ محمد کرد علی:

سیاست فاروقی

(ترجمان القرآن لاہور ۵۸ء مئی ۹۳۔)

یہ مقالہ شام کے مشہور عالم و مورخ اور صاحب طرز ادیب محمد کرد علی (۱۸۷۶ء تا ۱۹۵۳ء) کی مشہور کتاب الاسلام و الحضارة العربیه (دو جلدیں) سے لیا گیا ہے. اس میں حضرت عمر کے خلیفہ ہونے سے لیکر حضرت عثمان کی خلافت تک کے حالات و واقعات کا ایک جائزہ پیش کیا ہے جس سے فاروقی سیاست پر روشنی پڑتی ہے.

۶۲ مودودی ابوالاعلیٰ.

طریق انتخاب کے مسئلے میں ریفرنڈم کی تجویز پر اعتراضات و کیا اسلام کے سب اصول بے لچک ہیں

(ترحمان القرآن لاہور ۵۸ء مئی ۱۰۶۔۱۱۳ و ۱۱۳۔۱۲۸)

مذہب کی روشنی میں مندرجۂ بالا امور سے گفتگو کی ہے.

۶۳ مجلس ترتیب منشور :

جماعت اسلامی اور اس کے انتخابی مقاصد

(ترحمان القرآن لاہور ۵۸ء جون ۱۴۵۔۱۷۷)

جماعت اسلامی اور اس کے انتخابی مقاصد کی تشریح پیش کی گئی ہے.

۶۴ نیاز فتحپوری :

مولانا ابو الکلام آزاد

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۸ء جون)

مولانا ابوالکلام آزاد کی ابتدائی زندگی سے لے کر ان کی وفات تک مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ سیاست میں ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے ان کی تحریریں مجتہدانہ فکر کی عکاسی کرتی ہیں اور وہ غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے .

تنقید، ادب، لسانیات

۶۵ آصفی عبدالعلی ،

مولانا شبلی کا ایک جلیل القدر شاگرد

(فاران کراچی ۵۸ء اپریل ۲۵۔۴۴)

مولانا اقبال سہیل کے حالات زندگی اور ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا تذکرہ.

۶۶ ادارہ :

فہارس اوریئنٹل کالج میگزین

(اوریئنٹل کالج میگزین ۵۸ء فروری و مئی ۱۹۹۔۲۲۳)

سنہ ۱۹۴۲ء سے سنہ ۱۹۵۷ء تک اوریئنٹل کالج میگزین لاہور میں چھپے ہوئے مضامین کی فہرست۔ سنہ ۱۹۴۲ء سے پہلے کے مضامین کی فہرست مذکورہ پرچہ کے شمارہ مئی ۱۹۴۲ء میں چھپ چکی ہے .

۶۷ ادارہ :

مستشرقات اور علماء مغرب

(نگار لکھنؤ ۵۸، اپریل ۴۱-۴۴)

مشرقیات سے علماء کی دلچسپی اور شغف کا مختصر تذکرہ درج ہے۔

۶۸ احتشام حسین:

سر شار کا لکھنؤ

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۸، اپریل)

بتایا گیا ہے کہ فسانہ آزاد پلاٹ اور قصہ کے لحاظ سے ڈھیلا ڈھالا سہی لیکن اس میں لکھنؤ کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرنے میں سر شار نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔

۶۹ اختر امام:

برید فرنگ

(معارف اعظم گڈھ ۵۸، مئی ۳۹-۳۹۴)

صباح الدین (رفیق ادارہ) کے نام اختر امام کا ۸ فروری ۵۸ع کو برسلز سے لکھا ہوا خط ہے جس میں اختر امام کی مصروفیات کے تذکرہ کے ساتھ حافظ کی اہمیت کا بیان بھی ملتا ہے۔

۷۰ ارشد رشید احمد:

جدید عربی شاعری کے علم بردار

(برہان دہلی ۵۸، جون ۳۴۱-۳۵۶)

۱- ضروری پس منظر کے تذکرہ کے بعد اسماعیل صبری کی شاعری اور اس کے عہد تک کے دوسرے علم برداران شاعری جدید (عربی) کو بیان کیا ہے جسکی یہ پہلی قسط ہے۔ (جاری)

۷۱ اصغر علی:

مثنوی ابر گوہر بار

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۸، فروری، مئی ۷۱-۱۰۶)

غالب کی فارسی مثنوی ابر گوہر بار کا تفصیلی تعارف۔

۷۲ بدر جمالی:

سیماب کی غزل

(شاعر بمبئی ۵۸، خاص نمبر ۳۳-۳۷، ۴۵)

سیماب اکبرآبادی کی غزل کے اوصاف بیان کئے ہیں۔

۷۳ تمکین کاظمی:

رشید وطواط

(اردو ادب علی گڈھ ۵۸، مارچ ۵-۴۱)

امیر امام رشید الدین سعد الملک محمد بن محمد بن عبد الجلیل عمری کاتب معروف بہ خواجہ رشید وطواط کے حالات مع اس کے علم و فضل اور شاعری کے بیان کئے ہیں۔

۷۴ ثروت یاسمین:

لسان العصر

(ماہ نو کراچی ۵۸، اپریل)

اکبر علامہ اقبال کا ہمعصر شاعر ہے اس لئے دونوں کی شاعری میں ایک طرح کے مسائل ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ مغرب پرستی پر طنز کئے اور اپنی تہذیب کو بچانے کی کوشش کی۔ اکبر کی شاعری کے انھیں پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۷۵ جائسی کبیر احمد:

شفیق جونپوری کی شاعری

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۸ء جون)

شفیق جونپوری اُن خیالات کو نظم کرتے ہیں جن سے انسان دل‌آشنا ہوتا ہے. انکی شاعری طرز ادا کی حدت، سوز و گداز اور والہانہ پن کی حامل ہوتی ہے. اشعار کی مثالوں سے مضمون نگار نے اپنے اس خیال کو قوت بخشی ہے.

۷۶ حامد حسین:

شاعر اور شراب

(شاعر بمبئی ۵۸ء خاص نمبر ۳۷-۴۰، ۴۵)

اس مقالہ میں اس شاعری کو موضوع بنایا گیا ہے جس کا بڑا حصہ مصنوعی تحریکات پر مبنی ہے.

۷۷ حسن عباس فطرت:

مکاتیب بعد غالب

(آجکل دہلی ۵۸ء جون ۵۳-۶۰)

خطوط کی ادبی اہمیت دکھانے کے بعد اردو کے خطوط پر مشتمل ادب کا جائزہ لیتے ہوئے غالب کے بعد کے مکاتیب پر تبصرہ کیا ہے.

۷۸ حفیظ قتیل ڈاکٹر:

غزل میں حالی کا اجتہاد

(«صبا» حیدرآباد ۵۸ء نمبر ۳)

حالی نے ہماری غزل گوئی کو نئی راہ دکھلائی. انکی جدید غزل گوئی کا جائزہ لیتے ہوئے محاسن اور معائب بتلائے گئے ہیں.

۷۹ خلیفہ عبدالحکیم:

اقبال کی زندگی

(ثقافت لاہور ۵۸ء مئی ۹-۱۸)

اقبال کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے نظریۂ وطنیت پر مدلل بحث کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اقبال بہت بڑے محب وطن اور آزادیٔ وطن کے پرجوش مجاہد تھے. لیکن مغربی انداز کی وطن پرستی کو بت پرستی سمجھتے تھے اور اسی لئے یہ بت بھی ان کی ضرب و حرب سے نہیں بچ سکا.

۸۰ خلیفہ عبدالحکیم:

رومی کی چند تشبیہات

(ثقافت لاہور ۵۸ء جون ۷-۱۲)

۵- رومی کی چند مزید تشبیہات (از مثنویٔ معنوی) پر روشنی ڈالی ہے.

۸۱ دسنوی محمد شبیرالحق:

شیخ عبدالقادر کا دلچسپ خط

(آجکل دہلی ۵۸ء مئی ۴۷-۴۸)

شیخ عبدالقادر سے متعلقہ ضروری امور بیان کرکے ان کے ایک خط «مطبوعہ اخبار وطن لاہور مورخہ ۱۰ جون ۱۹۰۴ء» کی نقل دی ہے یہ خط پروفیسر شیخ محمد اقبال (علامہ اقبال) کے نام ہے. اس میں شیخ صاحب نے اپنے سفر انگلستان (۱۹۰۴ء) کی کیفیت اور مخزن کی باتیں وغیرہ کی ہیں.

۸۲ راز یزدانی:

نظام کے ناقدین

(آجکل دہلی ۵۸ء مئی ۳۶-۴۰)

۲- مقالہ کی یہ دوسری قسط ہے.

اس میں کلام نظام رامپوری پر نیاز فتحپوری

اور پروفیسر عبد الشکور کی رائے درج کرکے تنقید کی ہے۔

۸۳ رشید حسن خاں:

اغلاط اللغات

(اردو ادب علی گڈھ ۵۸ء مارچ ۴۲-۹۲)

مستند اور متداول لغات میں اغلاط و مسامحات کے علاوہ باہم سخت اختلاف ہیں جن پر لغت کے حوالوں کے ساتھ مقالہ نگار نے روشنی ڈالی ہے۔ مقالہ میں سرمایۂ زبان اردو، نوراللغات، محاورات داغ، غیاث اللغات، اراحتہ الا غلاط، فرہنگ عامرہ، قاموس اور رسالہ عبد الواسع کے اغلاط اور مسامحات درج ہیں۔ (نا تمام)

۸۴ رشید حسن خاں:

غزلیات حالی کا جائزہ

(آجکل دہلی ۵۸ء جون ۴۴-۵۲)

اس مضمون میں غزلیات حالی کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس کی نوعیت یہ ہے کہ حالی کے منتخب اور نمائندہ حصۂ کلام پر تفصیلی نظر ڈالی ہے اور محاسن کلام کو واضح کرکے حیثیت غزل گو کے حالی کے مرتبہ کا تعین کیا ہے۔

۸۵ رضیہ اکبر حسن:

اردو کہانی پر بیرونی اثرات

(نگار لکھنؤ ۵۸ء مئی ۱۷-۲۱)

اردو افسانہ کے ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے بیرونی اثرات کی نوعیت و کیفیت بیان کی ہے۔

۸۶ رفعت نوار:

ایک گدھے کی سر گذشت

(شاہراہ دہلی ۵۸ء جون)

کرشن چندر کے ناول «ایک گدھے کی سرگزشت» کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب اپنی طرز کی انوکھی اور نرالی چیز ہے۔

۸۷ روحی نظام الدین:

اقبال کا نظریۂ فن

(شاعر بمبئی ۵۸ء خاص نمبر ۲۴-۲۷)

اقبال کے کلام سے مدد لیکر ان کے نظریۂ فن سے بحث کی ہے۔

۸۸ ریاض الدین قیصر زبیری:

عشق دم جبرئیل

(ماہ نو کراچی ۵۸ء اپریل)

اقبال کا تصور عشق اُردو فارسی شاعری کے روایتی عشق سے بالکل ہٹ کر ہے۔ اس مضمون میں اقبال کے نظریۂ عشق کو وضاحت کے ساتھ بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۸۹ سالک عبد المجید:

اردو ادب اور فحش نگاری

(عارف لاہور ۵۸ء جون ۲۷-۲۹)

فحش ادب کی قسمیں بیان کرنے کے بعد اس کے تدارک کے طریقہ پر روشنی ڈالی ہے۔

۹۰ سیتا دیوی مترجمہ: قیصر خیر:

آسامی ڈرامہ

(شاعر بمبئی ۵۸ء مئی ۱۹-۲۲)

آسام میں ڈرامے کی نوعیت و کیفیت

مع اس کے ارتقاء کے بیان کیا ہے۔

۹۱ سجاد ظہیر:

آج کا اردو ڈرامہ

(شاہراہ دہلی ۵۸ء جون)

یہ ایک مختصر سا مضمون ہے جس میں اُردو ڈرامہ کی مختصر تاریخ بتاتے ہوئے آج کے ایک ایکٹ کے ڈراموں پر سرسری روشنی ڈالی گئی ہے۔

۹۲ سحر جمال سہارنپوری:

پنڈت دیا شنکر نسیم بحیثیت غزل گو

(فروغ اُردو لکھنؤ ۵۸ء مئی)

غزل گوئی میں رند، صبا، خواجہ وزیر کے ہم پلہ ہیں انکی غزل گوئی لکھنویت سے پاک ہے تناسب لفظی، اختصار، پختگی کلام، چستی بندش، شوکت الفاظ، پاکیزگی زبان انکے کلام کے جوہر ہیں۔

۹۳ سخاوت مرزا محمد:

«ہاشمی بیجاپوری» ریختی گو

(اُردو ادب علی گڈھ ۵۸ء مارچ ۱۲۰-۱۵۹)

سید میراں نام اور ہاشمی تخلص ہے اور وطن برہان پور. مگر مشہور بیجاپوری ہے۔ ہاشمی بیجاپوری، مادر زاد اندھا اور امی تھا. مگر شعر و شاعری میں قدرت رکھتا تھا. مثنوی یوسف زلیخا کا یہ مشہور شاعر قصیدہ و غزل کے علاوہ ریختی کا بھی عظیم شاعر اور موجد تھا. اگرچہ مہدوی تھا مگر بڑا وسیع المشرب تھا. یہ ہاشم علوی گجراتی کا مرید نہیں تھا. اپنی متعدد کتابوں میں اس نے اپنے حالات اور زمانہ کی عکاسی کی ہے۔ ۱۱۰۹ھ میں وفات پائی۔

۹۴ سعید احمد اکبرآبادی:

حول مخطوط من دیوان شعر الباخرزی

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۸ء فروری، مئی ۱۰۷-۱۱۷)

عہد سلجوقی کے ایک فارسی و عربی ادیب باخرزی کی ادبی نگارشات کا تذکرہ اور اس کے عربی دیوان کے ایک قلمی نسخہ کا تعارف جو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں محفوظ ہے۔

۹۵ سعیدی:

قائم چاند پوری (۱-۲)

(نگار لکھنؤ ۵۸ء مئی، جون)

شیخ محمد قیام الدین قائم چاندپوری کے حالات زندگی، انکی شاعری کی خصوصیات، اور انکی تصنیفات پر تبصرہ۔

۹۶ سہیل عظیم آبادی:

اردو کے علمی و ادبی مرکز صوبہ بہار

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۸ء مئی)

دہلی اور لکھنؤ کی طرح عظیم آباد بھی اردو ادب کا بڑا مرکز رہا ہے۔ ابتدا میں یہاں بھی صوفیائے کرام نے اسے پھیلانے میں مدد دی اور مختصراً بتایا گیا ہے کہ اردو کی خدمت کا سلسلہ آج تک یہاں جاری ہے۔

۹۷ سیدہ جعفری:

احتشام حسین کا تنقیدی نظریہ

(صبا حیدر آباد دکن ۵۸ء ۳)

احتشام کی تنقید نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ سائنٹفک مارکسی اور اشتراکی تنقید کے موئد ہیں۔

۹۸ شجاعت علی سندیلوی۔

حسرت موہانی

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۸ء مئی)

حسرت کی تعلیمی، ادبی، سیاسی اور صحافتی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حسرت کی شاعری داخلی شاعری ہے جس میں سوز و گداز، درد و اثر، گرمی عشق، حسن و جمال اور ہجر و وصال کے کرب کی لذت محسوس ہوتی ہے۔

۹۹ شروانی محمد مقتدیٰ۔

علامہ شبلی کا قیام علی گڈھ

(العلم کراچی ۵۸ء اپریل تا جون ۵۵ ـ ٦۸)

شبلی کے ابتدائی حالات اور ان کے تحصیل علم کے تذکرے کے بعد دکھایا ہے کہ قیام علی گڈھ (۱۸۸۲ء تا ۱۸۹۸ء) اور خصوصاً سر سید نے شبلی کو علامہ شبلی کیونکر بنایا اور پھر شبلی نے علی گڈھ کو کیا کچھ دیا۔

۱۰۰ شعیب اعظمی:

غالب اور شاعرانہ تعلی

(آجکل دہلی ۳۸ء مئی ۱۸ـ۲۱)

غالب کی شاعرانہ تعلی صرف مبالغہ نہ تھی بلکہ حقیقت اور واقفیت کا مرقع تھی جس کی تفصیل مقالہ میں درج ہے۔

۱۰۱ شوکت سبزواری:

داستان زبان اردو

(اردو کراچی ۵۸ء اپریل ۱ـ۱٤۰)

اردو زبان کی تحقیق اور تدقیق کے سلسلے میں اردو کے لسانی سرمائے، اردو سے متعلق مختلف نظریئے، وغیرہ کے عنوانات قائم کر کے بہ دلائل اپنے خیالات پیش کئے ہیں۔

۱۰۲ شہزاد منظر:

کچھ موجودہ روسی ادب کے متعلق

(شاعر بمبئی ۵۸ء خاص نمبر ۲۸ـ۳۲)

اس مقالے میں موجودہ روسی ادب کے چند بنیادی اور اہم مسائل سے بحث کی گئی ہے۔

۱۰۳ یشمل، میری، ایں:

منصور حلاج اقبال کی نظر میں

(ماہ نو کراچی ۵۸ء اپریل)

منصور حلاج کے حالات زندگی اور افکار پر سرسری روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اقبال اس کے متعلق کیا خیالات رکھتے تھے۔

۱۰٤ صباح الدین عبدالرحمٰن:

مولانا ابو الکلام آزاد کی یاد میں الہلال کا مطالعہ

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء جون ٤۰۵ـ٤۳۱)

ادب و انشا کی روشنی میں الہلال کا مطالعہ کیا، اس کے مختلف اقتباسات پیش کئے اور ان کے محاسن بیان کئے ہیں۔

۱۰۵ صدیقی ابواللیث:

اردو ناول پر مغربی اثرات

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مئی)

جیسا کہ سرخی سے واضح ہے اردو ناول نگاری مغربی فن سے بے حد متاثر ہوئی مختصراً اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۰۶ صدیقی یوسف حسن:

اردو کے دو چشم و چراغ

(ماہ نو کراچی ۵۸ء جون)

ڈاکٹر تاثیر اور مولانا چراغ حسن حسرت کی ادبی سرگرمیوں اور صلاحیتوں کو بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۰۷ ضیا محی الدین:

ہمارا تھیٹر

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مئی)

اردو تھیٹر کے مختلف ادوار پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس فن نے ڈرامہ کو جنم دیا۔

۱۰۸ ظفر چغتائی:

ثمر کا رنگ تغزل

(شاعر بمبئی ۵۸ء مئی ۱۵-۱۸)

عبدالکریم ثمر کی شاعری کی خوبیاں مثالوں کے ساتھ بیان کی ہیں۔

۱۰۹ عابد علی عابد:

رضوی سجاد (مترجم)

حافظ شیرازی

(ثقافت لاہور ۵۸ء ۱۹-۲۸)

۱- ایک طویل مقالہ کی یہ پہلی قسط ہے۔ مقالہ عابد علی عابد نے انگریزی میں لکھا تھا جس کا اردو ترجمہ سجاد رضوی نے کیا ہے۔ اس قسط میں حافظ شیرازی کی ابتدائی زندگی سے متعلق فرضی قصوں کو غلط ثابت کیا گیا ہے اور حافظ کے سوانح نگاروں پر تنقیدی بحث کر کے ان عوامل کا جائزہ لیا گیا ہے جنھوں نے اس عہد کو متاثر کیا تھا اور جن سے کنارہ کش ہو کر حافظ نے اپنی نئی دنیا آباد کی تھی۔

۱۱۰ عبدالغنی:

میرزا عبدالقادر بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب

(اقبال لاہور ۵۸ء اپریل ۶۱-۸۳)

فارسی کے مشہور ہندوستانی شاعر میرزا بیدل کے حالات، شخصیت اور اسلوب شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۱ عبداللہ ڈاکٹر سید:

مردم دیدہ

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۸ء فروری، مئی)

حاکم لاہوری متوفی ۱۱۹۹ ہجری کے ایک تذکرہ شعراء «مردم دیدہ» کا بقیہ متن۔ یہ تیسری قسط ہے اور اس میں امید، آرزو، حزیں، رائح، درد، فقیر، مظہر، متین، مصحف، معجز، والہ، کا تذکرہ ہے۔

۱۱۲ عبداللہ ڈاکٹر سید:

شاعر کا مجلسی مقام پرانی سوسائٹی میں

(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۸ء جون ۳۲)

پرانے زمانے کے درباری شاعروں کو آجکل کے نقاد معتوب گردانتے ہیں۔ مضمون میں اس پر تنقید کی گئی ہے اور اس دور کے شاعروں کا صحیح منصب واضح کیا گیا ہے۔

۱۱۳ عبدالعلیم نامی ڈاکٹر:

ہندوستانی تھیٹر کا ارتقا

(شاہراہ دہلی ۵۸ء مئی)

ماما صاحب کے مضمون «ہندوستانی تھیٹر کا ارتقا» کی بعض غلط بیانیوں پر تاریخی روشنی ڈالتے ہوئے اسکی تردید کی گئی ہے۔

۱۱۴ عبدالواحد سید:

اقبال اور ملٹن

(ماہ نو کراچی ۵۸ء اپریل)

اقبال اور ملٹن کے فکر و فن میں بیحد مشابہت پائی جاتی ہے انسان اور شر کے متعلق دونوں کے خیالات کو واضح کیا گیا ہے۔

۱۱۵ عرشی امتیاز علی:

قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں

(نوائے ادب بمبئی ۵۸ء اپریل ۲۵-۴۸)

ادارۂ ادبیات اردو، کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد اور جامع مسجد بمبئی میں محفوظ بعض قدیم اخبارات کا تعارف۔ اور ان میں غالب، ذوق اور بہادر شاہ وغیرہ کے متعلق وقتاً فوقتاً جو اہم باتیں چھپیں تھیں ان کی نشاندھی۔

۱۱۶ عرشی کرتپوری:

ڈاکٹر محمد عبدالغفور بسمل

(العلم کراچی ۵۸ء اپریل تا جون ۱۱۷-۱۲۲)

انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۷ء میں انتقال کیا۔ تحریک پاکستان کے سر گرم کارکن تھے۔ قوم و ملت کا درد ان میں بہت تھا۔ شعر و ادب کا ذوق بچپن ہی سے تھا۔ ان کی نظم و نثر معیاری رسالوں میں چھپتی تھی۔ خالد بنگالی، نیاز فتحپوری، تاجور نجیب آبادی وغیرہ سے کافی مراسم تھے۔

۱۱۷ عطا محمد شعلہ:

جعفر علی خاں اثر نقاد کی حیثیت سے

(نگار لکھنؤ ۵۸ء اپریل ۲۳-۳۱)

جعفر علی خاں اثر کے ذہن و مزاج اور اسلوب تنقید کے محاسن و معائب مع اسباب و علل تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

۱۱۸ فاروقی خواجہ احمد:

خطبۂ صدارت یوم رسوا

(برہان دہلی ۵۸ء مئی ۲۰۵-۳۰۹)

یہ جامعہ ملیہ نئی دہلی کی انجمن ترقی پسند مصنفین کے یوم رسوا کا خطبۂ صدارت ہے جس میں رسوا کے فن اور امراؤ جان ادا کی خصوصیات کا تذکرہ مل جاتا ہے۔

۱۱۹ قریشی عبدالقادر:

شاعر حکیمی کی غزل گوئی

(شاعر بمبئی ۵۸ء مئی ۲۳-۲۵)

شاعر حکیمی (متوطن کامٹی) کی غزل کی خوبیاں بیان کی ہیں۔

۱۲۰ کلام حیدری:

منٹو

(شاعر بمبئی ۵۸ء خاص نمبر ۱۳۳-۱۳۸)

منٹو کے پاس زندگی کوئی مربوط

فلسفہ نہیں تھا. اس لئے وہ حقیقت نگاری سے دور رہا. اس کے افسانوں میں زندگی کا کوئی تصور نہیں ابھرتا، وہ کسی خاص فلسفہ کو پیش نہیں کرتا. اس نے اپنا کوئی معیار نہیں بنایا، کوئی زاویۂ نظر مقرر نہیں کیا، جسکے بغیر فنکار عظمت کی سرحدوں میں داخل نہیں ہوتا. منٹو کے پاس بصارت تھی مگر وہ بصیرت پیدا نہیں کر سکا.

۱۲۱ گیان چند ڈاکٹر.

مرزا ہوس کی ایک نادر مثنوی

(نوائے ادب بمبئی ۵۸ء اپریل ۴۹-۵۶)

نواب مرزا محمد تقی خاں کے حالات زندگی، اور ان کی ایک نادر مثنوی کا تعارف جو ناقص حالت میں محوی صدیقی کے کتب خانے میں موجود ہے.

۱۲۲ محمد حسن:

اردو نظم کا ارتقاء

(آجکل دہلی ۵۸ء اپریل ۸-۱۶)

صنف شعر کی حیثیت سے نظم کی خصوصیات دکھاتے ہوئے اردو نظم کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا ہے اور دکھایا ہے کہ ۱۸۷۴ء کے بعد سے اب تک اس نے کس طرح ترقی کی مختلف منزلیں طے کی ہیں اور وسعتیں اختیار کی ہیں. مگر ان کے باوجود اس میں رزمیہ ایسی عظمت اور منظوم المیہ ایسی گہرائی نہیں آئی.

۱۲۳ محمد عظیم:

رشید احمد صدیقی

(نگار لکھنؤ ۵۸ء اپریل ۱۵-۲۲)

رشید احمد صدیقی کی شخصیت، ذہن اور مزاج کے ساتھ ساتھ ان کے فن اور اسلوب کے معائب و محاسن تحریر کئے ہیں.

۱۲۴ محمد یوسف:

حافظ کا مذہب (۱، ۲، ۳)

(معارف اعظم‌گڈھ ۵۸ء اپریل، مئی، جون)

حافظ کے سنی المشرب ہونے کے بارے میں ڈاکٹر نذیر احمد نے معارف فروری میں جو دلائل پیش کئے تھے ان پر تنقید کی ہے.

۱۲۵ محی‌الدین قادری زور سید:

اردو ادب اور سیاست

(شاہراہ دہلی ۵۸ء اپریل)

اردو ادب نے ہر دور میں سیاست میں حصہ لیا ہے وجہی کی قطب مشتری سے لیکر آجتک اردو ادب کے سیاسی لگاؤ کو مختصراً بتانے کی کوشش کی گئی ہے.

۱۲۶ مسعود عالم:

غزل کا مستقبل

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۸ء جون)

غزل میں زندگی کا جاہ و جلال بھی ہے اور جمال بھی. یہ صنف شاعری ابتدا سے مقبول رہی ہے اور باوجود مخالفت کے آج بھی شعرا اسے اپنائے ہوئے ہیں. جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسکا مستقبل روشن ہے.

۱۲۷ مشتاق احمد:

ہماری عشقیہ شاعری

(سویرا لاہور ممبر ۲۴_۲۶_۳۴)

اردو کی عشقیہ شاعری سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے اسکی واقعی کیفیت ظاہر کی ہے۔

۱۲۸ ندوی نجیب اشرف۔

کوکن کے اربعہ عناصر

(نوائے ادب بمبئی ۵۸ء اپریل ۵_۲٤)

کوکن کے چار اردو شاعر قاسم، فقیہ، علی اور یوسف کے حالات زندگی اور ان کے ادبی کارناموں کا تعارف۔

۱۲۹ ندوی عبدالسلام:

قدیم و جدید شعراء اور ان کی شاعری پر ایک مبسوط تبصرہ

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء اپریل ۲۶۲_۲۷٤)

٤۔ مقالہ کی یہ چوتھی قسط ہے۔ اس میں دور جدید کے غزل گو شعراء کی خصوصیات مع اصلاحی کوششوں کے بیان کی ہیں۔ قدیم شعراء کے شعری کارناموں کی اہمیت اور جدید شعراء کے مقابل میں ان کی برتری دکھائی ہے، مگر دور جدید کے شعراء کے ادبی کارناموں کو فراموش نہیں ہونے دیا ہے۔

۱۳۰ نذیر احمد:

ایران کی قدیم زبانوں میں بعض حرفوں اور آوازوں (ث اور ذ) کے متعلق ایک ضروری گزارش

(اردو ادب علی گڑھ ۵۸ء مارچ ۹۳_۱۱۹)

قدیم ایرانی زبانوں میں "ذ" اور "ث" کے حرفوں اور آواروں کا مسئلہ مختلف الرائے رہا ہے۔ مگر اب قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی تحقیقات کی روشنی میں ان کا ایرانی ہونا مسلم ہے۔ اس مقالہ میں اس پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۳۱ نطر انصار اللہ:

ذوق کا نسب و عقیدت

(تذکرہ کراچی ۵۸ء اپریل ۲۱_۲۵)

لالہ سری رام نے خمخانہ جاوید میں ذوق کے حسب نسب پر کچھ شبہ ظاہر کیا ہے۔ اور مولانا آزاد نے آب حیات میں ذوق کے مذہب کا حال تفصیل سے نہیں دیا۔ انہیں دو چیزوں پر مضمون میں تنقید کی گئی ہے۔

۱۳۲ نطر انصار اللہ۔

کلام ذوق میں تاثرات قرآنی

(تذکرہ کراچی ۵۸ء مئی ۳۰_۳۲)

ذوق کے ان اشعار کی نشاندھی، جو بعض قرآنی آیات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

۱۳۳ نطرانصار اللہ:

کلام ذوق میں انفرادی جذبات و محسوسات

(تذکرہ کراچی ۵۸ء جون ۲۱_۲۵)

ذوق پر ایک عام اعتراض یہ ہے کہ ان کے ہاں انفرادی محسوسات کی کمی ہے۔ مضمون نگار نے واقعات اور اشعار کی مدد سے اس اعتراض کو غلط قرار

دیا ہے۔

۱۳۴ نعیم الدین ڈاکٹر :

حضرت شاہ غلام حسین ایلچپوری کی ایک نادر مثنوی

(نوائے ادب بمبئی ۵۸ء اپریل ۵۷-۶۰)

شاہ غلام حسین ایلچپوری کے حالات زندگی اور ان کی ایک نایاب مثنوی یکرنگ نامہ کا تفصیلی تعارف۔

۱۳۵ وحیـــد قریشی :

میں اور حالی

(سویرا لاہور نمبر ۲۴-۹-۱۵)

مقالہ نگار نے اپنے ذہن کی ساخت پرداخت کا تذکرہ کرتے ہوئے حالی کے سلسلے میں اپنے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔

۱۳۶ وقار عظیم :

قصۂ گل صنوبر

(سویرا لاہور نمبر ۲۴-۱۶-۲۵)

قصۂ گل و صنوبر پر تبصرہ پیش کیا ہے ۔

۱۳۷ ولی الرحمٰن شاہ۔

میر کی داستان۔ ذکر میر کی کی روشنی میں

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء مئی، جون)

میر کی خودنوشت سوانح «ذکر میر» کی روشنی میں ان کے حالات بیان کئے ہیں ۔

۱۳۸ ولی اللہ خان :

لالہ رخ

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۸ء فروری، مئی)

سر تھامس مور کی مشہور انگریزی نظم «لالہ رخ» کا تاریخی پس منظر۔

۱۳۹ یونس احمر :

شاعر آتش نوا

(ماہ نو کراچی ۵۸ء مئی)

نذر الاسلام کی شاعری کا آہنگ، اسلوب اور طرز فکر بالکل نیا ہے۔ ان کی شاعری کے انہیں پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے ۔

آرٹ

۱۴۰ ادیب جی. ایل:

لکھنؤ کے ٹھمری گانے والے

(آجکل دہلی ۵۸ء جون ۵-۸)

ٹھمری کے فن سے گفتگو کرتے ہوئے لکھنؤ کے ٹھمری گانے والوں کا مختصراً تذکرہ کیا ہے ۔

۱۴۱ جوشی ڈی، ٹی :

ہلکی موسیقی

(آجکل دہلی ۵۸ء جون ۱۴-۱۵)

ٹھمری، دادرا اور ٹپہ کی کیفیت اختصار کے ساتھ بیان کی ہے ۔

۱۴۲ چغتائی عبدالرحمٰن :

داستان امیر حمزہ کی تصویریں

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۸ء فروری،

مئی ۳۱ـ۶۸)

میرعلی شیرنوائی اور صفوی خاندان نے فنون لطیفہ کو فروغ دینے کے سلسلے میں جو خدمات انجام دیں ان کا ذکر کرنے کے بعد ہمایوں کے زمانہ میں میر علی تبریزی و دیگر ایرانی مصوروں نے ہمایوں کے حکم سے داستان امیر حمزہ کو مصور بنانے کی جو کوشش کی اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے علاوہ خود داستان کی علمی و ادبی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

۱۴۳ چوبے ایس، کے:

ٹھمری ـ گائیکی

(آجکل دہلی ۵۸ء جون ۳۴ـ۳۸)

ٹھمری کے فن اور اس کی خصوصیات بیان کی ہیں۔

۱۴۴ دھرمیندر ناتھ.

دادرا

(آجکل دہلی ۵۸ء جون ۱۶ـ۱۸)

دادرا کے فن اور موضوع سے گفتگو کی ہے۔

۱۴۵ کھیم چند گپتا:

تاج محل کا لیمپ

(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۸ء مئی ۲۵ـ۲۶)

تاج محل کی حفاظت اور وہاں ایک نادر لیمپ کا انتظام کرنے کے سلسلے میں لارڈ کرزن نے جو خدمات انجام دیں اس کا مختصر سا تذکرہ۔

۱۴۶ گنگولی اے، سی:

بنگال میں ہلکی موسیقی کی روایات

(آجکل دہلی ۵۸ء جون ۳۹ـ۴۲)

بنگال میں ہلکی موسیقی کی جو کیفیت رہی ہے اسے بیان کیا ہے۔

۱۴۷ ممتازالدین رفعت:

اسلامی صنائع لطیفہ اور یورپی صنائع پر ان کا اثر

(برہان دہلی ۵۸ء اپریل ۱۹۸ـ۲۱۰)

۳ـ اے ـ ایچ کرسٹی کی کتاب بعنوان بالا کی تیسری قسط ہے۔

۱۴۸ محمد جعفر شاہ:

قرآن میں موسیقی کا ذکر

(ثقافت لاہور ۵۸ء اپریل ۴۹ـ۵۴)

کلام پاک کی دو آیتوں میں موسیقی کے نعمت ہونے کا ذکر موجود ہے۔ انہیں سے متعلق گفتگو پیش کی ہے۔

۱۴۹ میکش عظمت حسین خاں:

قوالی کی اہمیت

(آجکل دہلی ۵۸ء جون ۹ـ۱۳)

قوالی کی نوعیت و اہمیت بیان کی ہے۔

معاشرتی حالات

۱۵۰ صدیقی محمد مظہر الدین:

اسلامی ثقافت

(ثقافت لاہور ۵۸ مئی ۴۴ ـ ۴۷)

اسلامی ثقافت کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی ثقافت کا مزاج عملی اور تجرباتی

ہے اور اسلامی نظام کوئی ایسا کلیت پسند نظام نہیں جو اختلاف رائے کو یکسر ختم کر دے۔

۱۵۱ عابد، عابد علی:

ثقافت کیا ہے

(عارف لاہور ۵۸ جون ۵۳ ۔ ۳۹)

لفظ ثقافت اور کلچر کا مفہوم متعین کرنے کی ایک کوشش۔

۱۵۲ لبیب السعید

اسلام اور طرز معاشرت

(ترجمان القرآن لاہور ۵۸ء اپریل ۲۰ ۔ ۳۳)

مختلف عنوانوں کے تحت دکھایا ہے کہ اسلام نے طرز معاشرت میں اپنے پیروؤں کو کیا تعلیمات دی ہیں۔

اقتصادیات

۱۵۳ ملخص افتخار احمد۔

مسٹر پرویز کے مقالہ پر ایک طائرانہ نظر

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء جون ۳۶۔۵۰)

لاہور کی بین‌الاقوامی مجلس مذاکرہ میں پرویز صاحب نے اسلامی نظام میں معاشیات کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا تھا۔ مضمون میں اسی مقالہ کی بعض غلط تعبیرات پر گرفت کی گئی ہے۔

۱۵۴ پرویز غلام احمد:

اسلامی نظام میں معاشیات

مقام رسالت کراچی ۵۸ء جون ۳۱۔

وہ اصول پیش کئے گئے ہیں۔ جنھیں مضمون‌نگار کے خیال میں اسلامی معاشیات کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔

۱۵۵ عبداللہ العربی ڈاکٹر:

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اقتصادیات

(مقام رسالت کراچی ۵۸ء جون ۱۴ ۔۳۰)

انفرادی ملکیت، فرد کی آزادی، قانون عرض و طلب اور آزاد مقابلہ کی اجارت۔ ان کو بنیاد بنا کر اسلامی اقتصادیات کا مغربی نظام اقتصادیات سے مقابلہ کیا ہے اور پہلے کی برتری ثابت کی ہے۔

۱۵۶ قریشی اشتیاق حسین۔

اسلام میں ملکیت زمین کا مسئلہ

(ثقافت لاہور ۵۸ء اپریل ۹ ۔ ۲۱

زمین اور اس کی ملکیت کے سلسلے میں اسلامی تصریحات بیان کرتے ہوئے ملکیت زمین سے پیدا شدہ برائیوں کا علاج تجویز کیا ہے۔

۱۵۷ محمد عثمان:

اقبال اور معاشی مسائل

(اقبال لاہور ۵۸ء اپریل ۸۴۔۱۰۳)

اقبال کی کتاب علم‌الاقتصاد کے تعارف کے بعد ان کے کلام سے مدد لے کر معاشی مسائل کے سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر دکھایا ہے جو اسلام کی روحانی اور اخلاقی قدروں سے ماخوذ ہے۔

۱۵۸ محمد جعفر شاہ:

ابوذر کے معاشی نظریات

(ثقافت لاہور ۵۸ء مئی ۶۵-۱۹)

تشریح حدیث کے سلسلہ میں چند جلیل القدر صحابہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے حضرت ابو ذرغفاری کے معاشی نظریات کی وضاحت کی ہے جو مسلمانوں کومعاشی ناہمواری کےفتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے آخر دم تک حد و جہد کرتے رہے۔

تعلیمات

۱۵۹ شمیم مظہر حسین:

جمال الدین افغانی کا ایک خطبہ

(نگار لکھنو ۵۸ء جون ۴۳-۴۶)

جمال الدین افغانی کے خطبہ کا اردو ترجمہ درج ہے جس میں تعلیم و تعلم سے متعلق بحث اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

۱۶۰ عبد اللہ سید:

خطبۂ استقبال

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۸ء فروری و مئی ۱-۲۲)

اورینٹل کالج لاہور کے ۸۸ ویں یوم تاسیس کے موقع پر ڈاکٹر عبد اللہ کا پیش کیا ہوا خطبۂ استقبال۔ اس میں مروجہ نظام تعلیم پر تنقید کرنے کے بعد ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے جو مسلمانوں کے عقائد اور ان کی قومی روح کے مطابق ہو۔

۱۶۱ فروز انصر بدیع الزماں:

اسلام اور تحصیل علم

(ثقافت لاہور ۵۸ء مئی ۴۰-۴۳)

اسلامی تعلیمات پر مبنی معاشرے میں ثقافت کی توسیع و ترقی کے وسیع امکانات پر بحث کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ اسلام نے روحانی اور مادی عناصر کے درمیان جو توازن قائم کیا ہے وہ اسلامی ثقافت کی امتیازی خصوصیت ہے۔

۱۶۲ محمد یوسف۔

علوم قدیمہ کا تحفظ

(برہان دہلی ۵۸ء جون ۳۵۷-۳۶۵)

علوم قدیمہ اور درس نظامی کے درمیان ربط پیدا کرتے ہوئے اس کی بقا مع ترمیم کو علوم قدیمہ کے تحفظ کی ایک صورت بتایا ہے۔

۱۶۳ مظہر شاہ:

جامعہ ملیہ

(آجکل دہلی ۵۸ء مئی ۲۲-۲۴)

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی کیفیت تاسیس سے لیکر اب تک بیان کی ہے۔

* * *

نفسیات

١٦٤ ابراہیم ابو خالد:

بچہ اور اس کا تدریجی نشوونما

(تعمیر انسانیت لاہور ۵۸ء مئی ۲۳ـ۲۵)

مادی تمدن کا اسلامی تمدن سے مقابلہ کرنے کے بعد اسلامی تمدن کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ اور اس تمدن میں بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے اور ان کی تادیب کرنے کے جو اصول مقرر ہیں ان کی وضاحت کی ہے۔

فلسفہ

١٦٥ ڈار بشیر احمد۔

انسانی فکر کے ارتقاء میں اخلاقیات کا حصہ

(ثقافت لاہور ۵۸ء جون ۱۳ـ۲۵)

مختلف مذہبوں کی تعلیمات کے پیش نظر فکر انسانی کے ارتقاء میں اخلاقیات نے جو حصہ لیا ہے اس کا مجمل بیان درج کیا ہے۔

١٦٦ صفوی طالب محمد عباس:

فلاسفہ کا تصور الہٰ

(نگار لکھنو ۵۸ء اپریل ۷ـ۱۴)

اس قسط میں ارسطو کے مختصر حالات اور اس کے فلسفے سے بحث کی ہے۔

١٦٧ صفوی طالب محمد عباس:

فلاسفہ کا تصور الہٰ

(نگار لکھنو ۵۸ء مئی ۲۲ـ۲۸)

اس قسط میں پرھو کے فلسفہ پر روشنی ڈالی اور دو فلسفیوں اپی کیورس و ریبو رواقی کے حالات اور ان کے فلسفے کو بیان کیا ہے۔

١٦٨ صفوی طالب محمد عباس:

فلاسفہ کا تصور الہٰ

(نگار لکھنو ۵۸ء جون ۲۰ـ۳۱)

اس قسط میں فلاطینس مصری کے مختصر حالات اور اس کا فلسفہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

١٦٩ غوری بشیر احمد

فارابی کی منطق

(معارف اعظم گڈھ ۵۸ء ۲۷۵ـ۲۸۳)

۵ـ ارسطو کی کتب ثمانیہ کے ساتھ فارابی کے وقت تک جو اعتنا کیا گیا، اس کا مختصر گوشوارہ دیا ہے۔ (جاری)

١٧٠ نور الدین اے۔ ایس۔

اقبال کا فلسفہ حیات، یعنی خودی

(اقبال لاہور ۵۸ء اپریل ۲۶ـ۶۰)

اقبال کے فلسفۂ حیات یعنی مسئلۂ خودی کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

★ ★ ★

متفرقات

۱۷۱ ظفر الحسن مرزا:

ووٹ

(ساقی کراچی ۵۸ء مئی ۲۲-۲۴ و ۵۷)

ووٹ کی نوعیت اور اہمیت بیان کی ہے۔

۱۷۲ علوی مشارق:

دیاسلائی - ایک گھریلو صنعت

(آجکل دہلی ۵۸ء مئی ۴۹ - ۵۰)

دیائی سلائی کی تاریخ اور ہندوستان میں اس کی صعت سے متعلق تفصیل پیش کی ہے۔

۱۷۳ عبد الحق:

سماجی ارتقا کا نظریہ

(ہندستانی ادب حیدرآباد ۵۸ء اپریل مئی جون)

سماجی ارتقا سے متعلق ڈارون، ہربرٹ اسپنسر ای، بی، ٹیلر اور دیگر مغربی مفکرین کے نظریات کا خلاصہ اور ان پر تنقید۔

۱۷۴ غوری شبیر احمد:

مسلمانوں کی ہندسی خدمات

(ثقافت لاہور ۵۸ء مئی ۲۹ - ۳۹)

مسلمانوں نے اپنے دور ترقی میں علوم و فنون کی تحصیل پر بطور خ توجہ کی جو تہذیب و تمدن کی ترقی لئے ضروری ہیں۔ ان علوم میں ریاض ہندسہ بہت اہم ہیں۔ انھیں علوم کی اور باکمالوں کی سرپرستی کا حال مقالہ میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۷۵ محمد جعفر شاہ:

تحدید نسل

(ثقافت لاہور ۵۸ء مئی ۴۸ - ۵۴)

پاکستان کے تحدید نسل کے مسـ کے پس منظر میں مقالہ نگار نے تحد نسل پر دینی اور اخلاقی نقطۂ نظر ـ بحث کر کے اس کی اہمیت و ضرو واضح کی ہے۔

۱۷۶ مصنف، ڈی، ایچ لارنس:

مترجم: محمد سلیم الرحمن۔

محبت، جنس اور شادی

(سویرا لاہور ۲۴ نمبر ۳۵ - ۸۴)

محبت، جنس اور شادی سے متعلق ڈ ایچ، لارنس کے انگریزی مضمون کا ترجـ پیش کیا ہے۔

★ ★ ★

مطبوعات اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(۱) ولی گجراتی از: ڈاکٹر ظہیرالدین مدنی

امام غزلشاعر ولی کے سوانح حیات، زبان
کی خدمات اور اجتہاد پر تفصیلی بحث

۱۵۵ صفحات، قیمت سوا دو روپئے

(۲) کتب خانہ جامع مسجد میں اُردو مخطوطات مرتبہ: حامداللہ ندوی

تقریباً ۷۵ اردو مخطوطات نثر و نظم کا تفصیلی تعارف

بڑی تقطیع، ۱۴۰ صفحات، قیمت چار روپئے

ملنے کا پتـــہ

منیجر ادبی پبلشرز

۸۔ شیفرڈ روڈ

بمبئی - ۸

اپنے ہندی داں دوستوں کو

یہ خوبصورت ادبی تحفے پیش کیجئے

دیوناگری رسم الخط میں

(۱) عالم خیال	(شوق قدوائی)	قیمت ۱ روپیہ ۸۷ نئے پیسے
(۲) مثنوی زہر عشق	(شوق لکھنوی)	قیمت ۲ روپئے ۷۸ نئے پیسے
(۳) سنیما کا عشق	(پطرس بخاری)	قیمت ۲ روپئے ۵۰ نئے پیسے

اعلی کاغذ و طباعت، نفیس جلد اور گرد پوش

منیجر: ادبی پبلشـــــرز شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸

ایڈیٹر: نجیب اشرف ندوی

پرنٹر پبلشر حامد اللہ ندوی نے ادبی پرنٹنگ پریس، ۸ شیفرڈ روڈ، بمبئی ۸ میں چھپواکر [illegible] انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription :

Inland & Pakistan : Rs. 4 Foreign. Shillings 8

(inclusive of postage)

Price per copy: Rupee One

Vol. 9] October - December 1958 [No. 4

All remittance to be made to:

THE ADABI PUBLISHERS,

8 Shepherd Road, Bombay 8. (India)